اردو قواعد

ڈاکٹر مولوی عبدالحق

ناز پبلشنگ ہاؤس پہاڑی بھوجلہ دہلی نمبر۶

قیمت .... چھ روپے

تعداد .... پانچسو

مطبوعہ .... ہندوستان لیتھو پریس

ناشر:-

ناز پبلشنگ ہاؤس پہاڑی بھوجلہ دہلی نمبر ۶

فہرست

مقدمہ

اردو زبان دنیا کی جدید زبانوں میں سے ہے اور ابھی اس نے اپنے
بل بوتے پر کھڑا ہونا سیکھا ہے۔ زبان نہ کسی کی ایجاد ہوتی ہے اور نہ کوئی اُسے
ایجاد کر سکتا ہے جس اصول پر بیج سے کونپل پھوٹتی ہے، پتے نکلتے، شاخیں
پھیلتی، پھل پھول لگتے ہیں اور ایک دن وہی ننھا سا پودا ایک تناور درخت ہو جاتا
ہے اسی اصول کے مطابق زبان پیدا ہوتی، بڑھتی اور پھیلتی پھولتی ہے۔ اردو اس
زمانے کی یادگار ہے۔ جب مسلمان فاتح ہندوستان میں داخل ہوئے اور اہل
ہند سے ان کا میل جول روز بروز بڑھتا گیا۔ اس وقت ملک کی زبان نے خفیف
سا تغیر پیدا ہوتا چلا جس نے ایک نئی صورت اختیار کی۔ جس کا ان میں سے کسی کو
سان گمان بھی نہ تھا۔ مسلمان فارسی بولتے آئے تھے اور ایک زمانے تک ان کی
زبان فارسی ہی رہی۔ دربار دفاتر میں بھی اسی کا سکہ جاری تھا۔ ہندوؤں نے بھی
اسے شوق سے سیکھا۔ اس زمانہ میں فارسی لکھنا پڑھنا تہذیب میں داخل تھا
فارسی کے علاوہ عربی مسلمانوں کی مذہبی اور علمی زبان تھی۔ دستارِ فضیلت
کا ملنا بغیر تحصیل زبان عربی نا مکمل تھا۔ کیوں کہ مسلمانوں کے علوم و
فنون کا خزانہ اسی زبان میں مدفون ہے۔ ادھر ملک میں جو زبان

(قدیم ہندی یا پراکرت) رائج تھی اسے بھی مسلمانوں نے سیکھا۔ عوام وہی زبان
بولتے تھے۔ چنانچہ اس مخلوط زبان میں بڑے بڑے شاعر ہو گئے۔ مسلمان
شاہی درباریوں اور علما اور شعراء نے بھی یہ زبان سیکھی اور اس میں تالیف
بھی (جو زیادہ تر نظم تھی) کی۔ بغرض ہندوستانیوں کے اس میل جول اور خلا ملا
سے ایک نئی زبان نے جنم لیا جس کا نام بعد میں اردو رکھا گیا۔ اردو کے معنی
لشکر کے ہیں اور لشکری زبان جیسی ہوتی ہے ظاہر ہے۔ یعنی آدھا تیتر آدھا بٹیر
اس لئے اول اول ثقہ لوگ اس کے استعمال سے بچتے رہے۔ اور اس کے
لکھنے پڑھنے کو عار سمجھتے رہے۔ لیکن رفتہ رفتہ اس کے قدم جمتے گئے۔ اور مغلیہ
سلطنت کے آخری دور میں شعراء نے اس بچہ کو اپنے سایہ عاطفت میں لیا اور
پال پوس کر بڑا کیا۔ بہت کچھ صفائی پیدا کی اور نئی تراش خراش سے آراستہ
کیا۔ مغلیہ سلطنت کے زوال پر ایک نئی قوم ہندوستان پر مسلط ہوئی جو ہندو
مسلمانوں سے بالکل غیر تھی۔ اس قوم نے اس کی انگلی پکڑتے اس کا پہنچا پکڑا۔ اور
دربار سرکار میں اس کی رسائی ہو گئی۔ اور رفتہ رفتہ دفاتر سے فارسی کو نکال
باہر کیا اور خود اس کی کرسی پر جلوہ گر ہوئی۔ آخر ہندوستان کی قدیم راجدھانی
اس کا جنم بھوم اور دوآبہ اس کا وطن ہوا۔ اب دور دور پھیل چکی ہے اور ہندوستان
کے اس سرے سے اس سرے تک چلے جائیے ہر جگہ بولی اور سمجھی جاتی
ہے بلکہ ہندوستان کے باہر تک جا پہنچی ہے۔ سب سے بڑی بات
یہ ہے کہ تین مختلف جلیل القدر قوموں کی یعنی ہندو، مسلمان اور
انگریزوں کی چہیتی ہے اور ان تینوں کی متفقہ کوششوں کی عظیم الشان
یادگار ہے۔ تینوں نے اسے سیکھا، پڑھا، لکھا۔ تینوں نے اس کی
ترقی میں مقدور بھر کوشش کی اور اب تینوں کی بدولت اس رتبے

کو پہنچی کہ دنیا کی جدید زبانوں میں شمار کئے جانے کے قابل ہوئی۔

اردو ہندی نژاد ہے اور قدیم ہندی یا پراکرت کی آخری اور سب سے شائستہ صورت ہے۔ ہندی بولی اور فارسی کے میل سے بنی ہے اس میں جو سنسکرت اور پراکرت کے الفاظ ہیں وہ زمانہ دراز کے استعمال اور زبانوں پر چڑھ جانے سے ایسے ڈھل گئے ہیں کہ اصل الفاظ میں جو بھدا پن اور کرختگی اور تلفظ اور لہجے کی دقت تھی بالکل جاتی رہی اور چھٹ چھٹا کر پاک و صاف سیدھے سادے رہ گئے ہیں۔ جس سے زبان میں لوچ، گھلاوٹ اور صفائی پیدا ہو گئی۔ اردو کے ہندی نژاد ہونے میں کچھ شبہ نہیں کیونکہ بیرونی زبانوں کا اثر صرف اسماء و صفات میں ہوا ہے۔ ورنہ زبانوں کی بنیاد یہیں کی زبان پر ہے تمام حروف فاعلی، مفعولی، اضافت، نسبت، ربط وغیرہ ہندی ہیں ضمیریں سب کی سب ہندی ہیں۔ افعال سب ہندی ہیں۔ لیکن عربی فارسی الفاظ کے اضافے نے مختلف صورتوں میں اس کی اصل خوبی میں اضافہ کر دیا ہے ہندی الفاظ میں دل نشینی کا خاص اثر ہے اور عربی فارسی الفاظ میں شان و شوکت، اور زبان کیلئے ان دونوں عنصروں کا ہونا ضروری ہے۔ عربی فارسی الفاظ نے نہ صرف لغت و نحو میں بلکہ خیالات میں بھی وسعت پیدا کر دی ہے۔ جس سے اس کا حسن دوبالا ہو گیا۔ اور وہ زیادہ وسیع اور کار آمد بن گئی۔ مگر اصل بنیاد جس پر وہ قائم ہے ہندی ہی ہے۔ محض غیر زبانوں کے اسماء و صفات کے اضافے سے اس کے ہندی ہونے میں مطلق فرق نہیں آسکتا۔ مثلاً آج کل بہت سے انگریزی لفظ داخل ہوتے جاتے ہیں لیکن اس سے زبان کی اصلیت و ماہیت پر کچھ اثر نہیں پڑ سکتا۔ ایک دوسری بات اردو زبان میں یہ ہے کہ اس

اصول پر قائم ہے کہ جو تمام جدید زبانوں میں اس وقت پایا جاتا ہے یعنی صورت ترکیبی سے حالت تفصیلی کیطرف اس کا رجحان ہے۔ قدیم زبانوں میں یہ بڑی دقت تھی کہ ایک ہی لفظ کو ذرا ذرا سے فرق اور پھیر سے مختلف صورتوں میں لے آتے تھے۔ اب دوسرے الفاظ کی مدد سے مرکب صورتیں پیدا ہو گئی ہیں اور وہ دقتیں جاتی رہی ہیں اردو کو بھی اس قید سے آزادی مل گئی ہے غرض یہ زبان مختلف حیثیتوں سے ایسی قبول صورت ہو گئی ہے کہ اس کی ترقی میں شبہ نہیں ہو سکتا۔ اس کی صفائی، فصاحت اور صلاحیت اور ہندی فارسی عربی اور انگریزی کے مختلف مفردات اس امر کا یقین دلاتے ہیں کہ وہ دنیا کی ہونہار زبانوں میں سے ہے۔ اور ایشیا میں ایک روز اس کا ستارہ چمکے گا۔"

مجھے خوب یاد ہے کہ کئی سال کا عرصہ ہوا کہ میرے ایک دوست نے جلسے میں تذکرتاً میری کتاب حرف و نحو اردو کے متعلق کہا کہ انجمن ترقی اردو (حیدرآباد دکن) اسے چھپوا دے تو بہت اچھا ہو۔ اس پر ہمارے ایک عالم دوست نے فرمایا کہ حرف و نحو کی کتابیں بچوں کیلئے ہوتی ہیں۔ انجمن کی طرف سے ایسی کتابوں کا طبع ہونا ٹھیک نہیں۔ مجھے اس میں کلام ہے کہ صرف و نحو کی کتابیں بچوں کیلئے مخصوص ہیں بلکہ میری رائے میں اپنی زبان کی صرف و نحو پڑھانا مضر ہے۔ البتہ میں تسلیم کرتا ہوں کہ ایک زندہ اور جدید زبان کے لئے گریمر (صرف و نحو) کی چنداں ضرورت نہیں ہوتی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آخر گریمر کی ضرورت پڑی کیوں؟ جب ہم دنیا کی مختلف زبانوں پر نظر ڈالتے ہیں اور ان کے ادب کی تاریخ بغور پڑھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں گریمر کی ضرورت اس وقت واقع ہوئی جب کہ ایک زبان والوں نے دوسری زبان کے

حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اول اول خود اہل زبان کو بھی اس کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ مثل دوسرے علوم وفنون کے ضرورت نے اسے بھی ایجاد کیا اور زبان کے سب سے پہلے علمی نحوی وہ لوگ تھے جنہوں نے سب سے اول علمی طور پر زبانوں کی تعلیم دی۔ صرف و نحو کے قواعد کی تدوین انہیں معلمین السنہ کا کام تھا۔

زبانوں کا سیکھنا سکھانا نسبتاً جدید زمانے کی ایجاد ہے جو آج کل خاصا پیشہ ہوگیا ہے۔ قدیم زمانہ میں لوگ غیر زبانوں کے سیکھنے کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے مثلاً کسی قدیم یونانی یا عرب کو کسی دوسری زبان کے سیکھنے کا کبھی خیال نہیں آتا تھا اور وہ کیوں سیکھتا؟ اس لئے کہ یونانی سوائے یونانیوں کے اور عرب سوائے عربوں کے سب کو وحشی خیال کرتا تھا۔ غیروں کی زبان سیکھنا ان کے ادب و اطوار کو اختیار کرنا اس کے لئے عار اور موجب ذلت تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یونانی غیر اقوام کو ایک لوسائی یعنی بے زبان، عرب اور دوسروں کو عجم یعنی گونگے اور پول اپنے پڑوسی اہل جرمن کو نیمیا یعنے گونگے بہرے، اور ہندو اپنے سوا دوسروں کو ملیکھ (ملیچھ) کہتے تھے۔ ملیکھ یعنی ملیچھ کے اصل معنی ایسے شخص کے ہیں جسے صاف طور پر بولنا نہیں آتا۔

جب یونانیوں کو دوسری قوم سے سابقہ پڑا اور ان سے بات چیت کی ضرورت ہوئی تو بڑی دقت پیش آئی اگر ہر شخص اپنی ہی زبان بولنے پر اصرار کرے تو دوسرے کی بات کیوں کر سمجھے۔ ان کے لئے غالباً غیر زبانوں کے سیکھنے کی پہلی محرک تجارت ہوئی اور دوسری محرک اسکندر کی فتوحات۔ ایران اور ہندوستان کی فتوحات نے یونانیوں پر ثابت کر دیا کہ دوسری قومیں بھی زبان رکھتی ہیں لیکن طرہ یہ ہے کہ بہ نسبت یونانیوں کے دوسری اقوام میں جنہیں

یونانی وحشی کہتے تھے زبانیں سیکھنے کی زیادہ صلاحیت نہ تھی۔ اسکندریہ کی فتوحات
نے باہمی میل جول کا راستہ کھول دیا۔ اور اسکندریہ مختلف اقوام، مختلف زبانیں
بولنے والوں اور مختلف مذاہب کے لوگوں کا سنگم ہو گیا۔ گو ابتدائی تعلق تجارتی
تھا۔ لیکن فرصت کے اوقات میں دوسرے معاملات اور مباحث بھی خود بخود
زیر بحث آ گئے۔ علاوہ اس کے خود یونانی اسکندریہ میں موجود تھے جو قدیم حالات
کی تحقیق میں مصروف تھے اور اسی طرح مصریوں، ایرانیوں اور یہودیوں کے علم و ادب
و معتقدات بحث میں آئے۔ اگرچہ اسکندریہ میں دوسری اقوام کے علم ادب کے
متعلق ایک دلچسپی پیدا ہو گئی تھی لیکن زبان کی تحقیق و تنقید، دوسری زبانوں کے
مطالعہ سے پیدا نہیں ہوئی بلکہ خود یونانی زبان کی مختلف شاخوں پر غور کرنے
سے اس کا آغاز ہوا۔ اور سب سے بڑی وجہ اس کی ہومر کی کتاب ہوئی۔ سب
سے اول ان علماء نے زبان کی تنظیم کی طرف توجہ کی جو قدیم اساتذہ اور خاص کر
ہومر کی تصانیف کو صحت اور تنقید کے ساتھ شائع کرنے کا کام کر رہے تھے
مختلف نسخے اسکندریہ اور پرگامس میں یونان کے مختلف حصوں سے وصول
ہوئے۔ جن میں آپس میں بہت کچھ اختلاف تھا اور اس لئے ان علماء کو
مجبوراً یونانی گریمر کی صحیح صورت قائم کرنے پر متوجہ ہونا پڑا۔ اس میں شک
نہیں کہ ان لوگوں نے اول یونانی زبان کا تنقیدی نظر سے مطالعہ کیا اور
اس کی تنظیم کی اور مختلف اجزائے کلام کا امتیاز قائم کیا اور الفاظ کے
مختلف عملوں کے لئے اصطلاحی الفاظ گھڑے لیکن تاہم حقیقی اور
ابتدائی گریمر ابھی تک نہیں لکھی گئی تھی۔ پہلا حقیقی نحوی ڈائونی سی
آس تھریکس تھا۔
یہ شخص جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے تھریس کا باشندہ تھا لیکن

وہ اسکندریہ میں رہتا تھا۔ بعد ازاں وہ روما گیا۔ اس نے رومانی زبان کی تعلیم دینی شروع کی اور معلمی پیشہ اختیار کیا اور اپنے رومن شاگردوں کیلئے زبان کی پہلی گرامر لکھی۔ اگرچہ گرامر کا ڈھانچہ پہلے سے موجود تھا لیکن اس نے پہلے کے فلسفیوں اور نقادوں کے نتائج سے فائدہ اٹھا کر یہ کتاب مرتب کی، یونانیوں کیلئے نہیں، کیونکہ انہیں ضرورت نہ تھی وہ اپنی زبان سے خود واقف تھے بلکہ اہل روما کی تعلیم کے لیے۔ اس شخص کے بعد اور لوگ پہنچے اور معلمی یا مترجمی کا پیشہ کرنے لگے۔ یہ پیشہ وہاں اچھا خاصا اور معزز سمجھا جاتا تھا کیونکہ رومن نوجوانوں کو یونانی پڑھنے لکھنے اور بولنے کا ایسا ہی شوق اور خبط تھا۔ جیسا آج کل ہندی نوجوانوں کو انگریزی پڑھنے لکھنے اور بولنے کا ہے۔ یہاں تک کہ بچوں کو اول یونانی پڑھائی جاتی تھی اور بعد میں لاطینی۔ یونانی ادب و تہذیب کا اختیار کرنا اور یونانی جاننا شرافت کی علامت سمجھی جاتی تھی۔ بعینہٖ جیسے جیسے ہمارے ہاں آج کل انگریزی پہناوے، انگریزی بات چیت، انگریزی طرز معاشرت باعث فخر خیال کی جاتی ہے۔ گو روما نے یونان کو فتح کیا تھا۔ لیکن علمی لحاظ سے وہ خود اس کا مفتوح ہو گیا۔ غرض یونانی زبان کے سیکھنے اور یونانی کتابوں کے ترجمے کا عام رواج ہو گیا اور اسی وجہ سے یونانی گرامروں کی ضرورت ہوئی اور جب لاطینی گرامر لکھی گئی تو یونانی اصطلاحات لاطینی لباس میں ترجمہ ہو کر داخل ہو گئیں اور اسی جدید لباس میں یہ گرامر دو ہزار سال سے یورپ پر چھائی ہوئی ہے۔ بلکہ آج اس کا اثر ہندوستانی مدارس اور ہندوستانی زبانوں میں بھی پایا جاتا ہے۔

جب ہم عربی زبان کی صرف و نحو کی ابتدا پر نظر ڈالتے ہیں تو بعینہٖ یہی صورت وہاں بھی پیش آئی۔ جس طرح ہومر کی کتاب کی درستی اور صحت کیلئے

اول اول نحو کے ابتدائی اصول پر نظر گئی۔ اسی طرح قرآن پاک کے الفاظ کی
صحت قائم رکھنے کے لئے سب سے پہلے زبان کی نحو کی طرف مجبوراً توجہ کرنی
پڑی سب سے پہلا شخص ابو الاسود تھا جسے ایک قاری کو قرآن کی آیت غلط پڑھتے
ہوئے سن کر یہ خیال ہوا کہ اگر خدانخواستہ یہ حالت رہی تو اندیشہ ہے کہ
قرآن پاک کے معانی کچھ سے کچھ ہو جائیں گے۔ ابتداء میں عربی رسم الخط ایسا
تھا کہ اس میں نقطے اور اعراب نہ تھے۔ اور اس لئے اعراب اور نقطے ایجاد ہونے
پڑے صرف و نحو کا خیال بھی اس قسم کے واقعات سے پیدا ہوا خصوصاً جب
اہل عجم مذہب اسلام میں داخل ہوئے اور عربی زبان کا اثر وسیع ہونے لگا
تو عجمی اس زبان کے بولنے میں طرح طرح کی غلطیاں کرنے لگے۔ زبان کے
خراب اور مسخ ہونے کا اندیشہ ہوا۔ اس سے ابو الاسود کی تحریک پر حضرت علیؑ
نے نحو کا پہلا قاعدہ بتایا کہ " سارا کلام اس سے خالی نہیں کہ یا تو اسم ہوگا یا فعل
یا حروف، چنانچہ اس بنا پر ابو الاسود نے اول اول قواعد فن لسان کی
تدوین کی جب عربوں کی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا اور عربی زبان کی روشنی
بھی ساتھ ساتھ پھیلنی شروع ہوئی تو قواعد زبان کی ضرورت روز بروز بڑھنے
لگی۔ کوفہ و بصرہ میں نحویں کے دو الگ، مذہب قائم ہو گئے جن کے مباحث پر
اس وقت نظر ڈالنا ہمارے مقصد سے خارج ہے۔ غرض ہوتے ہوتے
نوبت یہ پہنچی کہ نحو یا تو زبان سیکھنے کا آلہ تھی یا خود ایک مستقل فن ہو گئی۔ اور
ایک نحوی کی ایسی ہی عزت ہونے لگی جیسے کسی عالم فاضل کی، عربی صرف و نحو
کی تدوین میں عجمیوں نے بہت بڑا حصہ لیا۔ کیونکہ ضرورت زیادہ انہیں کو
تھی، اور بڑی بڑی ضخیم کتابیں لکھیں اور اس میں وہ بحثیں اور نزاکتیں
پیدا کیں کہ یہ فن خاصا فلسفہ ہو گیا۔ اور اس کے پڑھنے پڑھانے

میں مبالغہ کے ساتھ بڑے بڑے اہتمام ہونے لگے۔ جس کا اثر اب تک باقی ہے۔ عربی زبان اور صرف نحو کا اثر فارسی، ترکی، اردو زبانوں پر بہت کچھ اثر ہوا ہے۔ اور اب تک عربی اصطلاحات صرف و نحو ان زبانوں کی قواعد میں برابر جاری ہیں۔ بلکہ فارسی اردو کی صرف و نحو عربی کی صرف و نحو کی نقل ہے، اور نقل کیا کی ہے منھ چڑایا ہے۔ غرض کہنے کی بات یہ ہے کہ عربی صرف و نحو کو زیادہ رونق اور عروج عجمی علما کی بدولت ہوا ہے۔

موجودہ زبان فارسی کو دیکھا جائے تو اس کی صرف و نحو بہت صاف اور سیدھی اور مختصر ہے۔ اور اس میں مطلق وہ پیچیدگیاں نہیں جو قدیم زبانوں یا اردو زبان میں ہیں۔ لیکن یار لوگوں نے عربی کے تتبع میں اس کی بھی خوب مٹی خراب کی۔ زبان کچھ کہتی ہے۔ اور گرامر کچھ اور بعینہ یہ مثل صادق آتی ہے۔

من چہ سرایم و طنبورۂ من چہ سراید

لیکن تاہم بری بھلی جو کتابیں فارسی صرف و نحو، تنقید زباں، صنائع بدائع اور لغت پر لکھی گئی ہیں وہ سب زیادہ تر تو اہل ہند یا بعض اور بیرونی لوگوں کی تصنیف سے ہیں۔ اہل زبان نے کبھی قلم اٹھانے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ اور حقیقت بھی یہ ہے کہ انہیں اپنی زبان کی صرف و نحو لکھنے کی ضرورت ہی نہ تھی اور نہ کبھی انہیں اس کا خیال آیا۔ وہ ان کی مادری زبان تھی۔ پیدا ہوتے ہی وہی آوازیں ان کے کانوں میں پڑتی تھیں۔ اور ہوش سنبھالتے ہی وہی زبان جو سنتے تھے بولتے تھے صرف و نحو تو وہ پڑھے۔ جس کی مادری زبان نہ ہو، اور یہی وجہ ہے کہ فارسی کی صرف و نحو غیروں نے لکھی۔

اس کے بعد جب ہم اردو زبان پر نظر ڈالتے ہیں تو اس کی حالت سب سے عجیب و غریب ہے۔ اس کی صرف و نحو کی طرف ابتدا میں نہ صرف کسی اہلِ ہند بلکہ

ایشیا بھر میں کسی شخص کا خیال نہ گیا۔ اور خیال کیا تو غیروں نے۔ اور غیر بھی کیسے
بات اور زبان ہی میں غیر نہیں بلکہ صورت شکل، عادات و اطوار، طریق ماندو بود، طرز
خیال غرض گفتار، رفتار و کردار میں بھی غیر ہیں اور ایسے غیر کہ باوجودیکہ دو سو ڈیڑھ سو
برس ایک سرزمین میں ایک ساتھ رہتے گزر گئے ہیں۔ مگر اب تک غیریت نہیں
گئی۔ میرا مطلب اہل فرنگ سے ہے جو اگرچہ بنے آئے تھے اور گھر کے مالک
بن بیٹھے۔ اہل یورپ کے آنے سے اس ملک کو اگر کچھ فوائد پہنچے ہیں تو ان میں
سے بلا شبہ ایک یہ بھی ہے کہ انہیں نے ایک ایسی زبان کی اور تقویت میں ہاتھ
بٹایا جو ملک کی مختلف اقوام کی واحد اور مشترکہ زبان تھی۔ اگرچہ اس میں ان کی
ذاتی غرض پنہاں تھی۔ کیونکہ بغیر ایک زبان سیکھے ان کو اپنی اغراض میں کامیابی
نہیں ہو سکتی تھی مگر ذاتی اغراض کے ساتھ ملکی اغراض بھی خود بخود انجام پا گئے۔
ان لوگوں کے اس زبان پر توجہ کرنے اور سیکھنے سے بھی یہ صاف عیاں ہے
کہ زبان ملک کی عام زبان تھی۔ ان حضرات کو ملک کی کسی زبان سے نہ الفت
تھی نہ نفرت۔ وہ ایسی زبان سیکھنی چاہتے تھے جو ہر جگہ کار آمد ہو اور
ان کے کاروبار اور معاملات میں سہولت پیدا کرے اور وہ سوائے
اردو کے کوئی دوسری زبان نہ تھی۔ لہذا اس کی تحصیل میں انہوں نے کوشش
کی۔ اور بے شک یہ ان کے اغراض کے لئے مفید بھی ثابت
ہوئی۔

جہاں تک تحقیق کی گئی ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ پہلے یورپین جس
نے ہندوستانی زبان کے قواعد لکھے وہ جان شوا کیٹلر تھا جو پرشیا کے شہر
اہل بسخن میں پیدا ہوا۔ مذہب میں یہ لوتھر کا پیرو تھا۔ یہ شخص شاہ عالم
بادشاہ (سنہ ۱۷۰۸ - ۱۷۱۲ء) اور جہاں دار شاہ (سنہ ۱۷۱۲ء) کے دربار

میں بطور ڈچ سفیر کے حاضر ہوا۔ سنہ ۱۷۱۱ء وہ ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی کا ناظم تجارت
بہ مقام سورت مقرر ہوا۔ وہ لاہور سے آیا۔ اور جاتے وقت براہ دہلی آگرے سے
گزرا۔ لیکن یہ بالیقین نہیں کہا جا سکتا کہ وہ وہاں ٹھہرا تھا یا نہیں اگرچہ وہاں اہل
ڈچ کا ایک کارخانہ سورت کے تحت میں موجود تھا۔ اس کا مشن لاہور کے قریب
۱۰ دسمبر سنہ ۱۷۱۱ء کو پہنچا اور جہاں دارا شاہ کے ہمراہ دہلی واپس ہوا۔ اور
آخر کار اس مقام سے ۱۴ اکتوبر سنہ ۱۷۱۲ء کو روانہ ہو کر ۲۰ اکتوبر کو آگرے
پہنچا۔ اور پھر آگرے سے سورت واپس چلا گیا۔ سنہ ۱۷۱۶ء تک
وہ تین سال سورت میں ڈچ کمپنی کا ناظم (ڈائرکٹر) رہا۔ اس کے بعد وہ
ایران کا سفیر مقرر ہوا۔ اور بٹاویا سے جولائی ۱۷۱۶ء میں روانہ ہوا۔ اس وقت
اسے ایسٹ انڈیا میں ڈچ کی ملازمت کرتے ہوئے تیس سال ہو گئے تھے
اور اصفہان سے واپس ہوتے وقت خلیج فارس کے مقام گمبرون میں
بہ علالت بخار انتقال کیا۔

اس نے ہندوستانی زبان کے قواعد اور لغت پر کتاب لکھی۔ جو ڈیوڈ مل
نے سنہ ۱۷۴۳ء میں چھاپ کر شائع کی۔ قیاس یہ ہوتا ہے کہ یہ کتاب
اس نے ۱۷۱۵ء کے لگ بھگ تالیف کی ہو گی۔ یہ لیٹن زبان میں ہے
لیکن ہندوستانی الفاظ اور عبارتیں رومن حروف میں ہیں۔ البتہ حروف کے
پیٹوں میں ہندوستانی الفاظ بعینہٖ لکھے ہیں اور ان الفاظ کا املا ڈچ زبان کے
طریقہ پر ہے۔ ایک بات اس قواعد میں قابل لحاظ یہ ہے کہ حرف فاعلی "نے"
کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ اور علاوہ ہم کے وہ "آپ" کو بھی (جو گجراتی کے اندر
استعمال ہوتا ہے) جمع متکلم کی ضمیر بتاتا ہے۔

کٹیلر کی گرامر کے طبع ہونے کے دوسرے سال مشہور مشنری شلز

کی کتاب ہندوستانی زبان اردو کے قواعد پر شائع ہوئی (سنہ طبع ۱۷۴۴ء)
یہ صاحب کٹیلر کی گریمر سے واقف تھے۔ اور اپنی کتاب کے دیباچے میں اس
کا ذکر بھی کیا ہے۔

شلز کی گریمر بھی لیٹن میں ہے۔ مگر ہندوستانی الفاظ فارسی عربی خط
میں ہیں۔ اور ان کا تلفظ بھی ساتھ ساتھ لاطینی میں دیا ہے۔ ناگری حروف کی بھی تعریف
کی ہے۔ مگر بعض حروف بالکل ترک کر دیے ہیں۔ وہ ضمائر شخصی کے واحد و جمع
سے واقف ہے۔ لیکن افعال متعدی کے زمانہ ماضی کے ساتھ "نے" کے
استعمال سے واقف نہیں۔ اور یہ اسی پر موقوف نہیں بلکہ اکثر قدیم کتب
قواعد میں "نے" نظر انداز کر دیا گیا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ پرانی اردو
میں "نے" کا استعمال بالالتزام نہیں ہوتا تھا۔

ہیڈلے کی گریمر سنہ ۱۷۷۲ء میں شائع ہوئی۔ اس کے بعد متعدد
کتابیں ہندوستانی زبان کے قواعد کے متعلق لکھی گئیں۔ جن میں سے زیادہ
مشہور ہیڈیگز گرمیٹیکا اندوستان ہے جو لزبن میں سنہ ۱۷۷۸ء میں شائع ہوئی
اس کے بعد کا وہ زمانہ ہے جبکہ جان گلگرسٹ نے ہندوستانی زبان کی
خدمت شروع کی۔ لیکن جان گلگرسٹ کی خدمت کا ذکر کرنے سے قبل ہم ایک
شخص ہے بی ٹوفن کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ اس نے اپنے حالات خود اپنی کتاب
کے دیباچہ میں لکھے ہیں۔ مختصر یہ کہ یہ شخص مدراس میں سنہ ۱۷۸۵ء
میں آیا اور غالباً ہیڈ ماسٹری کی خدمت پر مامور ہوا۔ وہاں دو سال قیام
کرنے کے بعد کلکتہ چلا آیا۔ وہاں اس کی ملاقات ایک پنڈت سے ہوئی جس سے
اس نے سنسکرت بنگالی اور ہندوستانی (جیسے وہ ہندوستان کی مخلوط زبان کہتا
ہے) پڑھنی شروع کی۔ کچھ دنوں کے بعد اس نے دو ناٹکوں کا ترجمہ بنگالی میں کیا اور انکے

اپنے بیان کے بموجب ان میں سے ایک ناٹک عام طور پر پبلک میں پسند کیا گیا۔ اس کی بہت تعریف ہوئی۔ ایڈلنگ لکھتا ہے کہ اس کے بعد وہ مغل بادشاہ کے یہاں تھیٹر کا منتظم ہو گیا اور آخر مشرق میں بیس سال قیام کے بعد انگلستان واپس چلا گیا۔ لندن میں اس نے اپنی گریمر شائع کی اور روسی سفیر ٹرون زد سے ملاقات پیدا کی، اس نے اسے روس بھیج دیا۔ جہاں وہ فارن آفس میں ملازم ہو گیا۔ اور سرکار کی طرف سے سنسکرت کا مطبع قائم کرنے کے لئے اسے بہت کچھ رقم دی گئی۔ لیکن اس کی ہندوستانی گریمر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید بہ نسبت ہندوستانی زبان کے اس کا علم بنگالی اور سنسکرت میں زیادہ ہو۔ کیونکہ اس نے ہندوستانی گریمر میں نہ صرف الفاظ کا تلفظ غلط لکھا ہے، بلکہ قواعد کے بیان کرنے میں بہت سی صریح غلطیاں کی ہیں۔[۱]

ڈاکٹر جان گلگرسٹ کا نام اردو کے محسنوں میں نہایت ممتاز ہے اور اردو زبان کا مؤرخ ان کا ذکر بغیر احسان مندی اور شکر گزاری کے نہیں کر سکتا۔ انہوں نے نہ صرف زبان اور قواعد زبان اور لغت پر اعلیٰ درجے کی کتابیں لکھیں بلکہ چند خاص اہل زبان حضرات کو جمع کر کے ان سے ایسی کتابیں لکھوائیں جن میں سے بعض ہمیشہ زندہ رہیں گی۔ ڈاکٹر صاحب نے اردو کی خدمت کا کام سنہ ۱۷۸۷ء میں شروع کیا اور فورٹ ولیم کالج اور اردو زبان کی تالیف و تصنیف کا مرکز انیسویں صدی کے ابتدائی دس سال تک رہا۔ اگرچہ اصل مقصد اس کا یہ تھا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی میں جو انگریز ملازم ہو کر آتے تھے ان کو اردو سکھانے کیلئے مناسب کتابیں لکھوائی جائیں۔

---

[۱] دیکھو لنگوسٹک سروے آف انڈیا جلد ۸۔

تاکہ وہ آسانی سے اس ملک کی زبان کو جو ہر جگہ بولی یا سمجھی جاتی ہے سیکھ سکیں۔
لیکن اس پردے میں بعض بے مثل کتابیں لکھی گئیں۔ اور آئندہ اس
ڈھنگ کی تالیف کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ خود گلکرسٹ صاحب نے متعدد
کتابیں اردو زبان میں اور اس کی لغت اور قواعد پر لکھی ہیں۔ ان کی کتاب
قواعد اردو سنہ ۱۸۰۹ء میں چھپ کر شائع ہوئی۔ اگرچہ ان کی دو ایک کتابیں
جو اس سے چند سال قبل طبع ہوئی تھیں ان میں بھی اردو زبان کے قواعد کا کچھ
حصہ شریک تھا۔

مسٹر جان شکسپیئر کی اردو گریمر لندن میں اول اول سنہ ۱۸۱۳ء
میں شائع ہوئی۔ دوسرا ایڈیشن سنہ ۱۸۱۸ء میں تیسرا سنہ ۱۸۲۶ء میں،
چوتھا ایڈیشن جس میں دکنی زبان کی مختصر سی گریمر بھی اضافہ کی ہے سنہ ۱۸۴۳ء
میں اور اس کے بعد ایک ایڈیشن سنہ ۱۸۵۸ء میں شائع ہوا۔

سنہ ۱۸۲۰ء میں اردو رسالہ گلکرسٹ کے نام سے ایک کتاب کلکتے میں
میں شائع ہوئی۔ اور اس کے کئی ایڈیشن سنہ ۱۸۳۱ء ۱۸۴۶ء میں اور ۱۸۶۹ء
میں آگرے میں چھپے۔ یہ رسالہ در اصل گلکرسٹ کی گریمر کا ملخص ہے۔

ولیم ٹیٹ نے ایک کتاب مقدمۂ زبان ہندوستانی کے نام سے
تالیف کی جو تین حصوں پر منقسم تھی، یعنی گریمر، لغت اور اسباق زبان دانی۔
اول بار کلکتے میں سنہ ۱۸۱۰ء میں طبع ہوئی۔ دوسری بار ۱۸۲۴ء میں اور تیسری
بار سنہ ۱۸۳۳ء میں چھپی۔

گلکرسٹ صاحب کے بعد اردو کا دوسرا یورپین محسن فرانسیسی عالم
گارساں تاسی تھا۔ اس نے اصول زبان ہندوستان پر ایک کتاب لکھی
جو پیرس میں سنہ ۱۸۲۹ء میں طبع ہوئی۔ اور صرف اردو پر ایک بلحاظ فن جنول

ریشیاٹک سوسائٹی بابت سنہ ۱۸۳۸ء میں لکھا۔ اس کے علاوہ موصوف نے تاریخ شعرائے اردو تین جلدوں میں لکھی جو بہت کارآمد ہے۔

ان کی تصنیفات سے متعدد رسالے اردو زبان اور اردو مصنفین پر ہیں۔ ان کے سالانہ لکچر (اردو زبان کی سالانہ ترقی و اشاعت پر) بہت مفید معلومات سے مملو ہیں۔

مسٹر ایس۔ ڈبلیو بری ٹن نے ہندوستانی زبان کے قواعد پر ایک تالیف کی جو لندن میں سنہ ۱۸۳۰ء میں طبع ہوئی۔

اس کے ایک سال بعد یعنی سنہ ۱۸۳۱ء میں مسٹر سینڈفورڈ آرناٹ کی کتاب بنام جدید خود آموز قواعد زبان ہندوستانی "جو برٹش انڈیا کی نہایت کارآمد اور عام زبان ہے"، شائع ہوئی۔ یہ کتاب فارسی اور رومن حروف میں ہے۔ اور اس کے ساتھ بطور ضمیمے کے لغت مشقی اسباق زبان دانی بھی اضافہ کئے گئے ہیں۔ لندن میں اول بار ۱۸۳۱ء میں، اور دوسری بار ۱۸۴۴ء میں طبع ہوئی۔

۱۸۴۲ء میں ایک کتاب انگریزی اور ہندوستانی افعال بے قاعدہ پر اور مقدمہ قواعد ہندوستانی برائے افادۂ طلبہ، مدراس میں طبع ہوئی مؤلف کا نام تحریر نہیں ہے۔

ہندوستانی زبان کے قواعد مشرقی اور رومن حروف میں مع آسان انتخابات بغرض تحصیل زبان دانی، فارسی، عربی، اور دیوناگری حروف میں مؤلفہ الیس۔ آونارٹ بہ اضافہ فرہنگ، وحواشی از مسٹر ڈنکن فاربس مطبوعہ لندن ۱۸۴۴ء۔

اسی سال مسٹر جیمس آر بالن ٹائن کی گریمر لندن میں طبع ہوئی اور

غالباً یہی کتاب بعد ترمیم و اضافہ سنہ ۱۸۹۸ء میں شائع ہوئی۔

۱۸۴۷ء میں ہندوستانی زبان کی ایک گریمر لندن میں طبع ہوئی اس کے مولف ریونڈ جی اسمال تھے۔ اس میں کچھ انتخابات اردو ادب کے بھی شریک ہیں۔ اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن ۱۸۵۸ء میں شایع ہوا۔

جرمنی کے ایک عالم جے دت لو پر انھوں نے بھی ہندوستانی زبان کے قواعد پر ایک کتاب لکھی تھی جو برلن میں ۱۸۵۲ء میں طبع ہوئی۔

مسز مونیرہ لیمس نے سنسکرت اور اردو زبان کی جو خدمت کی ہے وہ محتاج تعریف نہیں۔ ایک زمانہ اس سے واقف ہے۔ صاحب موصوف نے ہندوستانی زبان کی ابتدائی کتاب لکھی اور اس میں علاوہ روزمرہ کے استعمال کے الفاظ و محاورات و قصص کے بتدیوں کیلئے صرف و نحو کے قواعد بھی درج کئے۔ اس کے سوا ہندوستانی گریمر مؤلفہ کاٹن ماتھر مطبوعہ لندن ۱۸۶۲ء کو مرتب کیا۔ جو ۱۸۶۲ء میں شائع ہوئی۔

سنہ ۱۸۷۲ء میں مسٹر جان ڈوسن نے اردو زبان کی ایک گریمر تالیف کی۔

مسٹر جان پلیٹ کی قواعد اردو، لندن میں سنہ ۱۸۷۴ میں طبع ہوئی یہ کتاب در حقیقت اچھی لکھی گئی ہے۔

کسی یورپین صاحب نے دکنی گریمر پر ایک رسالہ لکھا تھا۔ لیکن اس پر مؤلف کا نام نہیں۔ یہ رسالہ سنہ ۱۸۷۸ میں مدراس میں طبع ہوا۔

پام صاحب کی ہندوستانی، فارسی، عربی گریمر ۱۸۸۲ء میں بمقام لندن طبع ہوئی۔

سنہ ۱۸۸۲ء و سنہ ۱۸۸۳ء میں مسٹر ڈبلیو کیگر نے زبان ہندوستانی

کی گریمر لکھی۔ ان صاحب کا تعلق سر دھنہ سے معلوم ہوتا ہے۔

سنہ ۱۸۸۳ء میں پروفیسر فوان کیو نے ہندوستانی زبان کے قواعد مرتب کئے۔ یہ کتاب نیپولی میں طبع ہوئی۔

اسی سال مسٹر جے ون سن نے بھی اردو گریمر تالیف کی۔

جرمن عالم اے۔ بی مول نے ایک کتاب اردو زبان کے قواعد پر تالیف کی جس کا نام اس نے ہندوستانی گریمر قیاسی وعملی رکھا۔ یہ کتاب سنہ ۱۸۹۳ء میں بمقام لیپ زگ طبع ہوئی۔ سنہ ۱۸۹۴ء میں شلنز کی گریمر پھر لیپ زگ میں طبع ہوئی۔

یہ فہرست صرف اردو صرف ونحو کی ایسی کتابوں کی ہے جو اہل یورپ نے تالیف کی ہیں۔ لغت و ادب وغیرہ پر جو کتابیں ان لوگوں نے لکھی ہیں، ان کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ کیوں کہ یہاں ان کا ذکر خارج از بحث ہے۔ اس سے میرے اس بیان کی تصدیق ہوگی کہ اردو زبان کی صرف ونحو پر پہلے پہل غیروں نے توجہ کی۔

اہل ہند میں سب سے اوّل اس مضمون پر اردو کے مشہور شاعر میر انشاء اللہ خاں انشاء دہلوی نے قلم اٹھایا۔ ان کی کتاب دریائے لطافت (سنہ ۱۲۲۲ ہجری سنہ ۱۸۰۷) بعہد نواب سعادت علی خاں بہادر لکھی گئی۔ اس میں علاوہ قواعد صرف ونحو کے عورتوں کے محاورات، مختلف قوموں کی بولیاں اور گفتگوئیں اور طرح طرح نظم ونثر بھی شریک ہے بعض محاورات والفاظ کی تحقیق بھی خوب کی ہے۔ باوجودیکہ اس کتاب کو تالیف ہوئے مدت گزر چکی ہے لیکن اس وقت بھی وہ بے مثل اور قابل قدر کتاب ہے۔ اور اردو زبان کے ادب میں ہمیشہ وقعت کی نظر سے دیکھی جائیگی۔ یہ کتاب

اوّل نواب مرشد آباد میں، سنہ ۱۸۲۸ء میں طبع ہوئی۔
غالباً ناظرین کتاب کو یہ پڑھ کر حیرت ہوگی کہ سر سید احمد خاں مرحوم نے بھی اردو صرف و نحو پر ایک رسالہ تالیف کیا تھا۔ اس کا ایک قلمی نسخہ اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ کی حالی لائبریری میں موجود ہے۔ کاتب نے کتابت کے آخر میں سنہ ۱۲۵۶ ہجری مطابق سنہ ۱۸۴۰ء تحریر کیا ہے۔ اگرچہ یہ سنہ کتابت ہے لیکن سن تالیف بھی اسی کے لگ بھگ ہوگا۔ اس میں صرف و نحو کے معمولی قواعد ہیں، زیادہ تر مصادر سے بحث کی گئی ہے۔ اگرچہ یہ کتاب کچھ ایسی قابل لحاظ نہیں۔ لیکن اس سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ مرحوم کو اردو زبان سے کس قدر دلچسپی تھی۔

اس کے بعد مولوی احمد علی دہلوی نے ایک ابتدائی رسالہ صرف و نحو اُردو پر لکھا جو دہلی میں سنہ ۱۸۴۵ء میں طبع ہوا۔ اس کتاب کا نام "فیض کا چشمہ" ہے۔ غالباً یہ تاریخی نام ہے۔ اور اس سے سنہ تالیف سنہ ۱۲۵۹ ہجری نکلتا ہے۔

مولوی امام بخش صاحب صہبائی دہلوی فارسی کے مشہور منشی اور ادیب گزرے ہیں۔ اور دہلی کالج میں پروفیسر بھی تھے۔ انہوں نے بھی اردو صرف و نحو پر ایک کتاب تالیف کی تھی جو دہلی میں سنہ ۱۸۴۹ء میں طبع ہوئی یہ کتاب بھی اچھی ہے۔ اس کے آخر میں بہ ترتیب حروف ابجد اردو کے محاورات کہیں کہیں ضرب الامثال بھی درج ہیں۔

ان کے علاوہ بھی اسی زمانہ میں دو ایک کتابیں اور لکھی گئیں۔ مثلاً ایک صاحب مرزا محمد صالح نے ایک گریمر ہندوستانی، فارسی، عربی زبان کی لکھی اور اس میں فارسی گفتگو کا بھی ایک حصہ اضافہ کیا اور ایک یوروپین صاحب

نے اس کا انگریزی ترجمہ بھی کیا جو اصل کے ساتھ تھا۔ یہ کتاب بمقام لندن
سنہ ۱۸۲۳ء میں طبع ہوئی۔ یا ایک دوسری کتاب بمبئی کے محمد ابراہیم صاحب
مقبہ نے تحفہ الفنسٹن کے نام سے تالیف کی جو بمبئی میں سنہ ۱۸۲۳ء میں طبع ہو کر شائع
ہوئی۔ یہ کتاب الفنسٹن صاحب، گورنر بمبئی کے نام سے موسوم کی گئی تھی۔ لیکن
یہ کتابیں کچھ زیادہ قابل لحاظ و قابل ذکر نہیں ہیں۔

زمانہ حال میں متعدد کتابیں اس بحث پر مدارس کے طلبہ وغیرہ کے
لئے پنجاب و ممالک متحدہ آگرہ و اودھ میں تالیف ہوئی ہیں۔ جن میں کم و بیش
عربی صرف و نحو کا تتبع کیا گیا ہے۔ البتہ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب نے جو دو
مختصر رسالے طلبائے مدراس کے لئے لکھے ہیں۔ ان میں انھوں نے تقلید
سے الگ ہو کر جدت سے کام لیا ہے۔ لیکن یہ رسالے بہت مختصر ہیں اور
صرف ابتدائی مدارس کے طالب علموں کے لئے کارآمد ہو
سکتے ہیں۔

میں اس سے قبل اس امر کا اعتراف کر چکا ہوں کہ ایک زندہ زبان
کے لئے قواعد کی چنداں ضرورت نہیں۔ اور میں نے یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ عموماً اور
اکثر کسی زبان کی صرف و نحو اس وقت لکھی گئی جبکہ کسی غیر قوم کو اس زبان کی تحقیق
یا اس کے سیکھنے کی ضرورت واقع ہوئی اور صرف و نحو کی ابتدا یا اس کے متعلق
جدوجہد ہمیشہ غیر قوم والوں کی طرف سے ہوئی۔ کیونکہ اہل زبان اس
سے مستغنی ہوتے ہیں۔ یہی حال اردو زبان کا ہوا۔ اس کی صرف و نحو اور
لغت کی طرف اول اول اہل یورپ نے بہ ضرورت توجہ کی۔ اس کے بعد جب
اہل ملک نے یہ دیکھا کہ ان لوگوں کو اردو پڑھنے کا شوق ہے تو ان کی دیکھا
دیکھی یا ان کے فائدے کی غرض سے خود بھی کتابیں لکھنی شروع کیں۔

بعد ازاں جب یہ زبان مدارس میں بھی پڑھائی جانے لگی، تو صرف طلباء کے لئے لکھی جانے لگیں۔ چنانچہ آج کل جس قدر کتابیں لکھی گئیں ان کی اصل غرض یہی تھی۔ لیکن سوائے اس کے اب ایک ضرورت اور واقع ہوئی ہے وہ یہ کہ اردو زبان اب ملک کی عام اور مقبول زبان ہو گئی ہے اور ملک میں اکثر جگہ بولی جاتی ہے اور ہر جگہ سمجھی جاتی ہے۔ ملک کی دوسری زبانیں خاص خاص خطوں میں محدود اور مخصوص ہیں۔ نیز اس زبان کو کچھ ایسے مقامات کے لوگ بھی پڑھتے اور سیکھتے ہیں جن کی یہ مادری زبان نہیں۔ اس لئے یہ ضرورت واقع ہوئی کہ اس زبان کے قواعد منضبط کئے جائیں اور مستند کتابیں لغت پر لکھی جائیں۔ تاکہ زبان بگڑنے سے محفوظ رہے۔ میں نے اسی خیال کو مد نظر رکھا ہے۔ اور صرف طلبائے مدارس کی ضروریات کا لحاظ نہیں کیا ہے۔ بلکہ زیادہ تر یہ کتاب ان حضرات کیلئے ہے جو زبان کو نظر تحقیق سے دیکھنا چاہتے ہیں۔

ہمارے ہاں اب تک جو کتابیں قواعد کی رائج ہیں ان میں عربی صرف و نحو کا تتبع کیا گیا ہے۔ اردو خالص ہندی زبان ہے۔ اور اس کا شمول آریاوی السنہ میں ہے۔ بخلاف اس کے عربی زبان کا تعلق سامی السنہ سے ہے۔ لہذا عربی زبان کی صرف و نحو لکھنے میں عربی زبان کا تتبع کسی طرح جائز نہیں۔ دونوں زبانوں کی خصوصیات بالکل الگ ہیں جو غور کرنے سے صاف معلوم ہو جائے گا۔ اسی طرح اگرچہ اردو ہندی نژاد ہے۔ اور اس کی بنیاد قدیم ملکی زبان پر ہے، افعال جو زبان کا بہت بڑا جز ہیں نیز ضمائر اور اکثر حروف سب کے سب ہندی ہیں، اسماء و صفات عربی فارسی کے داخل ہو گئے ہیں اور چند گنتی کے مصادر جو عربی فارسی الفاظ سے بن گئے ہیں مثلاً بخشنا، بدلنا

قبول لینا، تجویز کرنا وغیرہ کسی شمار میں نہیں۔ بلکہ بعض ثقاہت بزعم خود انہیں فصیح بھی نہیں کرتے۔ تاہم اردو زبان کی صرف و نحو میں سنسکرت کے قواعد کا تتبع بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے متعلق چند موٹی موٹی باتیں یہاں لکھی جاتی ہیں:۔

(۱) ہر اسم کے سنسکرت میں تین حصے کئے گئے ہیں۔ مادہ، حرف بعد مادہ، اور حرف آخر، موجودہ ہندی یا اردو میں حرف آخر اڑ گیا ہے۔

(۲) سنسکرت میں اسم کی مختلف حالتیں، فاعلی، مفعولی، اضافی وغیرہ) حرف آخر کے تغیر سے بنتی ہیں جو اکثر قدیم زبانوں میں پایا جاتا ہے۔ اور ہندی اُردو میں الگ حروف بڑھانے سے بنتی ہیں۔ اور تمام جدید زبانوں کا میلان اسی طرف ہے۔

(۳) سنسکرت اور پراکرت میں جنس کی تعداد تین ہے۔ یعنی نر، مادہ اور بے جان موجودہ ہندی اردو میں صرف دو ہیں۔

(۴) سنسکرت کا فعل بہت دقیق اور پیچیدہ ہے۔ اور ایک زمانے سے اس میں اصلاح ہوتے ہوتے موجودہ ہندی میں آکر صاف اور سادہ ہوا ہے تثنیہ کا صیغہ سنسکرت میں ہے، ہندی میں نہیں۔

ہندی میں ہر فعل کی چھ صورتیں، تیرہ قسمیں اور نو جنسی حالتیں ہیں یعنی کل صیغے سات سو دو ہوتے ہیں اور یہ سب ایک ہی لفظ کے ہیر پھیر سے بنتے ہیں۔ موجودہ زبان میں یہ بھی آسانی ہے کہ اکثر افعال امدادی افعال کی اعانت سے بنائے جاتے ہیں۔ اور بہت سے مصادر فارسی اور عربی اسماء و صفات کے آگے ہندی مصادر (مثلاً دینا، کرنا وغیرہ بڑھا کر بنائے جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں اردو کی صرف و نحو میں عربی یا سنسکرت کا تتبع کرنا

الٹی گنگا بہانا ہے۔ البتہ اصطلاحات عربی سے لی گئی ہیں۔ کیونکہ وہ زمانۂ دراز سے رائج ہیں۔ اور اس لئے اس سے گریز نہیں۔ اردو زبان میں تقریباً کل علمی اصطلاحات عربی سے لی گئی ہیں۔ جیسے انگریزی زبان میں لاطینی اور یونانی سے۔ تاہم یہ خیال رکھا گیا ہے کہ ثقیل اور طویل اصطلاحات نہ آنے پائیں۔

میں اس موقعہ پر اردو ہندی کے جھگڑے میں پڑنا نہیں چاہتا کیونکہ یہ بحث میرے خیال میں بالکل بے سود ہے۔ اول تو اس لئے کہ صرف و نحو میں اس بحث کا کوئی موقعہ نہیں خصوصاً اس خیال سے کہ اس امر میں تقریباً دونوں ایک ہیں۔ اور سوائے بعض جزوی اختلافات کے کوئی زیادہ فرق نہیں۔ دوسرے جو شخص اس ملک کی مختلف زبانوں کی تاریخ غور سے دیکھے گا اسے معلوم ہو جائے گا کہ فریقین نے محض سخن پروری اور ہٹ دھرمی سے کام لیا ہے۔ دراصل جھگڑے کی کوئی بات نہیں۔ قدرتی اثرات اور رجحانات کا روکنا اپنے ہاتھوں سے اپنی ترقی کو روکنا ہے۔

باتنا یہ ہے کہ جب آریہ لوگ اس ملک میں داخل ہوئے تو انہوں نے یہاں ایک دوسری قوم کو آباد دیکھا جن کی زبان ان کی زبان سے بالکل مختلف تھی۔ ملک کی اصل قوم ان قوی آریاؤں کے حملوں کی تاب نہ لا سکی۔ اسلئے کچھ تو ان میں سے شمالی پہاڑوں میں پناہ گزیں ہوئے۔ اور بہت سے جنوبی اور وسطی ہند کے پہاڑوں اور جنگلوں میں جا بسے۔ لیکن پھر بھی بہت سے ایسے تھے جنہیں اپنے وطنِ عزیز کی جدائی گوارا نہ تھی۔ اگرچہ وطن دوسروں کے ہاتھوں میں تھا۔ اور اس لئے نئے حملہ آوروں کی غلامی میں بسر کرنے لگے۔ ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ مغلوب و پائمال کی زبان کیا باقی رہ سکتی ہے

لیکن اس میں شک نہیں، کہ ان کی زبان نے آریاؤں کی زبان یعنی سنسکرت پر کچھ نہ کچھ اثر ضرور کیا۔ اور اس لئے یہ کہنا غلطی نہ ہوگا کہ قدیم ہندی بولیاں جو پراکرت (عوام کی بولی) کے نام سے مشہور ہیں اس اثر کا نتیجہ تھیں اور انہیں پراکرت بولیوں سے ہندوستان کی موجودہ آریاوی زبانیں پیدا ہوئیں ان کا تعلق سنسکرت سے ایسا ہی ہے۔ جیسے یورپ کی موجودہ رومانی السنہ کو لاطینی سے۔ ان زبانوں کی تعداد عموماً سات شمار کی جاتی ہے۔ یعنی پنجابی سندی، گجراتی، مرہٹی، ہندی، اڑیا اور بنگالی۔

ان سب میں ہندی بلحاظ قدامت و اہمیت کے سب سے زیادہ قابل لحاظ ہے۔ لیکن ابتدا ہی سے اس پر غیروں کی نظریں پڑنی شروع ہوئیں مسلمان جو شمال کی طرف سے اس ملک میں آنے شروع ہوئے اس کو اپنی زبان سے متاثر کئے بغیر نہ رہ سکے۔ اور جو اثر بارھویں صدی سے پڑنا شروع ہوا تھا وہ آخر ایک نئی صورت میں ظہور پذیر ہوا۔ اور یہی اردو (لشکری زبان) کی اصل ہے۔ یہ دراصل کسی پراکرت یا ہندی کی بگڑی ہوئی صورت نہیں۔ بلکہ ہندی کی آخری اور شائستہ صورت ہے۔ اور اس وقت ہندوستان کی عام ملکی زبان مانی جاتی ہے۔ یہ نہ کسی خاص شخص یا فریق کی ایجاد ہے اور نہ کسی خاص مصلحت اور منشا سے بنائی گئی ہے۔ بلکہ جس طرح اس ملک کی معاشرت و سیاست میں وقتاً فوقتاً مختلف قدرتی اسباب سے تغیرات پیدا ہوئے اور آج انہیں اثرات کی وجہ سے جدید حالت نظر آتی ہے۔ اسی طرح زبان میں بھی قدرتی اثرات اور رجحانات اور مختلف واقعات سے تغیرات ظہور میں آئے اور اس وقت جو ہم خاص مصلحت کی وجہ سے پرانی شے کو نئی سمجھ کر چونکتے ہوتے ہیں صرف ایک دھوکا ہے۔ اب اتنی مدت کے بعد ان باتوں پر جھگڑا کرنا گویا صدیوں

کے واقعات کو جھٹلانا اور قدرتی اثرات اور رجحانات کو الٹا لے جانا ہے۔ دنیا میں کوئی چیز ایک حالت پر نہیں رہتی۔ اور جب ہم ہی ایک حالت پر نہیں تو ہماری زبان کیوں رہنے لگی۔ اور کچھ نہیں تو اگر صرف اس زبان کے الفاظ ہی کو سرسری نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ دنیا کی کتنی قوموں نے بغیر کسی خاص ارادے کے محض قدرتی اثرات کی وجہ سے اس کے بنانے میں حصہ لیا ہے۔ تو کیا ایک ایسی یادگار کو بگاڑنے کی کوشش کرنا ایک نہایت دردناک فعل نہ ہوگا؟ خصوصاً ایسے عہد میں جب کہ زمانہ قدیم کے ایک ایک پتھر اور اینٹ کو میلنت سیمنت سے رکھا جاتا ہے۔

اس نہایت مختصر ذکر سے میرا مقصد یہ تھا کہ اردو کی صرف و نحو کو سنسکرت زبان کے قواعد سے اسی قدر مغائرت ہے جتنی عربی زبان کی صرف و نحو سے میرا خیال یہ ہے کہ کسی زبان کے قواعد لکھتے وقت اس کی خصوصیات کو کبھی نظر انداز نہ کیا جائے اور محض کسی زبان کی تقلید میں اس پر زبردستی قواعد اور اصول کے نام ایسا بوجھ ڈال دیا جائے جس کی وہ متحمل نہ ہو سکے۔ میں نے حتی الامکان اسی اصول کو مدنظر رکھا ہے۔ اور اس امر کی کوشش کی ہے کہ جدھر زبان کا رجحان ہو ادھر اس کا ساتھ دیا جائے۔ لیکن یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھے اس میں کہاں تک کامیابی ہوئی ہے۔ بہر حال مجھے کوئی دعوی نہیں۔ اور اس کے ساتھ ہی مجھے اس کا بھی یقین ہے کہ کتاب اسقام سے خالی نہیں۔ اور اس لئے میں ہر ایک مشورے اور اختلاف کو نہایت شکر و احسان کے ساتھ سننے اور اپنی غلطیوں کی اصلاح کرنے کے لئے تیار ہوں۔

عبدالحق

قواعدِ اُردو

زبان کیا ہے ہو زبان ایک انسانی یا سعی ہے۔ اس کے دو رخ ہیں ایک طرف تو یہ عمل اس شخص کی طرف سے ہے جو اپنے دل کی بات دوسرے کو سمجھانا چاہتا ہے۔ دوسری طرف اس شخص کی جانب سے ہے جو دوسرے کے دل کی بات سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ دو شخص ہیں، جن میں ایک بولنے والا دوسرا سننے والا۔ اگر ہم زبان کی فطرت یا زبان کے اس حصے کو صحیح طور پر سمجھنا چاہتے ہیں جس کا بیان زبان کے قواعد میں ہوتا ہے تو ہمیں یہ دو شخص والا ان کا باہمی تعلق پیش رکھنا چاہیئے۔

ہم نے جو دو شخصوں یعنے فاعل (بولنے والا) اور سامع (سننے والا) کا ذکر کیا ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ زبان کی ابتدائی صورت وہ بات چیت ہے جو بولنے اور سننے میں آتی ہے۔ اس کے بعد دوسرا درمیانی شکلوں کا ہے، جو تحریر میں اور پڑھنے میں آتی ہیں۔ جو بول سننے اور بولنے میں آتے ہیں ان کو ان اشکال پر جو لکھنے اور پڑھنے میں استعمال ہوتی ہیں۔ تقدیم اور فوقیت حاصل ہے کیونکہ تحریر کا فن صدہا بلکہ ہزارہا سال کے بعد ایجاد ہوا ہے۔ ایجاد کے بعد بھی زمانہ دراز تک تحریر خاص طبقے میں محدود رہی اور اب بھی جبکہ دنیا میں روزانہ بے شمار کتابیں، اخبار اور رسالے شائع ہوتے ہیں۔ لکھنے والوں کے مقابلے میں بولنے والوں کی تعداد کہیں زیادہ ہے۔ اگر ہم اپنے

خیال میں سب سے مقدم بولنے اور سننے کے عمل کو نہیں رکھیں گے۔ اور اس حقیقت کو بھلا دیں گے۔ کہ تحریر اور تقریر کی قائم مقام ہے تو ہم اس امر کے سننے کے اہل نہیں ہو سکتے کہ زبان کیا ہے۔ اور اس کی نشوونما کیوں کر ہوئی تحریری لفظ جامد اور بے حس ہیں اور جب تک کوئی ان میں اپنے دماغی عمل سے روح نہ پھونکے یہ مردہ رہیں گے۔

تحریر میں لفظ ایک ہی صورت اور ایک ہی حالت میں رہتا ہے لیکن بول چال میں لہجے اور موقعہ کے لحاظ سے ایک لفظ کی کئی کئی صورتیں ہو جاتی ہیں۔ مثلاً "یہ" کا لفظ ہے۔ یہ لکھنے میں ہمیشہ اسی حالت میں رہے گا اور ایک ہی لفظ ہے۔ لیکن بولنے میں لہجے اور موقعہ کی مناسبت سے دو لفظ ہیں جیسے ان دونوں جملوں میں "یہ کون شخص ہے؟" اس کی میز کے نیچے سے یہ بڑا سانپ نکلا یہ"

اس لئے زندہ زبان کے قواعد نویس کو سب سے اول بول چال کا خیال رکھنا چاہیئے۔ اور اسی سے قاعدے بنانے چاہئیں۔ قواعد میں اول درجہ آواز کا ہے اور اس کے بعد حروف کا۔ پہلے بول چال ہے اور بعد تحریر۔ اس سوال کے لحاظ سے ہمیں قواعد بول چال کے کم سے کم جز یعنی جملے سے شروع کرنی چاہیئے۔ کیوں کہ اسی سے ایک شخص دوسرے شخص کے دل کی بات سمجھتا ہے۔ کوئی کوئی شخص کتنی ہی کم سے کم بات کرنی چاہے۔ تو بھی وہ جملے سے کم نہ ہو گی یعنی اتنی بات کہ جس سے دوسرا آدمی اس کا مطلب سمجھ جائے۔ جملے کے الگ خالی لفظ کوئی خاص معنے نہیں رکھتا۔ اس کا صحیح مفہوم اسی وقت معلوم ہو گا جب وہ کسی بات (یا جملے) میں آئے گا۔ ورنہ ایک لفظ کئی معنوں کے لئے آسکتا ہے۔ لیکن قواعد نویسوں نے آسانی کے خیال سے جملے کے

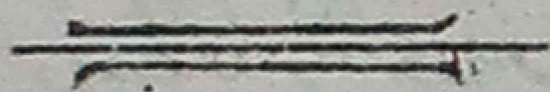
ٹکڑے کر دیئے ہیں۔ پہلے ان سے بحث کرتے ہیں۔ بعد جملوں سے، اس کے انہوں نے تین حصے کئے ہیں:۔

پہلا حصہ:۔ سادہ آوازیں۔ اور ان کی تحریری نقل یا علامتیں جن کا نام ہجا ہے۔

دوسرا حصہ:۔ ایک سے زیادہ ملی ہوئی آوازیں جن کی تحریری علامتیں الفاظ کہلاتی ہیں۔ ان کی تقسیم اور ایک دوسرے کے ساتھ آنے سے جو ان میں تغیر و تبدل پیدا ہوتا ہے۔ یا ان میں کچھ اضافے سے جو نئی صورت پیدا ہوتی ہے۔ یعنی الفاظ کی تقسیم گردان اور اشتقاق۔ یہ بحث ہوتی ہے اس کا نام صرف ہے۔

تیسرا حصہ:۔ بات چیت یا جملے میں لفظوں کا ایک دوسرے سے اور جملوں کا باہمی تعلق۔ اسے نحو کہتے ہیں۔

جس طرح ہر شے کا ظاہر اور باطن ہوتا ہے۔ اسی طرح الفاظ کا بھی ظاہر و باطن ہوتا ہے۔ ظاہر وہ ہے جس کا تعلق صرف ہے۔ یعنی اس میں صرف صورت کی تبدیلی وغیرہ کا ذکر ہوتا ہے۔ اور لفظ کا باطن اس کا مفہوم اور معنے ہیں۔ اس کی بحث نحو میں ہوتی ہے۔ اس میں زیادہ تر بحث لفظ یعنی اس کے معنی کے لحاظ سے کی جاتی ہے۔



فصلِ اوّل

ہجا

سادہ آوازوں کو تحریری علامات میں لانے کا نام حرف ہے۔

ہجا میں حرف کی آواز اور ان کی حرکات و سکنات سے بحث کی کی جاتی ہے۔ حروف کے مجموعہ کو ابجد کہتے ہیں۔

(ابجد کا لفظ ابتدائی حروف ا ب ج د سے بنا ہے)

چونکہ اردو زبان ہندی، فارسی اور عربی سے مل کر بنی ہے۔ لہٰذا اس میں ان سب زبانوں کے حروف موجود ہیں۔

خاص عربی حرف یہ ہیں:۔

ث۔ ح۔ ذ۔ ص۔ ض۔ ط۔ ظ۔ ع۔ ق۔

یہ حروف قدیم فارسی اور ہندی یا سنسکرت میں نہیں پائے جاتے۔ لیکن ذ قدیم فارسی میں بھی پائی جاتی ہے۔ اور اب بھی بعض فارسی الفاظ ذ سے لکھے جاتے ہیں۔

ٹ، ڈ، ڑ خالص ہندی ہیں۔ عربی فارسی میں نہیں آتے۔

ز، ف، غ، خ کی آوازیں ہندی میں نہیں، عربی، فارسی دونوں میں ہیں۔

گ خاص فارسی حرف ہے۔ ہندی عربی میں نہیں آتا۔

علاوہ ان میں حرف (ٹ، ڈ، ڑ) کے چند اور حرف بھی ہیں جو خاص ہندی ہیں، اور عربی فارسی میں نہیں آتے۔ اب تک اردو میں یہ سادہ حرف نہیں سمجھے جاتے تھے۔ بلکہ ان میں کا ہر حرف دو حرفوں کے میل سے ایک مرکب آواز خیال کی جاتی تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ابتداء میں ہم نے اپنی بول چال فارسی حروف میں لکھنی شروع کی، فارسی عربی میں یہ آوازیں نہیں۔ اور نہ ان کے لئے حروف ہیں۔ ضرورت کے لئے ان آوازوں کو دو حرفوں کے ذریعے سے ظاہر کرنا پڑا۔ یوں تو یہ دو سادہ آوازیں ہیں۔ مگر مل کر ایک ہو گئی ہیں وہ حروف یہ ہیں:۔

بھ۔ پھ۔ جھ۔ چھ، دھ۔ ڈھ۔ ڑھ۔ کھ۔ گھ۔

ان کے علاوہ اردو میں۔ رھ۔ لھ۔ مھ۔ نھ کی آوازیں بھی ہیں ہندی میں ان آوازوں کے لئے کوئی حروف نہیں۔ مثالیں ان کی یہ ہیں۔ تیرھواں کولھو۔ ملھو۔ تمھارا۔ ننھا چونکہ ان حروف میں پہلی سادہ آواز (ہ) کی آواز کے ساتھ مل کر آتی ہے۔ اس لئے معمولی ہ سے امتیاز کرنے کے لئے دوچشمی ھ سے لکھتے ہیں۔ مثلاً کھا اور کہا دو علیحدہ لفظ ہیں تلفظ میں بھی، اور معنوں میں بھی۔ لہٰذا ان میں فرق کرنا چاہیئے۔ یہ امتیاز بہت ضروری ہے۔ اس حساب سے اردو زبان میں کل حروف تہجی پچاس ہوتے ہیں۔

یہ حرف جو ہر ملک کے ساتھ مخصوص کئے گئے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آوازیں آب و ہوا وغیرہ کے اثر سے اس ملک والوں کے گلوں سے بہ آسانی نکلتی ہیں۔ مگر دوسرے ممالک کے لوگ اسی وجہ سے ان کو ادا نہیں کر سکتے یا بدقت ادا کر لیتے ہیں۔ انسان کا گلا آلۂ موسیقی کے اصول

پر بنا ہوا ہے۔ اور اسی طور پر اس میں تار بھی بندھے ہوئے ہیں۔ سانس کے ہوا میں ملنے سے زبان، تالو، ہونٹ، دانت اور خلائے دہن کی مدد سے آوازیں مختلف قسم کی تبدیلیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

اردو، فارسی، عربی حروف پر اگر نظر ڈالی جائے تو وہ دیکھنے میں مختلف آوازوں کی علامتیں ہیں۔ لیکن ان حرفوں کے ناموں سے کوئی سادہ آواز پیدا نہیں ہوتی، بلکہ وہ خاصے الفاظ ہیں۔ مثلاً الف عین جیم وغیرہ حروف نہیں بلکہ پورے لفظ ہیں۔ ایسے سادہ آوازوں کا کچھ بھی خیال پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ ہر ایک حرف کئی کئی آوازوں سے مرکب ہے۔ اس کی وجہ بلاشبہ یہ ہے کہ یہ اس زمانے کی یادگار ہیں جب کہ اس قسم کی تحریر ایجاد نہیں ہوئی تھی۔ جو ہم آج کل استعمال کرتے ہیں۔ بلکہ لوگ اپنے خیالات تصویریں بنا بنا کر ظاہر کرتے تھے۔ اوّل اوّل تو جس شے کا بیان کرنا مقصود ہوتا تھا۔ اس کی پوری تصویر بنا دیتے تھے۔ مثلاً گائے یا عورت کا بنانا مقصود ہے تو وہ گائے یا عورت کی تصویر کھینچ دیتے تھے۔

دوسرے دور میں یہ اصلاح ہوئی کہ شے سے اس کا فعل ظاہر کرنے لگے۔ آنکھ سے نظر یا دو ٹانگوں سے رفتار مراد لینے لگے۔

تیسرے دور میں یہ ہوا کہ شے سے اس کی ممتاز خصائص یا ظاہری علامت سے اصل شے مراد لی جانے لگی۔ مثلاً لومڑی کی تصویر سے مکاری یا تخت سے سلطنت مقصود ہوتی تھی۔

چوتھے دور میں ایک شے کے اظہار میں یہ ترکیب کرنے لگے کہ اس شے کے بولنے میں جو آوازیں پیدا ہوتی تھیں۔ ان میں سے ہر ایک سے جو مفہوم پیدا ہوتا اس کی ایک ایک تصویر بنا دیتے تھے۔ مثال کیلئے فرض کیجیے

کہ تحریر میں کر نال ظاہر کرنا مقصود ہے تو ہاتھ کی تصویر بنائیں گے کیونکہ کر کے معنے ہاتھ کے ہیں، اس کے بعد نال کی۔

بعد ازاں یہ ہوا کہ یہی تصویریں مختلف اصوات کی قائم مقام ہو گئیں اور انہیں تصویروں کی یادگار یہ حرف ہیں جو اب بھی کسی قدر ان سے مشابہ ہیں مثلاً الف کے معنی بیل کے سر کے ہیں۔ چونکہ ا کی آواز اس لفظ کے آغاز میں تھی تو اس آواز کے ظاہر کرنے کیلئے گائے کا سر بنا دیتے تھے۔ (عربی الف کی تحریر میں اب بھی اصل سے خفیف سی مشابہت باقی ہے)، بعد ازاں خود یہ لفظ بجائے الف کی پہلی آواز کے تحریر میں ایک حرف قرار پایا۔ یہی وجہ ہے کہ فارسی، عربی، عبرانی زبانوں کے حروف درحقیقت الفاظ ہیں یا ہر حرف کئی آوازوں کا مجموعہ ہے اس میں دو اصلاحیں عمل میں آئیں۔ تصویر رفتہ رفتہ مختصر سی صورت میں رہ گئی۔ نام اس کا اگرچہ قریب قریب وہی رہا۔ مگر وہ مختصر صورت اب نام کی بجائے نہیں بلکہ اس نام میں جو آواز پہلے نکلتی ہے اس کی بجائے ہے مثلاً الف کو لیجئے گائے کا سر مختصر ہو کر (ا) رہ گئی ہے۔ اور الف کے بولنے میں جو سب سے پہلے سادہ آواز نکلی ہے اس کی جگہ استعمال ہوتی ہے۔

اسی طرح ب درحقیقت بیت ہے جس کی ابتدائی شکل ایک مستطیل مکان کی سی تھی۔ اور اس کے نیچے نقطہ ایک شخص تھا جو مکان کے دروازے کے سامنے بیٹھا تھا۔ اب رفتہ رفتہ اس کی شکل ایک پڑی لکیر ہو گئی اور وہ آدمی نقطہ رہ گیا۔

ج جمل یعنی اونٹ ہے۔ اگر کوئی شخص اونٹ پر سوار ہو اور اس کی نکیل زور سے کھینچے۔ تو اس کے سر اور گردن کی شکل بعینہ ج کی سی ہو جائے گی

پ (ف) عبرانی میں منہ کے معنی میں ہے۔

د (عبرانی والنت) دروازہ

ہ - دریچہ -

ع (عین) کے معنی آنکھ کے ہیں۔ چناں چہ (ع) کا سرا بالکل آنکھ کے مشابہ ہے -

ن (نون) مچھلی - مشابہت ظاہر ہے -

ک (کاف) ہتھیلی) اگر ہتھیلی پھیلائی جائے تو انگلیاں انگوٹھے کے ساتھ مل کر بالکل (کاف) کی صورت بن جاتی ہے -

م (میم) پانی کی لہر صورت سے ظاہر ہے -

ص عبرانی میں دانت کو کہتے ہیں (س) کا دندانہ بالکل دانت کے مشابہ ہے -

و (واو) کے معنی آنکڑے کے ہیں جس کی صورت واؤ سے ملتی ہے -

غرض اس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ ہمارے حروف دراصل الفاظ ہیں دو یا دو سے زائد آوازوں سے مرکب ہیں - اور ہر ایک بہ لحاظ اپنی اول سادہ آواز کے ایک علامت مقرر کر لیا گیا ہے - مثلاً الف میں تین آوازیں ا- ل، ف کی ہیں - مگر اب اس کے بولنے میں جو آواز نکلتی ہے اس کی بجائے مقرر کر لیا گیا ہے - اسی طرح دوسرے حروف کے متعلق قیاس کر لیا جائے، ابتدا میں اس سادہ آواز کے لیے اس شے کی تصویر کھینچ دی جاتی تھی مگر اب ایک چھوٹی سی علامت جو کسی قدر اصل کے مشابہ ہے بجائے اس آواز کے مستعمل ہے - اور نام ان کے قریب وہی ہیں جو اصل اشیاء کے تھے یہی وجہ ہے کہ ہمارے حروف تہجی بولنے میں درحقیقت الفاظ ہیں،

اُردو حروف (تہجی) کل ملا کر پچاس ہیں اور ان میں ہر قسم کی آواز کے ادا کرنے

کی گنجائش ہے۔ اور اس خیال سے اردو ابجد کو دنیا کی بہت سی زبانوں پر ایک طرح کا تفوق حاصل ہے مگر دنیا کی کوئی ابجد کامل نہیں ہے۔ ایک نہ ایک نقص ضرور رہ جاتا ہے۔ یا تو کل سادہ آوازوں کے ادا کرنے کے لئے کافی حروف نہیں ہوتے یا ایک ہی آواز کیلئے کئی کئی حروف ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اردو زبان بھی اس سے خالی نہیں چناں چہ یہ آخری نقص اردو زبان میں بھی پایا جاتا ہے۔ لیکن بات یہ ہے کہ اردو کو علاوہ ہندی فارسی کے عربی سے بھی تعلق ہے۔ اس لئے کثرت سے اس کے الفاظ زبان میں موجود ہیں اور اس کی وجہ سے لامحالہ اس کے تمام حروف بھی اردو ابجد میں آ گئے۔ ورنہ عربی الفاظ کی صحت تحریر میں قائم نہ رہتی چناں چہ ز، ذ، ض، ظ چار الگ حروف ہیں جن کی آواز قریب قریب یکساں معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح س، ث، اور ت، ط، اور ح، ہ کو عرب کا باشندہ یا وہ شخص جو تلفظ کی صحت کا خاص طور پر خیال رکھتا ہے۔ ان حروف کے تلفظ میں فرق کر سکے مگر ہر ایک کے لئے اس کا امتیاز دشوار ہے۔ اور بول چال میں عام طور پر ان حروف کے تلفظ میں کچھ زیادہ فرق نہیں پایا جاتا۔

اعراب (یا حرکات و سکنات)

سادہ آوازوں کو ہم بلا تکلف ہونٹ اور زبان کی امداد سے ملا کر مرکب کر لیتے ہیں۔ اور اس طرح فراٹے سے باتیں کرتے چلے جاتے ہیں جیسے کسی نے کل کوک کر دی۔ اور لب کی ذرا سی جنبش سے آواز کی مختلف صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ آواز کا پھیلنا، تند ہونا، بڑھنا، گھٹنا، گھومنا، گول ہو جانا سب اسی پر منحصر ہے۔ ان تمام آوازوں کو صفائی کے ساتھ تحریر میں لانا نہایت مشکل ہے۔ اگرچہ بہت کوشش کی گئی۔ لیکن اب تک پوری کامیابی نہیں ہوئی، بعض زبانوں مثلاً سنسکرت، انگریزی وغیرہ میں سادہ آوازوں کے مرکب کرنے کیلئے جو جنبش لب و زبان کو ہوتی ہے۔ اس کے لئے بعض حروف مناسب قرار دئے ہیں۔ اور جہاں یا دو سے زیادہ حروف کا ملانا منظور ہوتا ہے۔ وہاں ان میں سے بہ لحاظ آواز کے ایک نہ حرف ضرور آتا ہے۔ اس لئے اس قسم کی زبان میں حرف کی دو قسمیں کی گئی ہیں ایک وہ حرف جو دوسرے حروف کو ملا کر آواز قائم کرنے کیلئے آتے ہیں جنھیں عربی میں حروف علت کہتے ہیں۔ اور دوسرے جو بغیر ان حروف کے آپس میں مل کر آواز نہیں کر سکتے وہ حروف صحیح کہلاتے ہیں۔

اردو میں مثل عربی کے حروف دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک محض علامت (یا اعراب) دوسرے اصل حروف ا، و، ی اعرابی علامات بھی درحقیقت

انہیں حروف کی مختصر صورتیں ہیں۔

زبر (جسے عربی میں فتح کہتے ہیں، جس کے معنی کھلنے کے ہیں) (یعنی آواز کھل کر نکلتی ہے) زبر کے معنی اوپر کے ہیں۔ چوں کہ یہ علامت حروف کے اوپر آتی ہے۔ اس لئے زبر کہتے ہیں۔ اس آواز کو لمبا کرنے سے زبر کی آواز پیدا ہوتی ہے۔ یا یوں کہنا چاہئے کہ الف کی خفیف آواز زبر ہے جیسے مر اور مار۔

زیر (جسے عربی میں کسرہ کہتے ہیں۔ جس کے معنی توڑنے کے ہیں، کیوں کہ اس کے آنے سے آواز میں ایک قسم کی شکستگی پیدا ہوتی ہے) زیر کے معنے نیچے کے ہیں، کیونکہ یہ حرف کے نیچے لگایا جاتا ہے۔ اس کی آواز خفیف ی کی سی ہوتی ہے، لیکن ی کے ساتھ آنے میں دو قسم کی آوازیں پیدا ہوتی ہیں۔ ایک زیادہ باریک اور طویل اور دوسری کسی قدر واضح اور کھلی ہوئی۔ جیسے دبیر کھل کا نام اور بیر (بہادر) یہاں ی کی دو حالتیں ہیں۔ پہلی حالت میں یائے خفی (مجہول) ہے اور دوسری حالت میں یائے جلی (معروف) یائے معروف گول (ی) لکھی جاتی ہے۔ اور یائے مجہول لمبی پڑی ہوئی (ے)، یائے مجہول اور یائے معروف جب کسی لفظ کے بیچ میں آتے ہیں تو ان کی صورت ایک سی ہوتی ہے۔ اس لئے امتیاز کے لئے[1] یائے معروف کے نیچے زیر دے دیتے ہیں۔ اور یائے مجہول خالی رہتی ہے۔

---

[1] یائے مجہول اور واو مجہول کی آواز عربی میں نہیں آتی اسلئے عربوں نے اس کا نام مجہول (یعنے نامعلوم) یا عجمی رکھا ہے لیکن اردو میں یہ آوازیں مجہول یا نامعلوم نہیں رہیں اس لئے یہ نام موزوں نہیں معلوم ہوتے۔ مگر اس قدر کثرت سے مستعمل اور مشہور ہیں دوسرے نام اگر رکھے بھی جائیں تو ان کا رواج پانا مشکل ہے۔

پیش[1] جسے عربی میں ضمہ کہتے ہیں، جس کے معنی ملانے کے ہیں پیش کے معنی سامنے یا آگے کے ہیں۔ یہ حرف کے اوپر آتا ہے۔ اور خفیف واؤ کی آواز دیتا ہے۔ ی کی طرح واؤ کی بھی دو آوازیں ہیں۔ ایک پوری اور پوری ور بھری ہوئی اور دوسری کھلی اور ہلکی پہلی کو واو معروف اور دوسری کو مجہول کہتے ہیں۔ جیسے دو، اور دور، واو معروف پر الٹا پیش لکھتے ہیں۔ اور واو مجہول خالی ہوتا ہے۔

ا، و، ی حروف صحیح بھی ہوتے ہیں۔ الف جب لفظ کے شروع میں آتا ہے تو ہمیشہ حرف صحیح ہوتا ہے۔ واؤ جب لفظ کے شروع میں یا درمیان میں آئے اور متحرک ہو جیسے وسارہ ہوا تو حرف صحیح ہوگی۔ ی کی بھی یہی حالت ہے جیسے یقین کے شروع میں۔ یا میسر کے درمیان میں یعنی جب اعراب کا اور آواز کے خفیف سے بڑھانے گھٹانے کا کام دیتے ہیں تو حروف علت ہوتے ہیں۔ ورنہ معمولی حروف کی طرح حروف صحیح۔

یوں زبر الف کے ساتھ زیر ی کے ساتھ اور واؤ پیش کے ساتھ آتی ہے اور بہ لحاظ آواز کے ان کا جوڑ بھی ہے لیکن بعض اوقات ایسا نہیں ہوتا بلکہ مختلف حرکتیں جمع ہو جاتی ہیں۔ مثلاً زبر اور واؤ ایک جگہ آجاتے ہیں جیسے قوم میں ایسی حالت میں یہ مختلف حرکتیں ایک ہی آواز دیتی ہیں۔

[1] مولوی نظام الدین حسن صاحب بی، اے، ایل، ایل، بی مرحوم اس علامت (ﹹ) کو لفظ ضمہ کا مخفف بتلاتے ہیں۔ اس طور پر کہ م ہ دونوں حذف کر دیئے گئے ہیں میرے خیال میں یہ (ﹹ) ہے چونکہ پیش واؤ کی مختصر آواز کے لئے آتا ہے اس لئے یہ صورت قرار دی گئی۔

ایسے واؤ پر یہ علامت لکھی جائے یہی حالت ی کی بھی ہے جیسے خیر
میں ایسی واؤ یا ے کو ماقبل فتح کہتے ہیں یعنی وہ ی یا واؤ جس کے پہلے زبر ہے
یا ماقبل فتح جب آخر میں آئے تو آدھی لکھی جائے۔ جیسے شے فے۔

جب کوئی حرف مکرر آواز دیتا ہے تو بجائے دوبارہ لکھنے کے صرف ایک ہی
بار لکھتے ہیں۔ مثلاً مدّت کو آواز کے لحاظ سے بجائے مددت۔ لکھنے کے د پر تشدید
لکھ دیتے ہیں۔ اور اس سے مقصد حاصل ہو جاتا ہے جس حرف پر تشدید ہوتی
ہے اس پر علاوہ تشدید کے زبر، زیر، پیش میں کوئی علامت ضرور ہوتی ہے
تاکہ پڑھنے میں زبان سے وہی آواز نکالی جائے۔ لیکن جب تشدید ی یا
واؤ پر ہوتی ہے تو لفظ کے پہلے جزو کی حرکت کو گھمانا پڑتا ہے۔ ورنہ تلفظ صحیح
ادا نہیں ہوتا۔ مثلاً نیرّ۔ اگر معمولی طور سے دونوں جز (ی) کے ساتھ الگ،
الگ بولے جائیں (نے یر) تو تلفظ صحیح نہ ہوگا۔ اسی طرح نوّاب وغیرہ الفاظ
ہیں۔

جزم یا سکون (ْ) سکون کے معنی خاموشی کے ہیں۔ جس پر یہ علامت
ہوتی ہے بولنے میں اسے کوئی حرکت نہیں دیتے۔ جب کسی حرف پر کوئی زبر،
زیر، پیش نہ ہو تو ایسے حرف کو ساکن کہتے ہیں۔ اُردو میں ہر لفظ کا آخری
حرف ساکن ہوتا ہے

مد (~) الف جب کھینچ کر بولتے یا پڑھتے ہیں تو اس وقت اس پر یہ
علامت لگا دیتے ہیں۔ جیسے آم۔ ایسے الف کو الف ممدودہ کہتے ہیں مد
کے معنی لمبا کرنے یا کھینچنے کے ہیں۔

ہمزہ (ء) اسے غلطی سے حروف میں شامل کر لیا گیا ہے۔ یہ درحقیقت

ی اور واؤ کے ساتھ وہی کام دیتا ہے جو مد الف کے ساتھ۔ یعنے جہاں ی کی آواز کھینچ کر نکالنی پڑے اور قریب ۲ ۲ (ی) کے ہو جہاں واؤ کی آواز معمول سے بڑھ کر نکالی جائے۔ وہاں بطور علامت کے اسے لکھ دیتے ہیں یہ ہمیشہ ی یا واؤ کے ساتھ آتا ہے۔ جیسے گئی، تئیں، کھاؤں۔ الف ممدودہ شروع میں آتا ہے (اور بعض عربی الفاظ میں درمیان میں بھی) لیکن ہمزہ ہندی الفاظ میں ی یا واؤ کے شروع میں آتا ہے۔ بعض جگہ یہ ی کا قائم مقام ہوتا ہے جیسے پائیاں، کبھی عربی الفاظ میں خفیف الف کی آواز دیتا ہے۔ جیسے ہیئت جائز ایک ی پر جو آخر میں آتی ہے، لکھنا درست نہیں۔ جیسے رای، رائے۔ میں ان میں ی کی آواز کافی ہے۔ لیکن آئے، جائے۔ آئیے جائیے میں ہمزہ کا لکھنا لازم ہے، کیونکہ اس قسم کے الفاظ میں بغیر ء کے تحریر میں صحیح تلفظ ادا نہیں ہوتا۔

تنوین (ً ٍ ٌ) اس کے معنی نون کی آواز پیدا کرنے کے ہیں یہ حرف عربی آواز کے آخر میں آتی ہے۔ جب یہ علامت کسی حرف پر ہوتی ہے تو اس کے آخر میں نون کی آواز نکلتی ہے۔ جیسے فوراً، اتفاقاً۔ نسلاً بعد نسلٍ جب نون کے ساتھ زبر کی آواز نکالنی مقصود ہوتی ہے تو وہ زبر لکھتے ہیں اور زیر کی آواز کے لئے دو زیر اور پیش کے لئے دو پیش۔ اردو میں زیادہ تر زبر ہی کی تنوین آتی ہے۔

زبر کی تنوین میں لفظ کے آخر میں الف بڑھا کر تنوین لگاتے ہیں۔
جیسے۔ اتفاقاً، دفعتاً۔

اگر لفظ کے آخر میں پہلے سے ہ ہو تو اس کے بعد ء بڑھا کر تنوین لگاتے ہیں۔
جیسے ابتداءً۔

نوٹ :- ان علامات کو اعراب اس لئے کہتے ہیں کہ اہلِ عرب کی ایجاد سمجھے جاتے ہیں۔ اعراب سے یہ مطلب ہے کہ کسی پر ان میں سے کسی علامت کا لگانا۔ انہیں حرکات بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ ان علامات سے آواز میں حرکت پیدا ہوتی ہے۔ چونکہ جزم سے سکون پیدا ہوتا ہے اس لئے پورا نام حرکات و سکنات ہے اعراب کا لفظ مختصر ہونے کی وجہ سے زیادہ مناسب ہے جس حرف پر کوئی حرکت ہوتی ہے۔ اسے متحرک کہتے ہیں۔

۱۔ فارسی میں چند لفظ ایسے ہیں کہ ان میں واؤ ساکت ہوتی ہے یعنی تلفظ میں ظاہر نہیں کی جاتی۔ اسے واؤ معدولہ کہتے ہیں مگر یہ واؤ ہمیشہ خ کے بعد آتی ہے۔ ایسے لفظ بہت کم ہیں اور وہ یہ ہیں۔ خود، خویش، خرسے، خوشش، خود خوردن (اور اس سے جو لفظ بنے ہیں) خواندن (اور اس سے جو لفظ بنے ہیں) لیکن خواب، خواہش، خواستن (اور اس سے جو لفظ نکلتے ہیں) خواہر، خواجہ خوارزم (نام ملک) میں واؤ کی نصف واؤ ظاہر ہوتی ہے۔ اس قسم کی واؤ کے بعد الف ہوتا ہے۔ انگریزی میں بعض لفظ ایسے ہیں جن میں نہ پورا واؤ کا تلفظ ادا ہوتا ہے، نہ پیش کا۔ ان کی حالت بہت کچھ ان کے مشابہ ہوتی ہے۔ لہذا ان کے صحیح تلفظ کے لئے اسی قسم کی واؤ کا استعمال مناسب ہوگا۔ اسی قسم کی واؤ کے نیچے ایک چھوٹا سا خط کھینچ دیا جاتا ہے۔ تاکہ التباس نہ ہو سکے۔

۲ :- اردو میں بعض الفاظ ایسے ہیں جہاں واؤ بجائے پیش کے استعمال کی جاتی تھی۔ لیکن اب وہ متروک ہوتی جاتی ہے۔ مثلاً اوس (بجائے اس) پہونچنا (بجائے پہنچنا) پورانا (بجائے پرانا) چورانا (بجائے چرانا)

لکھتے تھے اور اب بھی بعض لوگ لکھ جاتے ہیں۔

۳۔ (ن) کی دو حالتیں ہوتی ہیں ایک تو جب اس کی آواز پوری ادا ہو جیسے پان، گیان، دھیان میں۔ دوسرے جب پورے طور پر ادا نہ ہو بلکہ کسی قدر ناک میں گنگنی سی آواز نکلے، ایسی حالت میں اسے نون غنہ کہتے ہیں جیسے سماں، کنواں، سانپ، اینٹ، ہنسنا وغیرہ میں۔ نون غنہ جب آخر میں آتا ہے اس میں نقطہ نہیں دیتے۔ لیکن جب بیچ میں آتا ہے تو اس پر الٹا جزم لگانا چاہیئے۔ (۲)

۴۔ نون غنہ کا استعمال زبان میں عام طور پر ہے اور یہ اکثر حروف کے ساتھ آتا ہے۔ جب بیچ میں آتا ہے تو اپنے پہلے حروف سے مل کر ایسی آواز پیدا کرتا ہے کہ بھ، پھ، وغیرہ کی طرح ایک آواز معلوم ہوتی ہے۔ جیسے ہنسنا، کنور وغیرہ۔

۵۔ بعض الفاظ میں ی کبھی اپنے پہلے حرف کے ساتھ اس طرح مل کر پڑھی جاتی ہے کہ وہ دونوں ایک آواز معلوم ہوتے ہیں۔ جیسے کیا، گیاری، پیاری دھیان، چیونٹی، گیارہ۔ اس کا نام ہم نے یائے معدودہ رکھا ہے امتیاز کے لیئے ایسی ی کے اوپر یہ (٦) نشان لگا دیتے ہیں۔

(٦) الف ممدودہ تو وہ ہے جس کی آواز کھینچ کر نکالی جائے۔ جیسے آم میں۔ الف مقصودہ وہ ہے جس کی آواز سادی ہوتی ہے اور کھینچنا نہیں پڑتا جیسے (اب) میں۔ بعض عربی الفاظ ایسے ہیں کہ ان میں الف ی کی صورت میں لکھا جاتا ہے۔ جیسے عقبیٰ اور دعویٰ میں۔

۷۔ بعض فارسی حروف کے آخر میں ہ لگی ہوتی ہے یہ اصل لفظ کا جز نہیں ہوتی بلکہ زائد ہوتی ہے اس کا تلفظ زبر کا سا ہوتا ہے۔ گویا یہ اعراب کا

کام دیتی ہے جیسے ہفتہ، روزہ۔ ایسی ہ کو یائے مختفی کہتے ہیں۔

۸۔ عربی زبان کے ایسے لفظ جن میں دوسرا حرف ح ساکن ہو اور اس کے پہلے حرف پر زبر ہو۔ تو اردو، بول چال میں زبر نہیں بولا جاتا بلکہ اس کی آواز زیر، اور زبر کے مابین ہوتی ہے جیسے احمد، محبوب، لحد، بحر وغیرہ میں۔

۹۔ عربی میں امتیاز وخصوصیت کے لئے اسما پر (ال) لگادیتے ہیں۔ بعض حروف ایسے ہیں کہ اگر ان کے پہلے ال آتا ہے تو تلفظ میں ظاہر نہیں کیا جاتا اور، اور لفظ کا اول مشدد پڑھا جاتا ہے۔ جن حروف کے شروع میں ال نہیں پڑھا جاتا انھیں حروف شمسی کہتے ہیں۔ یہ نام اس لئے رکھا گیا ہے۔ کہ جب شمس کے پہلے لگایا جاتا ہے تو لام کی آواز تلفظ میں ظاہر نہیں کی جاتی (الشمس اور جن حروف میں ل کی آواز تلفظ میں ظاہر کی جاتی ہے انھیں حروف قمری کہتے ہیں، کیونکہ قمر پر جب ال لگائیں گے قول کی آواز ظاہر کی جائے گی (القمر) اس کا استعمال صرف عربی الفاظ کے ساتھ عربی قواعد کی رو سے ہوتا ہے چونکہ اردو میں ایسے الفاظ اکثر آتے ہیں لہذا اس کی تصریح یہاں کردی جاتی ہے۔

حروف قمری

(جیسے الامان۔ نیاشش الاوّل۔ ب فصیح البیان، ج۔ عبدالجلیل ح۔ عبدالحئی۔ خ مراۃ الخیال۔ ع نورالعین۔ غ۔ اسداللہ الغالب۔ ف سریع الفہم۔ ق۔ صادق القول۔ ک بالکل۔ ل۔ اللوا۔ م۔ بیت المال وکتاب الواعظ۔ ہ بوالہوس۔ ی۔ الیوم۔

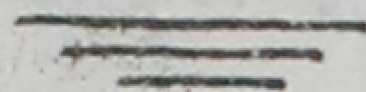
حروف شمسی

د - مظفر الدین - یوم الدین - ذ صاحب الذکر - ر ہارون الرشید -
ز - خلیفۃ الزماں - س - ظل السلطان - ش - الشمش - ص - الصبر -
ض - الضالین - ط جبل الطارق - ظ - الظاہر - ن - ذوالنورین -
النوم -

۱۰ - حروف سے جب الفاظ بنائے جاتے ہیں تو حروف کی تین صورتیں ہوتی ہیں - ایک شروع میں - دوسری بیچ میں - تیسری آخر میں - بعض حروف کی تین سے بھی زیادہ صورتیں ہوتی ہیں - مثلاً میم لفظ کے شروع میں جیسے مور بیچ میں دو حالتیں جیسے محمد، قمر، آخر میں جیسے میم میں - بعض حروف شروع میں مل کر نہیں آتے یہ حروف - ا - د - ذ - ر - ز - و - ہیں - جب کسی لفظ میں ان حروف کے بعد کوئی دوسرا حرف لکھا ہو تو الگ پڑھا پڑے گا - جیسے سورج، ایال، نذر، وغیرہ - جب ان حروف میں سے چند حروف مل کر لفظ بنتے ہیں تو سب الگ الگ لکھے جائیں گے - جیسے - داد دورہ وغیرہ -

۱۱ - اردو تحریر میں (مثل عربی فارسی کے) یہ عجیب بات ہے کہ الفاظ میں حروف پورے نہیں لکھے جاتے بلکہ ہر حرف کے لئے صرف چھوٹا سا نشان بنا دیتے ہیں - اس طور پر الفاظ نہایت مختصر ہو جاتے ہیں - بخلاف دوسری زبانوں کے لکھنے میں بہت طول ہو جاتا ہے اور وقت بھی زیادہ صرف ہوتا ہے - یہ طرز تحریر نہایت شائستہ اور مہذب ہے - مختصر نویسی جس کا رواج یورپ میں اب تھوڑے زمانے سے ہوا ہے وہ ہمارے

یہاں صدہا سال سے موجود ہے۔ ایک مشاق لکھنے والا مقرر کی تقریر کو بخوبی قلمبند کر سکتا ہے۔ یہ خوبی درحقیقت لائق قدر اور دوسری زبانوں کے لئے قابل رشک ہے۔



فصل دوم

صرف

صرف میں الفاظ سے بحث ہوتی ہے۔ الفاظ گفتگو میں آتے ہیں اور ان کی نقل لکھنے میں کی جاتی ہے۔ لفظ جملے کا کم از کم جز ہوتا ہے۔ ہر لفظ کے کچھ نہ کچھ معنی ہوتے ہیں جس کے اصل اور صحیح معنے بول چال یا جملے میں آنے سے معلوم ہوتے ہیں۔ بعض لفظ بے معنی یا مہمل بھی ہوتے ہیں لیکن ان کا تعلق قواعد سے نہیں ہے۔ قواعد میں صرف با معنے الفاظ سے بحث کی جاتی ہے۔ لفظ کی حیثیتیں اور صورتیں مختلف ہوتی ہیں۔ کہیں اس کی حالت اور صورت کچھ ہوتی ہے اور کہیں کچھ۔ ہم بول چال یا لکھنے میں لفظ استعمال کرتے ہیں تو وہ ہمیں کچھ نہ کچھ ضرور بتاتے ہیں اور اس لحاظ سے کہ وہ ہمیں کیا کیا بتاتے ہیں اور ان کی کیا صورت اور حالت ہے، اسکی دو قسمیں ہیں۔

اوّل مستقل جو اپنی ذات سے پورے معنی رکھتے ہوں۔

دوم غیر مستقل جو اپنی ذات سے پورے معنی نہ رکھتے ہوں جب تک وہ کسی دوسرے لفظ کے ساتھ مل کر نہ آئیں۔ مستقل الفاظ کی پانچ قسمیں ہیں۔

(۱) اسم وہ لفظ ہے جو کسی جاندار شے یا کیفیت کا نام ہو۔

(۲) صفت وہ لفظ ہے جس سے کسی اسم کی کیفیت یا حالت معلوم ہو۔

(۳) ضمیر وہ لفظ ہے جو بجائے اسم کے استعمال ہوتا ہے۔

(۴) فعل جس سے کسی کام کرنا یا ہونا پایا جائے۔

(۵) تمیز جو فعل یا صفت یا دوسری تمیز کے معنی میں کمی یا بیشی پیدا کرے یا اس کی کیفیت یا حالت بتائے۔

غیر مستقل الفاظ کو حروف کہتے ہیں جن کی چار قسمیں ہیں۔ (۱) ربط (۲) عطف (۳) تخصیص (۴) فجائیہ۔

۱۔ اسم

اسم وہ لفظ ہے جو کسی کا نام ہو۔
اسم کی دو قسمیں ہیں۔
(۱) خاص (۲) عام

خاص۔ کسی خاص شخص یا شے یا مقام کا نام ہے مثلاً علاؤالدین، کلکتہ، گنگا۔

عام وہ اسم ہے جو ایک قسم کے تمام افراد کے لئے فرداً فرداً استعمال ہو سکے جیسے آدمی، گھوڑا، درخت، کتاب۔

اسم خاص

اشخاص کے اسم خاص بھی کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ مثلاً

(۱) خطاب۔ نام جو بادشاہ یا سرکار دربار سے اعزازی طور پر ملتا ہے جیسے اقبال الدولہ۔ عماد الملک۔

(۲) لقب۔ ایک وصفی نام جو کسی خصوصیت یا وصف کی وجہ سے پڑ گیا ہو جیسے مرزا نوشہ لقب ہے۔ اسد اللہ خاں غالب کا، یا کلیم اللہ لقب ہے حضرت موسیٰ کا۔

(۳) عرف وہ نام ہے جو محبّت یا حقارت کی وجہ سے پڑ جائے یا اصل

نام کا اختصار لوگوں کی زبان چڑھ ہو جائے۔ جیسے چھنو۔ کلن۔ فخرو ا۔ اچھے میاں

(۴) تخلص ایک مختصر نام جو شاعر نظم میں بجائے اصلی نام کے داخل کر دیتے ہیں۔ مثلاً غالب تخلص ہے مرزا اسد اللہ خاں کا، حالی تخلص ہے مولانا الطاف حسین کا۔

اس کے علاوہ ممالک، دریاؤں اور پہاڑوں کے دیگر جغرافائی اسماء اور علوم وفنون و امراض وغیرہ کے نام سب اسم خاص ہوں گے۔

بعض اوقات اسم خاص اسم کی صفت کے طور پر استعمال ہوتے ہیں جیسے۔ رستم، حاتم وغیرہ۔ مثلاً یوں کہیں کہ وہ شخص اپنے وقت کا حاتم ہے یا وہ رستم ہند ہے یا فلاں شخص قیس یا فرہاد ہے یا وہ سعدی یا کالی داس ہے۔ ایسے موقعوں پر رستم سے بڑا پہلوان، حاتم سے بڑا سخی، قیس و فرہاد سے بڑے عاشق سعدی اور کالی داس سے بڑے شاعر مراد ہیں۔

اردو میں اسم عام کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) عام نام (۲) اسم کیفیت (۳) اسم جمع۔

اسم کیفیت

وہ ہے جس سے کسی شے یا شخص کی کوئی حالت یا کیفیت معلوم ہوتی ہو جیسے سختی، درشتی، صحت، جلن۔

اسمائے کیفیت دو چیزیں ظاہر کرتے ہیں۔

اول حالت جیسے صحت، نیند، رفتار، سچ، جھوٹ۔

دوم وصفی کیفیت، مثلاً درد، خوشی، مطالعہ۔

اسمائے کیفیت کیوں کر بنتے ہیں۔

(۱) بعض فعل سے بنتے ہیں۔ مثلاً چال چلن، گھبراہٹ، لین دین۔
(۲) بعض صفت سے بنتے ہیں۔ مثلاً نرمی، خوشی، کھٹائی، دیوانہ پن
(۳) بعض اسم سے جیسے دوست سے دوستی، لڑکے سے لڑکپن۔
(۴) اکثر عربی ہندی فارسی کے الفاظ اسمائے کیفیت کا کام دیتے ہیں۔
جیسے محبت، حسن، حرکت، بل، کوشش، جوش۔
(۵) ایک لفظ کی تکرار یا دو لفظوں کے ملنے سے جیسے، بک بک، چھان بین۔ جان پہچان، خوشبو۔

اسم جمع

بعض اسم ایسے ہوتے ہیں کہ صورت میں تو واحد معلوم ہوتے ہیں لیکن درحقیقت بہت سے اسموں کا مجموعہ ہوتے ہیں، جیسے فوج، انجمن، قطار، جھنڈ اس قسم کے اسم کو جمع کہتے ہیں۔

لوازمِ اسم

ہر اسم میں خواہ وہ کسی قسم کا ہو۔ چند خصوصیتوں کا پایا جانا لازم ہے، مثلاً وہ واحد ہوگا یا جمع، مذکر ہوگا یا مؤنث۔ وہ خود کسی کام کا کرنے والا ہوگا یا دوسرے کے کام کا اثر اس پر ہوگا۔ چوں کہ یہ باتیں ہر اسم میں لازمی طور سے پائی جاتی ہیں اس لیئے ہم نے ان کا نام لوازم اسم رکھا ہے۔ یہ تین ہیں۔

(۱) جنس (۲) تعداد (۳) حالت۔

(۱) جنس

جنس سے مراد اسماء کی تذکیر و تانیث سے ہے۔

اس کی دو قسمیں ہیں، ایک حقیقی دوسری غیر حقیقی (یا مصنوعی)

حقیقی دنیا میں جنس کی صرف دو ہی قسمیں ہیں یعنی نر (مذکر) مادہ (مؤنث) یہ تقسیم جان داروں کے لحاظ سے کی گئی ہے اور ان میں تذکیر و تانیث کی تمیز کچھ مشکل نہیں۔ بے جان چیزوں میں تذکیر اور تانیث کوئی چیز نہیں، ان میں نر اور مادہ میں سے کسی کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔ یہ تو حقیقی دنیا کا حال ہے لیکن زبان کی دنیا اس سے الگ ہے کسی میں جنس کی تین قسمیں ہیں کسی میں دو اور بعض ایسی خوش قسمت ہیں کہ ان میں سرے سے یہ جھگڑا ہی نہیں۔

یعنی مذکر مؤنث اور تیسری قسم بے جان اشیاء کی ساری زبانوں میں صرف دو ہیں مذکر اور مؤنث۔ جان داروں میں قدرتی طور پر نر اور مادہ کا امتیاز ہے اس تقسیم کو حقیقی کہا گیا ہے لیکن جن زبانوں میں تیسری قسم نہیں ہے وہاں تمام بے جان اشیاء حتیٰ کہ خیالات کے ساتھ بھی تذکیر و تانیث کا طرہ لگا ہوا ہے، چوں کہ قدرت کے خلاف ہے اس لئے اس کا نام غیر حقیقی یا مصنوعی رکھا گیا ہے۔ اردو تذکیر و تانیث کے لحاظ سے دوسری قسم میں ہے۔

سنسکرت میں جنس کی تینوں صورتیں ہیں۔ یعنی مذکر اور مؤنث اور تیسری وہ صورت جو نہ مذکر ہے نہ مؤنث۔ اسی طرح پراکرت میں بھی تینوں صورتیں پائی جاتی ہیں۔ لیکن جدید زبانوں میں زیادہ تر پراکرت سے پیدا ہوئی ہیں، صرف گجراتی اور مرہٹی ایسی زبانیں ہیں جن میں جنس کی تین صورتیں ہیں۔ سندھی پنجابی ہندی اور اردو میں صرف دو ہیں، یعنی مذکر اور مؤنث بنگالی اور اڑیہ کی عام بول چال میں جنس کا کوئی لحاظ نہیں ہے۔ سوائے ان الفاظ کے جو ٹھیٹ سنسکرت کے داخل کر لیے گئے ہیں، اور جن کی جنس وہی باقی ہے جو سنسکرت میں تھی۔ لیکن ان تین زبانوں یعنی سندھی، پنجابی، ہندی یا اردو میں سندھی ایسی زبان ہے جس کے تمام اسماء کا آخر حرف علت ہوتا ہے اور اسلئے جنس کی تمیز آسان ہے لیکن باقی تین زبانوں میں یہ امتیاز آسانی سے حاصل نہیں ہو سکتا۔

لیکن ان سب زبانوں میں بڑی بھاری بھرکم، قوی اور عظیم الشان اشیاء مذکر ہیں اور چھوٹی، کم زور اور ہلکی پھلکی چیزیں مؤنث۔ یہاں تک کہ جب اصل لفظ مذکر ہے اور اس کی چھوٹی کمزور یا ہلکی صورت بیان کرنی مقصود ہوتی ہے

---

[1] سنسکرت ہندوستان کی قدیم علمی زبان تھی اور پراکرت عوام کی بول چال۔

تو اسے مؤنث بنالیا جاتا ہے۔ اور اسی طرح جب اصل لفظ مؤنث ہے اور اسے بڑی، بھاری بھرکم صورت میں لانا مقصود ہوتا ہے تو اسے مذکر بنا لیتے ہیں۔ مثلاً سنسکرت میں اصل لفظ "رشم" تھا اس سے ہندی رسا بنا۔ یہ دونوں مذکر ہیں اس کی چھوٹی اور کمزور صورت رسی ہے۔ سنسکرت گوٹ تھا ہندی میں گول یا گو بنا۔ یہ دونوں مذکر ہیں اس کی چھوٹی اور کمزور صورت گول بنائی گئی ہے۔ جو مؤنث ہے اس طرح پگ سے پگڑی بنی جو مؤنث ہے۔ اس سے پگڑ بنا جو مذکر ہے اور بڑی پگڑی کے معنوں میں آتا ہے۔

یہ آخری ی (معروف) عام طور پر تانیث کی علامت ہے اور آخری الف علامت تذکیر یہاں تک کہ بنگالی اور اڑیا میں جہاں تک تذکیر و تانیث کا چنداں لحاظ نہیں ہے تصغیر و تکبیر کا امتیاز انھیں علامتوں سے کیا جاتا ہے اگرچہ یہ ایک عام قاعدہ ہے لیکن زبان میں ایسے الفاظ بہت کم ہیں، جن کے آخر میں ی معروف یا الف ہو۔ ایسی صورت میں صرف اہل زبان کی تقلید کرنی پڑتی ہے اردو زبان میں تذکیر و تانیث کا معاملہ بہت ٹیڑھا ہے اور ایسے قواعد کا وضع کرنا جو سب صورتوں پر حاوی ہوں بہت مشکل ہے اس میں شک نہیں کہ بے جان اشیاء کی جو تذکیر و تانیث قرار دی گئی ہے اور اس میں ضرور کسی خیال یا اصول کی پابندی کی گئی ہے لیکن ہر لفظ کی اصل کا پتہ لگانا اور جن اسباب نے اس کی تذکیر و تانیث قرار دینے میں اثر ڈالا ہے اس پر غور کرنا آسان کام نہیں ہے۔ ایسی صورت میں ہم صرف اسی قدر کر سکتے ہیں کہ تذکیر و تانیث کے امتیاز کے مختلف قواعد کسی قدر تفصیل سے لکھ دیں تاکہ ان کی شناخت میں کچھ سہولت ہو۔ زیادہ تر دقت اسی وجہ سے پیدا ہو گئی ہے کہ ہندی کے الفاظ سنسکرت اور پراکرت سے آئے ہیں لیکن ان میں بہت کچھ

تغیر و تبدل ہو گیا ہے۔ خصوصاً لفظ کا آخری حرف یا تو گر گیا ہے یا بدل گیا ہے حالانکہ تذکیر و تانیث کا دارومدار اسی پر ہے۔

جان داروں کی تذکیر و تانیث

اردو، اور دوسری ہندی زبانوں میں جان دار اور بے جان سب ہی میں تذکیر و تانیث کا لحاظ ہوتا ہے۔ البتہ جانداروں میں یہ آسانی ہے کہ ان میں تذکیر و تانیث کا امتیاز آسان ہے۔ بے جان اشیاء میں چوں کہ کوئی علامت تذکیر و تانیث کی نہیں ہوتی اسلئے دشواری ہوتی ہے۔ اگرچہ جانداروں کیلئے بظاہر کسی قاعدے کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کیونکہ ان کی تذکیر و تانیث قدرتی اور حقیقی ہے۔ لیکن قواعد میں الفاظ سے بحث ہوتی ہے۔ علاوہ اس کے جان داروں کی تذکیر و تانیث بھی قطعی قاعدوں کے تحت میں نہیں آتی۔ ان میں بھی مستثنیات ہیں دوسرے مذکر الفاظ جو سے مونث بنائے گئے ہیں وہ بھی زیادہ تر سماعی ہیں جن میں غلطی کا احتمال ہو سکتا ہے۔ اسلئے ان کے متعلق بھی قاعدوں کا بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

١۔ جن ہندی الفاظ کے آخر میں الف ہو گا وہ مذکر ہوں گے جیسے گھوڑا لڑکا۔

اس میں فارسی عربی کے وہ لفظ بھی آجاتے ہیں جن کے آخر میں (ا) یا (ہ) ہوتی ہے جیسے بندہ: خدا، خواجہ، مقام۔

لیکن عربی کے بہت سے ایسے لفظ ہیں جن کے آخر میں (ہ) تانیث کی ہوتی ہے اردو میں مستعمل ہیں جیسے والدہ، ملکہ، سلطانہ۔

نیز ہندی کے وہ لفظ جن کے آخر میں (یا) تانیث کی علامت ہوتی

ہے اس قاعدے سے مستثنیٰ ہیں۔ جیسے بڑھیا۔ چڑیا۔ بندریا۔

۲۔ جن ہندی الفاظ کے آخر میں یائے معروف ہوتی ہے وہ مؤنث ہوتے ہیں۔ جیسے گھوڑی۔ لڑکی۔

لیکن ایسے پیشہ وروں کے نام جن کے آخر میں (ی) معروف ہوتی ہے اس سے مستثنیٰ ہیں جیسے مالی۔ موچی، دھوبی، گھوسی، تیلی، پجاری، تنبولی۔

یا وہ الفاظ جن کے آخر میں یائے نسبتی ہوتی ہے۔ جیسے پنجابی بنگالی، پہاڑی۔

اسی طرح بعض عربی کے الفاظ جیسے قاضی، منشی وغیرہ یہ سب اس قاعدے کے تحت میں نہیں آتے۔

۳۔ یہ ایک عام قاعدہ ہے کہ مذکر کے آخری، ا یا ہ، کو یای معروف سے بدل دینے سے مؤنث بن جاتا ہے۔ یا جہاں پیشہ وروں کے نام کے آخر میں ی (معروف) ہوتی ہے اگر اسے (ن) سے بدل دیا جائے تو وہ مونث ہو جاتا ہے، لیکن جہاں آخر میں الف یا ی نہ ہو تو وہاں مشکل پڑتی ہے اس لئے جس جس طرح سے زبان مذکر سے مؤنث بنے ہیں خواہ آخری حرف کے بدلنے سے یا کسی لفظ کے بڑھانے سے ان میں سے اکثر کو آگے الگ الگ لکھ دیا گیا ہے تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو۔

۴۔ ان میں تذکیر و تانیث کی دو صورتیں ہیں و اوّل مذکر اور مؤنث کے الگ الگ الفاظ ہیں، ایک کو دوسرے سے بظاہر کچھ تعلق نہیں جیسے بیل مذکر گائے مؤنث۔ دوم آخر علامت کے بدلنے یا آخر میں کسی حرف یا حروف کے اضافے سے مؤنث بنایا جاتا ہے جس کی مثالیں نیچے لکھی جاتی ہیں۔

مذکر	مؤنث	مذکر	مونث
باپ	ماں	غلام	باندی
میاں	بی بی	نواب	بیگم
بیل	گائے	خصم یا خاوند	جورو

۶۔ مختلف علامات کے ساتھ

(۱) مذکر کے آخر کا الف یا ہ مونث میں ی (معروف) سے بدل دی جاتی ہے جیسے:۔

لڑکا	لڑکی	کانا	کانی
بیٹا	بیٹی	اندھا	اندھی
بچھڑا	بچھڑی	گھوڑا	گھوڑی
بکرا	بکری	شاہ زادہ	شاہ زادی
بندہ	بندی (باندی)	چیونٹا	چیونٹی
مرغا	مرغی	بھانجا	بھانجی
بھتیجا	بھتیجی	چچا	چچی
پھوپھا	پھوپھی	لنگڑا	لنگڑی
لولا	لولی	بہرا	بہری

ف۱ باندی کا لفظ صرف غلام عورت کے معنوں میں آتا ہے اور (بندی) کا لفظ عورتیں بجائے ضمیر متکلم واحد کے بولتی ہیں، جیسے مرد بندہ کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔

(ب) آخر میں یائے معروف کے بڑھانے سے۔

برہمن	برہمنی	ہرن	ہرنی
پٹھان	پٹھانی	کبوتر	کبوتری
تیتر	تیتری	لوہار	لوہاری
چمار	چماری	سنار	سناری
ماموں	ممانی		

(ج) مذکر کے آخر حرف کو (ن) سے بدل دینے سے یا آخری حرف کے آگے (ن) بڑھانے سے، جیسے:-

مراسی	مراسن	نائی	نائن
کنجڑا	کنجڑن	جوگی	جوگن
بھنگی	بھنگن	گوالا	گوالن
فرنگی	فرنگن	پارسی	پارسن
بھائی	بہن	گھوسی	گھوسن
حاجی	حجن	بھیولیا	بھیولن
دولہا	دلہن	چودھری	چودھرن
گارد	گاردن[1]	ناگ	ناگن

(د) آخر حرف کو حذف کر کے یا بلاحذف (نی) یا (انی) کے اضافے سے

شیر	شیرنی	ملّا	ملانی

[1] حیدر آباد دکن میں مستعمل ہے۔ یعنی وہ عورتیں جو محلوں میں مرد سپاہیوں کا کام دیتی ہیں یعنی قلماقنیاں۔

مذکر	مؤنث	مذکر	مؤنث
بنیا	بنینی	استاد	اُستانی[۵۲]
اونٹ	اونٹنی	ہاتھی	ہتھنی[۵۳]
راۓ (راجہ)	رانی	فقیر	فقیرنی
مور	مورنی	جیٹھ	جٹھانی
ڈوم	ڈومنی	مغل	مغلانی
ڈاکٹر	ڈاکٹرنی	دیور	دیورانی
بھوت	بھتنی	مہتر	مہترانی
جن	جناتنی[۵۴]	شاعر	شاعرانی[۵۵]
پنڈت	پنڈتانی		

ٹٹو سے ٹٹوانی مؤنث آتا ہے لیکن حقارت کے موقع پر بولتے ہیں۔

(ھ) بعض اوقات اخیر حرف میں کچھ تبدیلی کے بعد یا بغیر تبدیلی کے (یا) اضافہ کرنے سے مؤنث بنتا ہے۔ جیسے۔

کتّا	کتیا	بندر	بندریا
چوہا	چوہیا	گدھا	گدھیا

---

۵۲ مذکر کی دال حذف کر دی گئی۔

۵۳ ہاتھی کا الف اور ی، دونوں حذف ہو گئے ہیں۔ یہ لفظ ہاتھ سے نکلا ہے۔ سونڈ بجائے ہاتھ کے بھی گئی ہے۔

۵۴ یہاں مؤنث واحد مذکر سے نہیں بلکہ جمع مذکر سے بنا ہے۔

۵۵ جان صاحب کا شعر ہے۔

میں وہ شاعرانی ہوں گر پکڑے کوئی میری زبان دکھ مرزا کو سناؤں سو سنا ڈالے میر کو!

یہ استعمال مزاحاً کیا گیا ہے۔

چڑا — چڑیا

۵۔ بعض غیر زبانوں کے مذکر و مؤنث بعینہ اردو میں مستعمل ہیں مثلاً بیگ مذکر، بیگم مؤنث، خان سے خانم (ترکی) ہے یا عربی کے الفاظ مثلاً سلطان سے سلطانہ، ملک سے ملکہ، خاتون و آلتون بھی ترکی لفظ ہیں جو مؤنث ہیں

۶۔ بعض اوقات مذکر اسم خاص سے بھی مؤنث بنا لیتے ہیں۔ جیسے

رحیم	رحیما	امیر	امیرن
کریم	کریمن	انور	نورن
محمد	محمدی	امامی	امامن
مراد	مرادن	نصیب	نصیبن

بعض اوقات اسمائے خاص میں حرف واؤ کے مجہول و معروف ہونے سے مؤنث مذکر کا فرق ظاہر ہوتا ہے۔ واؤ معروف سے مذکر اور مجہول سے مؤنث۔

مؤنث	مذکر	مؤنث	مذکر	مؤنث	مذکر
مجّو	مجو	دامو	دامو	بدلو	بدلو
فجّو	فجو	کلّو	کلو		

بعض اسمائے خاص عورت مرد کے لئے یکساں استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے گلاب۔ احمدی وغیرہ۔

۷۔ عموماً مؤنث مذکر سے بنتا ہے لیکن بعض مذکر ایسے بھی ہیں جو مؤنث سے بنتے ہیں۔ جیسے بھینسا، بھینس سے رنڈوا، رانڈ سے، بلاد بلی سے سسریا۔ سسرا ساس سے۔

۸۔ بعض الفاظ ایسے ہیں جو صرف مذکر استعمال ہوتے ہیں اور ان کا مؤنث

نہیں آتا اور بعض صرف مؤنث استعمال ہوتے ہیں اور مذکر ان کا نہیں آتا
مثلاً چیل، بطخ، مینا، بلبل، فاختہ، لومڑی غیر ذوی العقول نہیں رنڈی
کسبی ہڑدنگی۔ ڈائن، چڑیل، بیوہ، سوت، سہاگن وغیرہ وغیرہ ذوی العقول
میں مؤنث استعمال ہوتے ہیں۔ طوطا، کوا، اژدہا، تیندوا، باز، الو، چیتا وغیرہ
غیر ذوی العقول اور بھانڈ بھڑوا ہیجڑا وغیرہ ذوی العقول میں مذکر ہیں۔

۹۔ چھوٹے چھوٹے جانوروں میں اکثر صرف ایک ہی جنس مستعمل ہے مثلاً
مکھی (مؤنث) جھینگر (مذکر) چھپکلی (مؤنث) چھچھوندر (مؤنث) کچھوا
مذکر بھڑ (مؤنث)

۱۰۔ اکثر اوقات الفاظ کے ساتھ نر اور مادہ کا لفظ لگا کر مذکر و مؤنث بنا لیتے ہیں
مثلاً مادہ خر، نرگاؤ، یا چیتے کی مادہ، مادہ خرگوش وغیرہ۔

۱۱۔ بعض اوقات مذکر لفظ مؤنث کے لئے بھی استعمال کر جاتے ہیں۔ مثلاً بیٹی
کو ماں پیار سے کہتی ہے "نہ بیٹا ایسا نہیں کرتے۔"

۱۲۔ بعض لفظ مشترک ہیں۔ دونوں کے لئے آتے ہیں۔ مثلاً بچے کا لفظ یا
گھوڑی کو دیکھ کر کہہ سکتے ہیں کہ اچھا جانور ہے۔

۱۳۔ جن ہندی الفاظ کے آخر میں الف یا ہ ہوتی ہے مؤنث میں یائے معروف
سے بدل جاتے ہیں۔ مثلاً لڑکا سے لڑکی۔ اسی طرح فارسی الفاظ بھی جو اردو
میں عام طور پر استعمال ہونے لگے ہیں اسی قاعدے میں آجاتے ہیں مثلاً
شاہزادہ سے شاہزادی، بےچارہ سے بےچاری، بندہ سے بندی
حرام زادہ سے حرام زادی وغیرہ۔

بے جان کی تذکیر و تانیث

بے جان اسماء کی تذکیر و تانیث قیاسی ہوتی ہے۔ یعنے الفاظ کی تذکیر اور
تانیث ایک دور سے دوسرے دور کو یا ایک نسل سے دوسری نسل کو وراثتاً
پہنچتی ہے اور جس طرح پہنچتی ہے ویسے ہی بولی جاتی ہے اگرچہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوا
ہے کہ خاص وجہ سے بعض الفاظ میں تذکیر و تانیث کا اختلاف ہو گیا ہے جو پہلے مذکر
تھے اب مؤنث ہیں اور جو مؤنث تھے اب مذکر بولے جاتے ہیں۔ لیکن عام طور
پر یہی ہوتا ہے کہ نسلاً بعد نسلاً جس طرح یہ الفاظ پہنچتے ہیں ویسے ہی بولے جاتے
ہیں۔ تاہم جہاں تک ممکن ہو سکا ہے ذیل میں چند قاعدے بیان کئے
جاتے ہیں۔

(۱) اکثر اوقات وہ الفاظ (خصوصاً ہندی اور تدبھوا یعنی مخلوط سنسکرت کے)
جن کے آخر ا یا ہ ہوتی ہے یا فارسی کے وہ لفظ جن کے آخر میں ہ الف کی آواز دیتی
ہے، مذکر ہوتے ہیں مثلاً ڈبا، گھڑا، ڈیرا، حقہ، پیشہ، ہفتہ، چولھا وغیرہ
لیکن اس میں مستثنیٰ بھی ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

(الف) تمام ہندی اسمائے تصغیر جن کے آخر یا ہوتا ہے مثلاً چڑیا، ڈبیا
ڈلیا، کھٹیا وغیرہ۔

(ب) تمام عربی کے سہ حرفی الفاظ جس کے آخر میں ا ہوتا ہے جیسے دوا،
قضا، جفا، رضا، خطا وغیرہ۔

(ج) عربی کے بعض اسماء جو فعلیٰ کے وزن پر ہوتے ہیں۔ جیسے عقبیٰ۔

(د) بعض ہندی لفظ جو تت سما یعنی خالص سنسکرت کے ہیں کیونکہ سنسکرت
میں اعلامت تانیث بھی ہے مثلاً پوجا، بدیا، ماتا، پروا، اچھرا، بجاکا، شیتلا
گھٹا، گھٹیا، انگیا، مالا، سبھا، جٹا، چھالیا، گنگا، جمنا۔

(۲) جو ہندی یا غیر ہندی الفاظ کے آخر میں یائے معروف ہوتی ہے وہ مؤنث ہوتے ہیں، جیسے لکڑی، کوٹھی، تالی، کنجی، تکسی، روٹی، ہڈی ڈیوڑھی، سبزی، پریشانی، گشتی۔

البتہ جی، گھی، موتی، پانی، دہی مستثنیٰ ہیں، یہ الفاظ سنسکرت سے آئے ہیں اور ہندی میں ان کی آخری علامت بدل گئی ہے۔ ان کی جنس تو وہی رہی جو سنسکرت میں تھی مگر صورت بدل گئی۔ سنسکرت میں یہ مذکر ہیں یا تیسری جنس جو نہ مذکر ہے نہ مؤنث اور ایسی جنس کے لفظ ہندی میں آ کر مذکر ہو جاتے ہیں سنسکرت میں ان کے آخری (معروف) نہیں ہے۔ جی اصل میں جیون تھا۔ گھی، گھرت ([illegible]) موتی، موکس نکن ([illegible]) پانی، پانیم ([illegible]) دہی ددھکن ([illegible])

(۳) زبانوں کے نام عموماً مؤنث ہوتے ہیں مثلاً انگریزی، فارسی، اردو سنسکرت، تامل وغیرہ۔

(۴) ایسے اسماء جو آواز کی نقل ہیں مؤنث ہوتے ہیں۔ سائیں سائیں چٹ چٹ، دھڑ دھڑ وغیرہ۔

(۵) دنوں اور مہینوں کے نام مذکر استعمال ہوتے ہیں، دنوں میں جمعرات مستثنےٰ ہے۔

(۶) دھاتوں اور جواہرات کے نام بھی مذکر ہیں۔ چاندی البتہ مستثنیٰ ہے ہندی میں اسے روپا کہتے ہیں جو مذکر ہے۔ جیسے سونا، جست، لوہا ٹین، رانگ وغیرہ۔

(۷) پہاڑوں کے نام مذکر ہیں جیسے ہمالیہ، بندھیاچل وغیرہ۔

(۸) ستاروں اور سیاروں کے نام بھی مذکر ہیں۔

(۹) کتابوں کے نام اگر مفرد ہیں تو مؤنث ہوں گے بشرطیکہ آخر میں ا یا ہ نہ ہو جو مذکر کی علامت ہے جیسے صدرا، کافیہ۔ لیکن شعاد شیخ کی تصنیف) مؤنث ہے کیوں کہ جیسے پہلے ذکر ہوچکا ہے ایسے عربی سہ حرفی لفظ مؤنث ہوتے ہیں۔ لیکن مرکب ہونے کی حالت میں مضاف یا موصوف کی تذکیر و تانیث پر کتاب کی تذکیر و تانیث منحصر ہوگی مثلاً بوستان، گلستاں، پریم ساگر، راماین مؤنث ہیں مگر حکایت سوداگر مؤنث اور قصۂ حلیمہ دائی مذکر ہے۔

(۱۰) اسی طرح نمازوں کے نام مؤنث بولے جاتے ہیں، فجر، ظہر، عصر، مغرب۔ عشا۔

(۱۱) ہندی حاصل مصدر (یعنی وہ اسمائے کیفیت جو مصدر سے بنائے جاتے ہیں) اور اکثر اسمائے کیفیت جو اسی وزن پر مؤنث ہوتے ہیں جیسے۔

پکار، پھٹکار، پھنکار، جھنکار، پچھاڑ، وغیرہ۔ ابھار، اتار، بگاڑ مستثنیٰ ہیں۔

پھسلن، دھڑکن، کھرچن، چبھن، لگن، اترن وغیرہ، البتہ چلن مستثنیٰ ہے۔

بناوٹ، گھبراوٹ، نیلاہٹ، گھبراہٹ وغیرہ۔

مہک، روک، چوک، جھلک، چمک، کھڑک وغیرہ۔

لوٹ کھسوٹ، چوٹ۔

مٹھاس، کھٹاس، پیاس وغیرہ

تھکان (تکان)، پہچان، ڈھلان، اٹھان، وغیرہ

البتہ برتاؤ، بچاؤ کے وزن پر جو حاصل مصدر آتے ہیں وہ سب مذکر

ہوتے ہیں۔ دباؤ۔ بچاؤ۔ بناؤ۔ لگاؤ۔ اٹکاؤ۔ تاؤ۔ لباؤ۔ بہاؤ وغیرہ دوسرے
اسمائے کیفیت اور الفاظ جو اس وزن پر آتے ہیں وہ بھی مذکر ہوتے ہیں۔ جیسے
نبھاؤ، سبھاؤ، الاؤ۔

اسی طرح وہ اسمائے کیفیت جو اسم یا صفت کے آخر میں "پن" لگانے
سے بنتے ہیں، مذکر ہوتے ہیں۔ مثلاً بچپن، لڑکپن، دیوانہ پن وغیرہ۔

ہندی کے وہ الفاظ جن کے آخر او (مجہول) یا اوں (واؤ مجہول) ہوتا
ہے اکثر مؤنث ہوتے ہیں جیسے پاؤں، چھاؤں، جوکھوں، بھول، بھوں، سرسوں،
کھڑاؤں وغیرہ۔

(۱۲) حروف تہجی۔ ب بھ پ پھ ت ٹ ث ج جھ چ چھ ح خ د ذ ر ڑ ز ژ
ط ظ ہ ی مؤنث ہیں۔ جیم اور میم مختلف فیہ ہیں۔

(۱۳) ہندی مصدر مذکر استعمال ہوتے ہیں جیسے اس کا مرنا سب کو شاق گزرا
لیکن جب مؤنث لفظ سے متعلق ہوتا ہے تو اس کی صورت بھی مؤنث
ہو جاتی جیسے مع: بات کرنی مجھے مشکل کبھی ایسی تو نہ تھی۔ اہل لکھنؤ ہر حال
میں مصدر کو مذکر ہی بولتے ہیں اور لکھتے ہیں۔

(۱۴) عربی کے وہ اسمائے کیفیت جن کے آخر میں ت ہوتی ہے، مؤنث
ہوتے ہیں جیسے ندامت، عنایت، محبت، شفقت، شوکت، رفعت
وغیرہ۔

(۱۵) جو عربی الفاظ افعال، افتعال، انفعال، استفعلال، تفعل، تفاعل
اور تفعلہ کے اوزان پر آتے ہیں وہ مذکر ہوتے ہیں۔

وزن افعال:-

جیسے اکرام، اختلاف، انعام وغیرہ یا مستثنا افراط، ایزا، امداد

الحاح، اصلاح۔

بروزن افتعال جیسے اختیار، اعتدال، اضطراب، اقتدار وغیرہ باستثنائے ابتداد، انتہا، التجا، احتیاط، احتیاج، اطلاع، اشتہا، اصلاح۔

بروزن استفعال جیسے استعفا، استثنا، استقلال، استغنا وغیرہ باستثنائے استعداد، استدعا، استبداد، استغفار۔

بروزن انفعال جیسے انکسار، انقلاب، انحراف وغیرہ۔

بروزن تفعّل جیسے توکل، تکلف، تعصب، تغیر، تبدل وغیرہ باستثنائے توقع، توجہ، تمنّا، ترشح، تفرقہ، تہجّد۔

بروزن تفاعل جیسے تغافل، تنازع، تلاطم وغیرہ باستثنائے تواضع

بروزن تفعلہ جیسے تذکرہ، تجربہ، تصفیہ، تخلیہ وغیرہ

(۱۶) جو عربی الفاظ مفاعلہ کے وزن پر آتے ہیں وہ مذکر ہیں جیسے مجادلہ، مشاعرہ، معاملہ، مناظرہ وغیرہ۔

لیکن گی وغیرہ یا دوسرے الفاظ جب مفاعلت، کے وزن پر آتے ہیں تو مؤنث ہوتے ہیں جیسے مفاعلت، مصاحبت، نشاد کت وغیرہ۔ یہی حال تفعلا اور تفعت کا جیسے تربیت، تقویت وغیرہ مؤنث ہیں۔ تفعلہ کی مثالیں لکھی جا چکی ہیں۔

(۱۷) تمام عربی الفاظ تفعیل کے وزن پر مؤنث ہوتے ہیں، جیسے تخریب، تقریر وغیرہ باستثنائے تعویز۔ لیکن جب تفعیل کے بعد ہائے ہوز آتی ہے تو وہ الفاظ مذکر ہو جاتے ہیں۔ جیسے تخمینہ، تعلیقہ وغیرہ

(۱۸) نیز وہ الفاظ عربی و فارسی جن کے آخر میں ہائے اضافی (مختفی) ہوتی ہے اکثر مذکر ہوتے ہیں۔ جیسے نسخہ، روضہ صفحہ، سورہ، طرہ، شیشہ، آئینہ، پیمانہ

وغیرہ باستثنائے دفعہ، توبہ۔

(۱۹) عربی اسمائے ظرف مذکر ہوتے ہیں جیسے مکتب، مسکن، مقام، مشرق، مغرب وغیرہ باستثنائے مجلس، محفل، منزل، مسجد، مجال، مسند، وغیرہ۔

(۲۰) اسمائے آلہ بروزن مفعال اکثر مونث ہوتے ہیں۔ جیسے مقراض، میزان وغیرہ۔ باستثنائے معیار، مقیاس۔

لیکن بروزن مفعل اکثر مذکر ہوتے ہیں۔ جیسے منبر، مصقل وغیرہ۔ باستثنائے مشعل۔ مگر بروزن مفعلہ ہمیشہ مذکر ہوتے ہیں۔ جیسے منطقہ مصقلہ وغیرہ۔

(۲۱) تمام فارسی حاصل مصدر جن کے آخر میں ش ہے مونث ہوتے ہیں۔ جیسے دانش، خواہش، بخشش وغیرہ جوشش، نوشش خروش مستثنیٰ ہیں۔

(۲۲) مرکب الفاظ جو دو لفظوں سے مل کر بنتے ہیں خواہ بلا حرف عطف یا مع حرف عطف ان کی تذکیر و تانیث میں بھی اختلاف ہے۔

ا۔ جو لفظ دو افعال یا ایک اسم اور ایک فعل سے مل کر بنتے ہیں وہ اکثر مونث ہوتے ہیں جیسے آمد و رفت، زد و کوب، نشست و برخاست، نشست شو قطع و برید، تراش خراش، تگ و دو، آمد و شد، خرید و فروخت، بود و باش، دار و گیر، شکست و جیت، داد و دہش، کم و کاست، باستثنائے سوز و گداز، بند و بست، ساز باز۔

(ب) اگر ان میں ایک مونث اور دوسرا مذکر ہے (مع حرف عطف یا بلا حرف عطف) تو فعل کی تذکیر و تانیث آخری لفظ کے لحاظ سے ہوگی۔ جیسے آب و ہوا قلم دوات، آب و غذا، آب و گل، گوشت و خون، تاخت و تاراج

غلابت نامہ، سالار منزل، نحوست خانہ وغیرہ۔ پیچ و تاب مستثنیٰ ہے۔ مگر جب دو لفظ مل کر ایک خاص معنوں میں آئیں تو یہ لحاظ نہیں رہتا۔ جیسے گل شکر۔ برنج۔ جب دونوں جز مذکر ہوں تو مذکر اور دونوں جز مؤنث ہوں تو لفظ مؤنث ہوگا جیسے آب و رنگ، آب و دانہ، آب و نمک، گل قند، مذکر استعمال ہوتے ہیں۔ آب و تاب، جستجو، گفتگو مؤنث ہیں۔ مگر شیر برنج مستثنیٰ ہے۔ حالانکہ دونوں جز مذکر ہیں، لیکن پھر بھی مؤنث ہے۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ فرنی اور کھیر دونوں مؤنث ہیں، لہذا شیر برنج بھی ان کا مترادف ہونے کی وجہ سے مؤنث ہی استعمال ہونے لگا۔ نیشکر جس کے دونوں جز مؤنث ہیں مذکر آتا ہے، اس لئے کہ گنے کا مترادف۔ چونکہ گنا مذکر مستعمل ہے۔ اس لئے نیشکر بھی مذکر بولا جانے لگا۔

(۲۳) جن الفاظ کے آخر میں بند۔ آب (سوائے مہتاب۔ کے جس کے معنی ایک قسم کی آتش بازی کے ہیں) بان، دان، ستان، سار، راز ہوتا ہے وہ اکثر مذکر ہوتے ہیں جیسے سینہ بند، پاسبان، گلاب، پچوان، گلستان، بوستان (باستثنائے نام کتب معروفہ) کوہسار، لالہ زار وغیرہ۔

(۲۴) جن الفاظ کے آخر ”گاہ“ لگا ہوتا ہے وہ مؤنث ہوتے ہیں۔ جیسے تعلیم گاہ بندرگاہ، قیام گاہ وغیرہ۔

(۲۵) بعض الفاظ ایسے بھی ہیں جو بعض معنوں میں مذکر ہیں اور بعض معنوں میں مؤنث جیسے:-

دوپہر جب دن کے خاص وقت کے لئے آتا ہے (جو بارہ بجے ہوتا ہے) تو مؤنث ہے جیسے دوپہر ڈھل گئی۔

دوپہر بمعنیٰ دو ساعت مذکر ہے۔ جیسے مجھے انتظار کرتے کرتے دوپہر

ہو گئے۔

گزر (مذکر) — گزرنے کا حاصل مصدر ہے۔ جیسے میرا گزر وہاں ہوا۔

گزر (مونث) — بمعنی گزر اوقات، جیسے اس میں میری گزر نہیں ہوتی۔

تکرار — بحث اور جھگڑے کے معنوں میں۔ جیسے میری اس سے تکرار ہو گئی۔

تکرار — کسی لفظ کے مکرر لانے کے معنوں میں مذکر جیسے اس لفظ کا تکرار فصیح نہیں۔

آب — پانی کے معنوں میں مذکر۔

آب — صفائی یا چمک کے معنوں میں مونث، جیسے موتی کی آب۔

مد — ضد جزر۔ جیسے دریا کا مد۔

مد — جب اس خط کے معنوں میں ہو جو حساب میں یا عرضی پر کھینچا جاتا ہے۔ تو مونث ہے۔ بعض نے مذکر بھی لکھا ہے۔

مد — حساب کے صیغہ کے معنوں میں مونث جیسے روپیہ کونسی مد سے دیا جائے۔

مد — الف ممدودہ کا نشان مذکر ہے۔

ترک — (عربی) بمعنی دستبرداری مذکر ہے۔

ترک — (مونث) صفحہ کے آخر میں آئندہ صفحہ کی عبارت کا پہلا لفظ جو اس غرض سے لکھ دیا جاتا ہے کہ ورقوں کے ملانے میں آسانی ہو۔

"ترک۔ اک اک جزو کی دو دو پہر ملتی نہیں۔

عرض — طول کی ضد، مذکر جیسے اس مکان کا عرض۔

عرض — بمعنی التماس، مؤنث، جیسے میری یہ عرض ہے
کف — جھاگ کے معنوں میں مذکر
کف — تلوے یا ہتھیلی کے معنوں میں مختلف فیہ۔
تاک — تاکنا سے اسم مؤنث ہے
تاک — انگور کی بیل کے معنی میں مذکر۔
آہنگ — قصد کے معنوں میں مذکر
آہنگ — آواز کے معنوں میں مؤنث۔
تال — تالاب کے معنوں میں مذکر۔
تال — وزن موسیقی کے معنوں میں مؤنث
نال — بندوق کی نلی مؤنث
نال — ناف کے معنوں میں مختلف فیہ۔
نال — گھاس وغیرہ کی ڈنڈی مؤنث
نال — لکڑی یا پتھر کا کندا، جو پہلوان اٹھاتے ہیں، مذکر
بیل — ایک خاص پھل کے معنوں میں مذکر
بیل — باقی سب معنوں میں مؤنث ہے۔
مثل — بمعنی مانند، مذکر۔
مثل — کاغذات مقدمہ، مؤنث
لگن — بمعنی ظرف یعنی طاس شمع، مذکر۔
لگن — بمعنی لگاؤ، مؤنث۔
مغرب — بمعنی مقام غروب، مذکر۔
مغرب — بمعنی وقت شام، مؤنث۔

(۲۵) عربی الفاظ کی جمع جب عربی قواعد کی رو سے آتی ہے تو اس کی تذکیر تانیث میں صرف یہ یاد رکھنا چاہیے کہ جو حالت واحد کی ہے جمع کی ہوگی۔ مثلاً۔ شے، مجلس اور مسجد مؤنث ہیں تو ان کی جمع اشیا، مساجد اور مجالس بھی مؤنث ہوگی۔ چند الفاظ البتہ مستثنیٰ ہیں۔ مثلاً اگرچہ معرفت، حقیقت، قوت، شفقت مونث ہیں مگر ان کی جمع معارف، حقائق، قویٰ اور اشفاق مذکر مستعمل ہیں۔ بعض متاخرین اہل لکھنؤ کا یہ قول ہے کہ ہر لفظ کی عربی جمع مذکر ہی آتی ہے۔ یہ قاعدہ تو بہت اچھا ہے۔ مگر اس کا کیا علاج کہ اہل زبان یوں نہیں بولتے۔ اہل دہلی اور بعض اور مقامات کے لوگ بجز بعض مستثنیات کے ہمیشہ مؤنث کی جمع مؤنث اور مذکر کی جمع مذکر ہی استعمال کرتے ہیں۔ جن حضرات کا یہ قول ہے کہ ہر عربی لفظ کی عربی جمع مذکر بولنی چاہیئے۔ انہیں یہ دھوکا اس وجہ سے ہوا ہے کہ بعض الفاظ جو مؤنث ہیں ان کی جمع بھی اسی وزن پر آتی ہے۔ جو واحد میں مذکر ہیں مثلاً حادثہ مذکر ہے، اس کی جمع حوادث ہے۔ لہذا یہ بھی مذکر ہے۔ اور مذکر بولا جاتا ہے چوں کہ حقائق بھی اسی وزن پر ہے دھوکے میں اسے بھی مذکر بولنے لگے۔ لیکن یہ چند الفاظ مستثنیات میں سے ہیں، اس پر سے یہ قیاس قائم کر لینا کہ ہر عربی لفظ کی (خواہ مؤنث ہو یا مذکر) جمع مذکر ہی ہوگی صحیح نہیں ہے۔ واحد میں جب ہم ایک لفظ کو جو مونث غیر حقیقی ہے مؤنث تسلیم کرتے ہیں تو افعال اور صفات بھی اس کے لئے مثل مؤنث حقیقی کے استعمال کرتے ہیں۔ اور کوئی فرق اس میں اور مؤنث حقیقی میں نہیں کرتے، تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ مونث حقیقی کی عربی جمع کو مؤنث بولیں اور مؤنث حقیقی کی جمع کو مذکر۔ جب ایک بار بے جان شے مؤنث قرار پا چکی تو پھر اس میں اور حقیقی مؤنث میں کسی قسم کا فرق اور امتیاز باقی نہیں رہتا۔ ہمارے خیال میں حتی الامکان

اس قسم کے الفاظ کی اردو جمع استعمال کرنا زیادہ فصیح ہے، اگرچہ بعض مواقع پر عربی جمعوں کا استعمال کرنا ناگزیر ہے۔ ایسی حالت میں بجز چند مستثنیٰ الفاظ کے یہی قاعدہ یاد رکھنا چاہیئے کہ مؤنث کی جمع مونث ہوگی اور مذکر کی جمع مذکر۔

(۲۶) ایک مسئلہ یہ بھی قابل بحث ہے۔ کہ جو نئے لفظ غیر زبانوں سے اردو میں داخل ہو گئے ہیں یا آئندہ داخل ہوں۔ ان کی تذکیر و تانیث کا کیا قاعدہ ہوگا۔ ہماری رائے اس کے متعلق یہ ہے کہ ایسے دخیل الفاظ کی تذکیر و تانیث کا فیصلہ اسی قسم کے دوسرے الفاظ کے مطابق جو پہلے سے موجود ہیں، کیا جائے۔ یعنے جو نئے الفاظ کے ہم معنی یا قریب المعنی ہیں۔ یا معنوں کے لحاظ سے ایک ہی ذیل میں آتے ہوں۔ اس پر قیاس کر کے ان کی تذکیر و تانیث قرار دی جائے۔ مثلاً ریل کا لفظ ہے۔ یہ گاڑی کی قسم ہے گاڑی خود مؤنث ہے۔ اور گاڑی اکثر قسمیں مؤنث ہیں۔ اس لئے لوگ خود بخود اسے بھی مؤنث کہنے لگے، اسی طریقہ پر، اسٹیشن، لال ٹین، بٹن، کوٹ، ٹیبل، لیمپ وغیرہ تذکیر و تانیث قرار پائی۔

لیکن یہ قاعدہ جدید الفاظ کے لئے بھی ایسا ہی عام ہے۔ جیسا قدیم الفاظ کے لئے کہ جس لفظ کے آخر میں الف ہے۔ یا آخری لفظ الف کی آواز دیتا ہے وہ مذکر ہوگا۔ اور جس کے آخر میں ی معروف ہوگی وہ مؤنث ہوگا۔ جیسے چابی اور یونیورسٹی مؤنث ہیں۔ اور سایہ (لہنگا) اور کمرہ مذکر ہیں۔

یہ قاعدہ کوئی جدید نہیں ہے۔ بلکہ اس پر ہمیشہ سے عمل رہا ہے۔ فارسی کے الفاظ کثرت سے اردو ہندی میں داخل ہوتے ہیں۔ فارسی زبان میں بے جان چیزوں کی تذکیر و تانیث نہیں ہوتی۔ مگر جب یہ نئے لفظ زبان میں آئے

تو ان کی تذکیر و تانیث معنوی ہم معنی الفاظ کے موافق قرار دی گئی۔
مثلاً شاخ کو مؤنث اس لئے کہا گیا کہ ٹہنی یا ڈالی مؤنث بولی جاتی ہے۔ سال مذکر ہے اور اسی لئے برس مذکر ہے۔

(۲۷) چند الفاظ ایسے ہیں جنھیں اہل زبان مذکر اور مؤنث دونوں طرح بولتے ہیں۔ یا بعض الفاظ ایسے ہیں کہ وہ ایک جگہ مؤنث بولے جاتے ہیں اور دوسری جگہ مذکر۔ جیسے :-

سانس[۱] | قلم | فکر[۲] | غور | طرز | نقاب[۳]
مرقد | شکر قند | کنار | درد | فاتحہ | کلک
کیف | جھونک | سیل | سبحہ | ہن | گزند
نشاط | حروف تہجی میں میم اور جیم | زنار[۴] | متاع[۵] | قامت
گیند[۶] | مالا[۷]

املاء عام طور سے مذکر ہے مگر اہل لکھنؤ میں مختلف فیہ
مالا، دہلی اور اس کے نواح میں مؤنث ہے مگر اہل لکھنؤ میں مختلف فیہ ہے۔

---

۱ مختلف فیہ
۲ اہل دہلی و لکھنؤ دونوں کے ہاں مختلف فیہ یعنی مذکر و مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔
۳ مختلف فیہ ۴ مختلف فیہ
۵ اہل لکھنؤ مذکر اور اہل دہلی مؤنث بولتے ہیں۔
۶ اہل لکھنؤ مذکر بھی بولتے ہیں۔
۷ اہل دہلی مؤنث اور اہل لکھنؤ مذکر بولتے ہیں۔

چھینک (بیائے معروف) دلی میں مؤنث ہے۔ لکھنؤ اور یوپی کے
دوسرے شہروں میں یہ لفظ زیر سے بولا جاتا ہے۔ اور مذکر ہے۔

اسم عام یا تو ایک ہوگا۔ یا ایک سے زیادہ۔ اسی کو تعداد کہتے ہیں ایک کو واحد اور ایک سے زیادہ کو جمع کہتے ہیں۔

اردو میں بھی دوسری ہندی آریائی زبانوں کی طرح تثنیہ نہیں ہوتا سنسکرت اور عربی میں ہوتا ہے۔ تثنیہ اسے کہتے ہیں جس میں دو کا ہونا پایا جائے جیسے عربی میں والدین، قطبین، طرفین وغیرہ اور سنسکرت میں پیترا و۔ (والدین)

اردو میں سوائے ان الفاظ کے جن کے آخر میں الف (یا اس کا کوئی ہم آواز حرف ہ، ع) ہوتا ہے، مذکر کی صورت واحد اور جمع میں یکساں۔
البتہ حروف ربط کے آجانے سے جمع صورت میں تبدیلی ہو جاتی ہے ورنہ ان صورتوں کے علاوہ خواہ جمع کی غرض سے جو تبدیلیاں ہوتی ہیں وہ مؤنث ہی ہوتی ہیں۔ ذیل کے قاعدوں اور گردانوں میں ان سب تبدیلیوں کی تشریح کی جاتی ہے۔

اس کی ہم نے دو تقسیمیں کی ہیں۔ ایک صورت تو وہ ہے جب اسم بغیر کسی حرف ربط کے آئے۔ دوسری صورت وہ ہے جب اسم کے بعد کوئی حرف ربط ہو۔

پہلے ہم ان تبدیلیوں کو بیان کریں گے۔ جب کہ اسم کے ساتھ کوئی حرف ربط نہیں ہوتا۔

۱۔ جن واحد مذکر الفاظ کے آخر میں ا یا ہ ہے، جمع میں ا یا ہ یائے مجہول سے بدل جاتی ہے۔ جیسے۔

واحد	جمع	واحد	جمع
لڑکا	لڑکے	پردہ	پردے
لڑکا آیا	لڑکے آئے	پردہ اٹھا	پردے اٹھے

جن الفاظ کے آخر میں ایسی ہ ہوتی ہے جو الف کی آواز دیتی ہے وہ فارسی یا عربی ہوتے ہیں۔ جیسے بندہ، دیوانہ، پنجہ، دانہ، درجہ، تماشہ۔
ہندی لفظوں کو الف ہی سے لکھنا چاہیئے لیکن رسم خط کی وجہ سے بعض نام ہ ہی سے لکھے جانے لگے ہیں۔ جیسے آگرہ، کلکتہ، وغیرہ۔

۲۔ بعض واحد مذکر لفظ جن کے آخر میں الف ہوتا ہے جمع میں سے نہیں بولتے۔

اس میں کچھ لفظ تو ایسے ہیں جو خالص سنسکرت ہیں اور نہیں بدلتے جیسے راجا، داتا وغیرہ۔

(ب) رشتہ داروں کے نام، ابا، چچا، تایا، دادا، پھپا، آکا، پتا۔

(ج) فارسی کے اسم فاعل جیسے دانا، بینا، آشنا، شناسا " "

(د) غیر زبانوں کے بعض اسم جیسے دریا، ہما، صحرا وغیرہ۔

۳۔ جن واحد مذکر الفاظ کے آخر میں ا یا ہ نہیں ہوتی ان کی واحد اور جمع میں ایک ہی صورت رہتی ہے۔ جیسے۔

واحد	جمع	واحد	جمع
بھائی آیا	بھائی آئے	بیل آیا	بیل آئے
گھر بن گیا	گھر بن گئے	لڈو کھایا	لڈو کھائے

۴- جن واحد مذکر لفظوں کے آخر میں (اں) (الف اور نون غنہ) ہوتا ہے، ان کی جمع میں واحد کا الف (ا) "ے" سے بدل جاتا ہے۔ جیسے دھواں سے دھوئیں رواں سے روئیں۔

مؤنث الفاظ کی جمع مذکر سے مختلف طرح پر بنتی ہے۔ ذیل کے بیان سے اس کی کیفیت معلوم ہوگی۔

۱- جن مؤنث واحد الفاظ کے آخر میں ی (یائے معروف) ہو ان کی جمع کے لیے ی کے بعد (ان) بڑھا دیتے ہیں۔ جیسے لڑکی سے لڑکیاں گھوڑی سے گھوڑیاں اکرسی سے کرسیاں۔

۲- جن مؤنث واحد الفاظ کے آخر الف ہوتا ہے۔ جمع میں اس کے بعد ائیں، ءری ں، بڑھا دیتے ہیں۔ جیسے گھٹائیں، ماںائیں۔ بھائیں، تمنائیں ہوائیں۔

۳- جن مؤنث واحد کے آخر میں یا ہو، ان کی جمع میں صرف (ں) بڑھا دیتے ہیں۔ جیسے گڑیا سے گڑیاں، بڑھیا سے بڑھیاں، چڑیا سے چڑیاں۔ اس قسم کے لفظ اکثر اسم تصغیر ہوتے ہیں۔ جیسے ڈبیا، چوہیا، پڑیا وغیرہ۔

غیر زبانوں کے الفاظ جو یا پر ختم ہوتے ہیں۔ اس قاعدے کے تحت میں نہیں آتے بلکہ ان کی جمع قاعدے ۲ کے مطابق بنتی ہے۔ جیسے ریا، حیا وغیرہ کی جمع ریائیں، اور حیائیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اردو ہندی لفظوں میں یا اضافی ہے۔ جو تصغیر یا صفت بنانے کے لئے لگایا جاتا ہے غیر زبانوں کے الفاظ میں، ی اصل لفظ کا جز ہے۔ اور اس لئے یہ سمجھنا کہ آخر میں یا نہیں بلکہ الف ہے۔

۴۔ مین مؤنث واحد الفاظ کے آخر میں ان میں سے کوئی حرف نہیں ہوتا جن کا ذکر اوپر کے تین قاعدوں میں ہوا ہے تو ان کی جمع کے لیے آخر میں (ی ں) بڑھا دیا جاتا ہے۔ جیسے مالن سے مالنیں۔ کتاب سے کتابیں، گاجر سے گاجریں، بیگم سے بیگمیں، بات سے باتیں، جورو سے جوروئیں۔
بھوں کی جمع بھویں ہوتی ہیں۔ ہندی میں بھوں کے آخر کا نون غنہ محض اعراب کا کام دیتا ہے کوئی حرف نہیں ہے۔ اس لئے اس کی جمع اس طرح بنائی گئی ہے گویا لفظ کے آخر میں وٗ ہے نٗ نہیں
محض جمع کے لئے جو تبدیلیاں ہوتی ہیں ان کا ذکر ہو چکا۔ اب ان تبدیلیوں کو دیکھنا ہے جو حرف ربط کے آنے سے ہوتی ہیں۔
حرف ربط یہ ہیں۔ نے۔ کا۔ کے۔ کو، پر، (پہ) سے تک، ہیں۔

۱۔ جن الفاظ کے آخر میں ا یا ہ ہوتی ہے وہ ان حروف کے آ جانے سے یائے مجہول سے بدل جاتے ہیں۔ جیسے لڑکے نے کہا۔
پردے میں بیٹھے ہیں۔ قلعے کے اندر۔ جمعے کے روز۔
لیکن ذیل کے لفظ اس قاعدے سے مستثنیٰ ہیں۔

۱۔ وہ ہندی لفظ جو خالص سنسکرت ہیں یا جن میں اصل سے بہت کم تبدیلی ہوتی ہے۔ جیسے۔
راجا، گھٹا، سمجھا، پوجا، کھاگا، بھاشا، جٹا، چتا۔ سنتیلا، داتا مالا، جاترا، بچا، بیسوا، پروا، پچھوا، وغیرہ۔ جیسے۔ راجا

نے کہا۔ سبھا میں بیٹھے ہیں۔ داتا کی خیر۔

(ب) وہ اسم جو عزیزوں اور رشتہ داروں کے معنوں میں آتے ہیں۔ جیسے چچا، ابا، دادا، نانا، خالہ، پھپا، ماما، پتا، انا، دوا، آپا جیسے ابا نے پوچھا، خالہ نے پیار کیا۔

(ج) عربی سہ حرفی لفظ جیسے۔ ریا۔ ربا۔ دعا، حیا، عبا، قبا، زنا، ہوا، بلا، دوا، صفا، غذا، ثنا، رجا، سزا، جزا، جفا، وفا، جلا، ادا، خلا، بقا وغیرہ۔ جیسے دوا نے کچھ اثر نہ کیا۔ حیا سے سر نیچے کر لیا، ہوا میں خنکی ہے۔

(س) ایسے عربی لفظ جو سہ حرفی سے زیادہ ہیں اور جن کے آخر میں الف ہے جیسے۔ تمنا، اخفا، التجا، انشا، افترا، اقتضا، ابتدا، انتہا وغیرہ جیسے بڑی تمنا سے آیا تھا۔ ابتدا میں بہت مشکل ہے۔

مدعا، منشا، ملجا، ماوا وغیرہ۔ جیسے یہ بات میرے منشا کے خلاف ہے۔

مگر ایسے عربی لفظ جو اردو میں گھل مل گئے ہیں۔ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ ان میں دوسرے لفظوں کی تبدیلی ہوتی ہے۔ جیسے اس نے استعفے کی کوئی وجہ نہیں لکھی۔ میں اس کے تقاضے سے تنگ آگیا ہوں۔

(د) اسمائے خاص نیز لقب اور عہدوں کے نام۔ جیسے ملا، خلیفہ، راجا، آقا، آغا، مرزا، رانا، وغیرہ۔ جیسے ملا کی دوڑ مسجد تک۔ راجا نے مرزا کو بلایا۔

(ہ) جغرافی ناموں میں جن کے آخر میں الف یا ہ ہوتی ہے تبدیلی

ہو جاتی ہے۔ جیسے آگرہ، کلکتہ، سکندرہ، مدینہ، کوفہ، دجلہ، گول کنڈہ، پٹنہ، گلبرگہ، اٹاوہ وغیرہ۔ جیسے تاج محل آگرہ میں ہے، کلکتہ کی آبادی بارہ لاکھ ہے۔

البتہ خالص سنسکرت نام اس سے مستثنیٰ ہیں۔ جیسے جمنا، گنگا، متھرا گیا، نربدا، ہمالیہ وغیرہ۔ جیسے الٰہ آباد میں گنگا جمنا کا سنگم ہے۔

اسی طرح دوسری زبانوں کے شہروں دریاؤں اور پہاڑوں کے نام بھی مستثنیٰ ہیں۔ جیسے بخارا، برما، ایشیا، امریکہ، رپوسیا، صنعا، سینا وغیرہ۔

جہاں لفظ کے آخر میں الف یا ہ نہیں ہوتی وہ کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ جیسے شہر میں تھا، مالی نے کہا، لڑکی سے پوچھا، بچھو کو مارا وغیرہ۔

۳۔ دھواں، رواں، کنواں میں اں، ئیں، ین سے بدل جاتا ہے جیسے دھوئیں سے، روئیں ہیں۔

۴۔ پانچواں سے پانچویں، ساتواں سے ساتویں۔ دسواں سے دسویں وغیرہ میں الف یائے مجہول سے بدل جاتا ہے۔

(۵) ایسے عربی الفاظ جن کے آخر میں ع ہوتا ہے۔ جب ان کے بعد حرف ربط آتا ہے تو ع کے بعد اے بڑھا دیتے ہیں۔ جیسے مصرعے میں قلعے ہیں۔

(۶) جمع کی حالت میں حرف ربط کے آنے سے یہ تبدیلیاں ہوتی ہیں۔

(۱) مذکر اسماء میں جمع کے لئے آخر میں ون، بڑھا دیتے ہیں۔ جیسے۔

شہروں میں، راجاؤں نے، مالیوں کو۔

ایسے الفاظ جن کے آخر میں الف یا ہ ہوتی ہے جمع کی حالت میں حرف ربط آنے سے جمع کی (ے) گر جاتی ہے جیسے لڑکوں نے پردوں میں۔

(ب) جمع مؤنث کا (الف ں) یا (ی ں) بھی وہاں سے بدل جاتا ہے۔ جیسے لڑکیوں نے، دھوبنوں کو۔

(ج) جن الفاظ کے آخر میں واؤ ہوتی ہے خواہ وہ مذکر ہوں یا مؤنث حرف ربط کے آنے سے ان کی جمع دونوں میں ایک ہی ہوتی ہے۔ یعنی آخر میں (وں) بڑھا دیا جاتا ہے۔ جیسے جوروں، آنسوؤں، ہندوؤں وغیرہ۔

حرف کی رو سے اسم کی یہ چند حالتیں ہیں جو جمع کی صورت میں یا حروف ربط کے آنے سے پیدا ہوتی ہے۔ لیکن بلحاظ معنی بھی اسم کی چند حالتیں ہیں جن کا بیان نحو میں آنا چاہیے۔ مگر چونکہ ان ہی الفاظ اوقات اور خاص کر فعل کے بیان میں ان کی ضرورت پڑتی ہے اس لئے سرسری طور سے ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔ تفصیلی بیان نحو میں ہو گا۔

۱۔ فاعلی حالت۔ یہ اسم کی وہ حالت ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی کام کا کرنے والا ہے۔ یا وہ کسی خاص حالت میں ہے۔ جیسے احمد گیا۔ رام نے کھانا کھایا۔ وہ بیمار ہو گیا۔

اس حالت میں اسم کے ساتھ کبھی نے آتا ہے۔ اور کبھی بغیر نے کے استعمال ہوتا ہے۔

مفعولی یہ وہ حالت ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسم پر کام کا اثر واقع ہوا ہے۔ جیسے میں نے سانپ مارا۔ یہاں مارنے کا اثر سانپ پر واقع ہے۔ اس لئے سانپ مفعولی حالت میں ہے۔ اس نے احمد کو کتاب دی۔ یہاں احمد اور کتاب دونوں مفعولی حالت میں ہیں میں نے رام سے کہا۔ یہاں رام مفعولی حالت میں ہے جو اسم مفعولی حالت میں ہوتا ہے اس کے ساتھ کبھی کو اور کبھی سے آتا ہے۔ اور کبھی ان دونوں حروف میں سے کوئی بھی نہیں آتا۔

ندائی۔ جس سے کسی کا بلانا ظاہر ہو۔ جیسے یہاں آؤ، لڑکے کیا کرتا ہے۔

ندائی حالت میں اگر واحد مذکر اسم کے آخر میں الف یا ہ ہو تو وہ یائے مجہول سے بدل جاتے ہیں۔ جیسے لڑکے شور نہ کرو۔ اور جمع میں آخر کا نون گر جاتا ہے۔ جیسے لڑکو! شور نہ کرو۔ لڑکیو! چپ بیٹھو۔ صاحبو غور سے سنو۔

لیکن "بیٹا" کا لفظ بعض اوقات ندائی حالت میں بھی بغیر تبدیلی کے بھی استعمال ہوتا ہے۔ یعنی دونوں طرح جائز ہے جیسے بیٹا! یہ بات اچھی نہیں ہے، بیٹے ایسا نہیں کرتے۔

خبری۔ وہ اسم ہے جو بطور خبر کے واقع ہوتا ہے۔ جیسے وہ بیمار ہے۔ حامد اس شہر کا حاکم ہے۔ ان جملوں میں بیمار اور حاکم دونوں خبری حالت میں ہیں۔

اضافی۔ جس میں کسی ایک اسم کو دوسرے سے نسبت دی جائے۔ یعنی ایک اسم کا علاقہ یا تعلق کسی دوسرے اسم سے ظاہر کیا جائے۔ جیسے۔ احمد کا گھوڑا۔ یہاں گھوڑے

کا تعلق احمد سے بنایا گیا ہے۔ اسی لئے یہ مضاف ہے اور جس سے نسبت یا علاقہ ظاہر کیا جائے اسے مضاف الیہ کہتے ہیں۔ اس جملے میں احمد مضاف الیہ ہے۔

حروف اضافت واحد مذکر میں (کا) جمع میں (کے) اور واحد اور جمع مؤنث میں (کی) آتے ہیں۔

	واحد	جمع
مذکر	احمد کا گھوڑا	احمد کے گھوڑے
مؤنث	احمد کی بلی	احمد کی بلیاں

طوری۔ جس سے طور طریقہ، اسلوب، ذریعہ، سبب اور مقابلہ وغیرہ معلوم ہو جیسے شوق سے پڑھتا ہے۔ اس نے تلوار سے مارا وہ مجھ سے بڑا ہے۔ وہ دولت سے بڑھا۔

تصغیر کے معنی چھوٹا کرنے کے ہیں۔ بعض اوقات الفاظ میں کسی قدر تغیر کر کے یا بعض حروف کے اضافے سے اسما کی تصغیر بنا لیتے ہیں۔

(۱) کبھی تصغیر محبت کے لئے بنائی جاتی ہے۔ مثلاً بھائی سے بھیا، بہن سے بہنا۔

۲۔ کبھی حقارت کے لئے جیسے مرد سے مردوا، جورو سے جروا۔

۳۔ کبھی چھٹائی کے لئے جیسے شیشہ سے شیشی یا شیشیا۔ اردو میں اسما کی تصغیر کئی طرح آتی ہے۔

(۱) الفاظ کے آخر میں (۱) (وا) بڑھا دینے سے جیسے جورو سے جروا، مرد سے مردوا، بھائی سے بھیا۔

(۲) بعض اوقات مذکر کو مونث بنانے سے مثلاً شیشہ سے شیشی، ٹوکرا سے ٹوکری۔

(۳) بعض اوقات مختلف علامت ڑا، ڑی، لی، لا، یا، وغیرہ بڑھا دینے سے اور الفاظ میں کسی قدر تبدیلی کرنے سے جیسے آنکھ سے انکھڑی گٹھا سے گٹھڑی، مکھ سے مکھڑا، پلنگ سے پلنگڑی، جی سے جیوڑا، کوندا سے کنڈالی، نانْد سے نندولا، کھاٹ سے کھٹولا، سانپ سے سنپولا، یا سپولیا، کاگ (کوا) سے گگیلا، چوڑ سے چونٹا، آدم سے (آنبہ) انبیا، لونڈا سے لونڈیا[1] باندی سے بندور،

بعض اوقات محض حقارت کے لئے روپیہ کو روپلی بولتے ہیں۔ سودا نے ایک جگہ شاعر کو حقارت سے شاعرلا لکھا ہے۔ بعض اوقات اسم خاص کی تصغیر (تحقیر کے لئے) بنا لیتے ہیں جیسے لکھنوی سے لکھنوا، کانپوری سے کانپوریا، پوربی سے پوربیا،

فارسی میں چہ ک وغیرہ علامات تصغیر ہیں۔ مثلاً باغیچہ، مردک، مشکیزہ

تصغیر کی ضد تکبیر ہے جس کے معنی ہیں بڑا کرنا یا بڑھانا۔ بعض اسموں کو عظمت کے لئے کسی قدر تغیر سے بڑا یا بھاری بھرکم کر کے دکھاتے ہیں جیسے مخدوم سے مخادیم، اگرچہ مخادیم جمع ہے لیکن بعض اوقات کسی شخص کو تحقیر سے (جو بڑا بنتا ہے) مخادیم کہتے ہیں جیسے بڑا مخادیم بنا بیٹھا ہے اسی طرح پگڑی

---

[1] لونڈیا، کے معنی لڑکی ہیں، "لونڈی" اس عورت کو کہتے ہیں جس کی حیثیت غلام کی سی ہوتی ہے۔ انکسار سے عورتیں بجائے واحد متکلم کے بھی استعمال کرتی ہیں۔ جیسے "بندی" کا لفظ۔

سے بگڑ، گٹھری گٹھر، بات سے تبنگڑ۔

کبھی شہ (شاہ) کا لفظ شروع میں لگا کر بناتے ہیں۔ جیسے شہتیر، شہباز، شاہ بلوت، شاہراہ، شہر، شاہکار یہ اصل میں فارسی ترکیب ہے، اور اردو میں عام طور پر مروج ہے۔

اسی طرح ہندی الفاظ کے شروع میں "مہا" سنسکرت لفظ بڑھا کر بنا لیتے ہیں۔ جیسے مہا کاج، مہاراج وغیرہ۔

۲۔ صفت

الفاظ صفت وہ ہیں جو کسی اسم کی حالت یا کیفیت یا کمیت ظاہر کریں۔ صفت ہمیشہ اسم کی حالت کو محدود کر دیتی ہے۔ مثلاً بے کار لوگ، جاہل آدمی، شریر لڑکا۔

اس کی کئی قسمیں ہیں :-

۱۔ صفت ذاتی

۲۔ صفت نسبتی

۳۔ صفت عددی

۴۔ صفت مقداری

۵۔ صفت ضمیری۔

(۱) صفت ذاتی

وہ ہے، جس سے کسی چیز کی اندرونی حالت یا خصوصیت ظاہر ہو۔ جیسے ہلکا، ٹھوس، سبز، شریر، چالاک۔

۱۔ بعض اوقات یہ صفات دوسرے اسماء یا افعال سے بھی بنائی جاتی ہیں۔ مثلاً لڑاکا (لڑنے سے) ڈھلواں (ڈھال سے) کھلاڑی (کھیل سے) بلی (بل سے) جیوٹ، لاج ونت، ہنسوڑ، بھگوان (جی) لاج ہنسی اور بھاگ سے ہیں۔

۲۔ یہ صفت بعض اوقات بلکہ اکثر دو الفاظ سے مرکب ہوتی ہے مثلاً ہنس مکھ، من چلا، منہ پھٹ وغیرہ۔

(۳) بعض فارسی علامتیں عربی، ہندی کے الفاظ کے ساتھ آکر صفت کا کام دیتی ہیں۔ جیسے سعادت مند، ناخوشگوار، بے فکر، بے چین، بے بس، بے ڈھب وغیرہ۔

(۴) فارسی عربی ذاتی صفات بھی اردو میں کثرت سے مستعمل ہیں جیسے دانا، احمق، بینا، شریف، نفیس، خوب وغیرہ۔

(۵) سے کا حرف مقابلے کے لئے آتا ہے۔ جیسے شہد سے میٹھا، دودھ سے سفید، یعنی شہد سے زیادہ میٹھا۔ اور دودھ سے بڑھ کر سفید وہ مجھ سے بڑا ہے۔ یہ کپڑا اس سے اچھا ہے۔ جماعت میں یہ لڑکا سب سے ہوشیار ہے۔

کبھی (میں) بھی ان معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسے سب میں بڑا یہی ہے۔

(۶) بعض اوقات میں صفات میں زیادتی، زور یا مبالغہ پیدا کرنے کے لئے بعض الفاظ بڑھا دئے جاتے ہیں۔ وہ لفظ یہ ہیں۔

بہت۔ جیسے بہت اچھا۔ تمہارا بھائی اس لڑکے سے بہت بڑا ہے۔

بڑا۔ بڑا گہرا تالاب، بڑا لمبا سانپ۔

زیادہ۔ یہ زیادہ اچھا ہے۔ زیادہ سستا ہے۔

نہایت۔ نہایت عمدہ، نہایت نفیس۔ عربی فارسی صفات کے ساتھ آتا ہے۔

کہیں۔ یہ اس سے کہیں بہتر ہے۔

سے۔ بڑا سے بڑا۔ اچھے سے اچھا۔

بعض اوقات (ایک) کا لفظ بھی مبالغہ کے لئے آتا ہے۔ جیسے وہ،

ایک چھٹا ہوا ہے۔ ایک بذات ہے۔

یہ جو چشم پر آب ہیں دونوں
ایک خانہ خراب ہیں دونوں

لیکن اس کا استعمال ذم کے موقع پر ہوتا ہے۔

کبھی بہت، اور زیادہ مل کر بھی آتے ہیں۔ جیسے وہ بہت زیادہ لالچی ہے۔

کبھی، بدرجہا، بھی اسی طرح استعمال ہوتا ہے۔ جیسے یہ اس سے بدرجہا بہتر ہے۔ یہ اس سے ہزار درجے اچھی ہے۔

اسی طرح اعلیٰ درجہ کا، اقبال نمبر کا، اقبال درجے کا، پرلے درجے کا، پرلے سرے کا، کے الفاظ بھی یہی کام دیتے ہیں۔ جیسے اعلیٰ درجے کا ماہر اول نمبر کا چور، پرلے درجے کا بیوقوف۔ پرلے سرے کا احمق۔

منفی صفات ذاتی اردو میں چند حروف یا علامتیں ہندی کی ایسی ہیں جن کے لگانے سے صفات میں نفی کے معنی پیدا ہو جاتے ہیں۔ جیسے :-

ا	جیسے	اٹل	امر (نہ مرنے والا)
ان	جیسے	انجان	اَن مل
نر	جیسے	نرمل	نراس
بے	جیسے	بے ڈھرک	بے سہرا۔ بے جوڑ
کُ	جیسے	کراہ	کڈھب
بن	جیسے	بن سہرا	بن جتی (زمین)
ن	جیسے	نڈر نگھا	نگوڑا

مگر فارسی عربی الفاظ کے ساتھ فارسی عربی کی علامتیں استعمال ہوتی ہیں مثلاً نالائق، نابینا (فارسی علامت) غیر ممکن (عربی علامت) بے وقوف (فارسی علامت)

۲۔ صفات نسبتی

صفات نسبتی وہ ہیں جن میں کسی دوسری شے سے لگاؤ یا نسبت ظاہر ہو، مثلاً ہندی، عربی وغیرہ۔

۱۔ عموماً یہ لگاؤ اسماء کے آخر میں یائے معروف کے بڑھانے سے ظاہر ہوتی ہے، جیسے فارسی، ترکی، ہندوستانی، آبی، پہاڑی وغیرہ۔

(۲) جب کسی اسم کے آخر میں (ی) یا (ہ یا ا) ہوتا ہے تو اسے واؤ سے بدل کر (ی) بڑھا دیتے ہیں۔ جیسے دہلی سے دہلوی، سندیلہ سے سندیلوی، موسوی۔ عیسیٰ سے عیسوی۔

(۳) بعض اوقات (ہ) کو حذف کر دیتے ہیں۔ جیسے مکہ سے مکی، مدینہ سے مدنی۔

(۴) بعض اوقات (انہ) بڑھانے سے نسبت ظاہر کرتے ہیں۔ جیسے غلامانہ، جاہلانہ، مردانہ (یہ فارسی ترکیب ہے)

(۵) ہندی میں بھی چند علامتیں ہیں۔ جن کے اسم کے آخر میں آنے سے صفت نسبتی بن جاتی ہے۔

(۶) ہالا (ہندی میں) ر، اور (ل) کا بدل عام طور پر ہوتا ہے، جیسے سنہرا، روپہلا، چچیرا، ممیرا۔

وال۔ جیسے گیہواں۔

ار۔ جیسے گنوار (گاؤں سے)

لا ما ۔ جیسے سانولا، رنگیلا، ٹھیلا، اکیلا، مجھلا، پچھلا، اگلا۔

والا ۔ جیسے کلکتے والا۔

کا ۔ جیسے ۔ قیامت کا ۔ غضب کا۔

سا ۔ جیسے چاند سا

(۳) صفت عددی

جس سے تعداد کسی اسم کی معلوم ہو۔

۱۔ تعداد دو قسم کی ہے ۔ ایک جب ٹھیک عدد کسی شے کا معلوم ہو جیسے پانچ آدمی۔ چھ گھوڑے ۔ اسے تعداد معین کہتے ہیں۔

دوسرے جب ٹھیک ٹھیک تعداد کسی شے کی معلوم نہ ہو۔ جیسے چند لوگ ۔ بعض شخص ۔ اسے تعداد غیر معین کہتے ہیں۔

۲۔ تعداد غیر معین کے لئے اکثر یہ الفاظ مستعمل ہوتے ہیں۔

کئی ، چند ، بعض ، سب ، کل ، بہت ، سے ، تھوڑا، تھوڑے کم ، کچھ۔

۳۔ تعداد معین کی تین قسمیں ہیں۔

ایک تعداد معمولی ، جیسے دو ، تین ، چار ، وغیرہ کل اعداد۔

(ف) پراکرت سے ہندی الفاظ بنانے میں آخری حرف علت عموماً گر جاتا ہے ۔ حرف ربط خارج کر کے درمیانی حرف علت پر زیادہ زور دیا جاتا ہے یہاں سنسکرت اور پراکرت کے اصلی ہندسوں کا لکھنا اور نہ بتانا کہ موجودہ ہندی ہندسے کیسے بنتے ہیں ۔ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

	سنسکرت		پراکرت		ہندی	
۱۔	سنسکرت	ایک	پراکرت	ایکا	ہندی	ایک
۲۔	"	دوا، دوی	"	دو	"	دو

۳	″	تری	″	تلی ترنی	″	تین
۴	″	چتر	″	چتاری	″	چار
۵	″	پنچن	″	پانچا	″	پانچ
۶	″	ششش	″	چھا	″	چھ
۷	″	ستن	″	ستا	″	سات
۸	″	آشٹن	″	اٹھا	″	آٹھ
۹	″	نوا،نون	″	نا	″	نو
۱۰	″	دشن	″	دسا	″	دس

دس کے آگے کے ہند سے اکائیوں اور دہائیوں کے ملنے سے بنے ہیں۔ اور ان میں جو تبدیلی ہوئی ہے۔ وہ ظاہر کی جاتی ہے اول پراکرت (دسا) بدل کر (دھا) ہوا۔ اس کے بعد (دھا) سے (رہا) ہوگیا۔ یہ وہی رہا ہے جو گیارہ بارہ وغیرہ میں آتا ہے۔

۱۱۔ سنسکرت اکادشن (یعنی ایک اور دس) پراکت! بارہا ہندی اگیارہ سے گیارہ۔

(ہندی میں سنسکرت کا گ گ سے بدل گیا ہے اور اول کا حرف علت گر گیا)

۱۲	سنسکرت	دوادشن	پراکرت	ہندی	بارہ
۱۳	″	ترئیودشن	″	″	تیرہ
۱۴	″	چتردشن	پراکرت	″	چودہ
۱۵	″	پنچ دشن	″	″	پندرہ

۱۵ ش چھ کا سے بدل گیا۔

۱۶	سنسکرت	شوڈشن	پراکرت	سورہا	ہندی	سولہ
۱۷	"	سپتڈشن	"	ستربا	"	سترہ
۱۸	"	اشٹ ڈشن	"	اٹھارہا	"	اٹھارہ
۱۹	"	اُن دین شتی	"	ایکولوی لی	"	انیس
۲۰	"	دین شتی	"	دی مٹی	"	بیس

ان ہندسوں میں یہ امر قابل لحاظ ہے کہ خلاف معمول نو کا ہندسہ ہر دہائی کے ساتھ اگلی دہائی سے ایک کم کر کے ظاہر کیا جاتا ہے۔ مثلاً انیس اصل میں ایک اون ابیں ہے اون کے معنی کم اور ابیس پراکرت دی۔ سی کا بگڑا ہوا ہے۔ یعنی ایک کم بیس اسی طرح انتیس ایک اون تیس، یعنی ایک کم تیس ہے۔ علی ہذا القیاس انتالیس انچاس انسٹھ، اُنہتر، اناسی ہیں مگر نوہی (نوا اور اسی) ننانوے، باقاعدہ ہیں۔

۳۰	سنسکرت	ترین شت	پراکرت	تیسیا	ہندی	تیس
۴۰	"	چت وارین شت	"	چتالیسا	"	چالیس
۵۰	"	پنچاشت	"	پان ناسا	"	پچاس
۶۰	"	شش ٹی	"	سسٹھی	"	ساٹھ
۷۰	"	سپ تتی	"	ستّری	"	ستّر
۸۰	"	اشتی	"	اسی ای	"	اسی
۹۰	"	نوتی	"	ناوے	"	نوّے
۱۰۰	"	شت	"	سنا اسیا	"	سو

(شت) پراکرت (سا) سے (سو) یا (سے) بنا

تعداد معین کی دوسری قسم تعداد ترتیبی ہے جس سے ترتیب کسی شے

کی معلوم ہوتی ہے۔ جیسے ساتواں، پانچواں وغیرہ۔ اس کے بنانے کا قاعدہ یہ ہے کہ تعداد معین کے آگے (واں) لگاتے ہیں۔ لیکن پہلے چار عدد اور چھ کا ہندسہ اس قاعدے سے مستثنیٰ ہے۔ ان کی تعداد ترتیبی یہ ہے۔ پہلا، دوسرا، تیسرا، چوتھا... چھٹا۔

بعض اوقات اعداد کے آگے (وں) اظہار کلیت۔ کے لئے بڑھا دیا جاتا ہے۔ جیسے پانچوں۔ تینوں۔ چھیوں جاتے رہے ہے۔ چاروں موجود ہیں۔ دونوں آ گئے۔

دونوں میں لفظ دوں بجائے دو کے استعمال ہوا ہے۔ اور اس کے آگے (وں) بڑھایا گیا ہے بعض اوقات مزید تاکید۔ کے لئے اسے دوہرا دیتے ہیں۔ جیسے دونوں کے دونوں چلے گئے۔ ساتوں کے ساتوں موجود ہیں۔

فارسی میں عدد کے آخر میں (میم) بڑھا دیتے ہیں جیسے یکم دوم سوم چہارم وغیرہ۔

تیسری قسم تعداد معین کی تعداد اضافی ہے۔ جس میں کسی عدد کا ایک یا ایک سے زائد بار دہرانا پایا جائے۔ اردو میں کئی طرح مستعمل ہے۔

(۱) عدد کے آگے گنا بڑھانے سے جیسے دگنا، تگنا وغیرہ۔ گنا یا گونہ (فارسی) دراصل سنسکرت کے لفظ گوں سے ہے جس کے معنی معنیٰ اقسم کے ہیں۔

(۲) چند (فارسی) کے بڑھانے سے جیسے دوچند، سہ چند، دہ چند وغیرہ۔

(۳) ہرا بڑھانے سے جیسے دوہرا، تہرا، چوہرا۔

ہر درحقیقت ہار کا مخفف ہے جو سنسکرت کے لفظ ارا سے بنا ہے۔

بعض اوقات تعداد معین کے آگے ایک کا لفظ بڑھا دینے سے تعداد وغیرہ معین
ہو جاتی ہے۔ جیسے پچاس ایک آدمی بیٹھے تھے جس کے معنی ہوں گے
تخمیناً یا کم و بیش پچاس۔ اسی طرح بیس ایک، دو ایک، ایک آدھ وغیرہ
دس، بیس، پچاس، سیکڑہ، ہزار، لاکھ، کروڑ جمع کی حالت میں
تعداد غیر معین کے معنوں میں آتے ہیں اور اس سے کثرت کا اظہار ہوتا ہے
جیسے مجھے دسوں کام ہیں، اس مکان میں بیسوں (یا بیسیوں) کمرے ہیں۔
ہر روز سیکڑوں آدمیوں سے ملنا پڑتا ہے۔ ہزاروں آدمی جمع تھے۔ لاکھوں
روپیہ صرف ہوگا۔

اسی طرح ان کی فارسی جمع صدہا، ہزارہا، لکھوکھا، کروڑہا بھی اسی طور
سے استعمال ہوتی ہے۔

کسری اعداد بہت بے قاعدہ ہیں۔ زیادہ معروف ذیل میں
دیئے جاتے ہیں۔

پاؤ	($\frac{1}{4}$)	پونے	($\frac{3}{4}$)
چوتھائی	($\frac{1}{4}$)	سوا	($1\frac{1}{4}$)
تہائی	($\frac{1}{3}$)	ڈیڑھ	($1\frac{1}{2}$)
آدھا	($\frac{1}{2}$)	ڈھائی (اڑھائی)	($2\frac{1}{2}$)
پون	($\frac{3}{4}$)	ساڑھے	($x\frac{1}{2}$)

پاؤ اکثر تنہا پاؤ سیر وغیرہ کے معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ وضاحت
اور رفع اشتباہ کے موقع پر چوتھائی کے لفظ کو ترجیح دی جاتی ہے۔ پونے
کے معنی ہیں کہ اس عدد یا مقدار میں سے ایک چوتھائی کم۔ یہ اعداد نیز مقدار
اور پیمائش کے الفاظ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ سوا کا بھی یہی

استعمال ہے جب کسی اسم کے ساتھ آتا ہے تو یہ معنی ہیں کہ وہ عدد یا مقدار اور ایک چوتھائی جیسے، سوا دو، سوا سو، ڈیڑھ بھی اسی طرح استعمال ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس عدد اور مقدار کا ایک اور آدھا گنا جیسے ڈیڑھ سیر ڈیڑھ گز، ڈیڑھ سو۔ اڑھائی کے معنی ہیں۔ دو اور آدھا۔ لیکن جب کسی عدد یا اسم کے ساتھ آتا ہے تو اس عدد یا مقدار کا دو اور آدھا گنا ظاہر کرتا ہے۔ جیسے اڑھائی سیر، اڑھائی سو۔ ساڑھے کبھی تنہا استعمال نہیں ہوتا۔ جب یہ کسی عدد یا اسم کے ساتھ آتا ہے تو وہ عدد یا مقدار اور ایک نصف زیادہ بناتا ہے جیسے، ساڑھے چار سیر، یعنی چار سیر اور آدھا سیر یہ ایک اور دو کے عدد کے ساتھ نہیں آتا۔ ایسے موقع پر ڈیڑھ اور اڑھائی کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں "پونے" کے معنی ہیں۔ ایک چوتھائی کم۔ جیسے پونے چار یعنی ایک چوتھائی کم چار۔ پون جب تنہا بغیر دوسرے عدد کے آتا ہے تو وہ پونے کی جگہ سمجھا جاتا ہے۔ جیسے پون روٹی، پون گز، پون سو۔

صفت مقداری

اعداد جس طرح گنتی کے لئے بطور صفت کے استعمال ہوتے ہیں، اسی طرح وہ مقدار یعنی وزن یا ناپ کے لئے بھی استعمال کئے جاتے ہیں جیسے چار سیر گھی، چار گز کپڑا۔

بعض اور الفاظ بھی شمار اور مقدار کے لئے استعمال ہوتے ہیں لیکن اعداد کی طرح وہ کسی معین تعداد یا مقدار کو نہیں بتاتے جیسے، کتنے آدمی بیٹھے ہیں (تعداد)، پانی کتنا چڑھ آیا۔ (مقدار) جتنا کھانا کھا سکو کھاؤ (مقدار) اتنا پانی مت پیو (مقدار) اتنے آدمی یہاں نہیں سما سکتے (تعداد)

علاوہ اتنا، جتنا، کتنا، کے یہ اور وہ بھی کبھی کبھی مقداری صفت کے

معنوں میں آتے ہیں جیسے یہ ڈھیر کتابوں کا پڑا ہے۔ برسات کا وہ زور ہے کہ خدا کی پناہ۔

صفت ضمیری

وہ ضمیریں جو صفت کا کام دیتی ہیں۔ وہ یہ ہیں۔

وہ، یہ، کون، جو، کیا۔

مثالیں:۔ وہ عورت آئی تھی۔ یہ کام مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ کون شخص ایسا کہتا ہے۔ جو کام تم سے نہیں ہو سکتا اُسے ہاتھ کیوں لگاتے ہو۔ کیا چیز گر پڑی۔

یہ الفاظ جب تنہا آتے ہیں تو ضمیر ہیں اور جب کسی اسم کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں تو صفات ہیں۔

صفت کی تذکیر و تانیث اور جمع

اردو میں انہیں صفات میں تذکیر و تانیث یا واحد جمع کا امتیاز ہوتا ہے۔ جن کے واحد کے آخر میں الف یا ہ (جو الف کی آواز دیتی ہے) ہوتی ہے۔

اسماء کی طرح ان صفات کے آخر کا الف مذکر کی علامت ہے، اور یائے معروف تانیث کی۔ جمع حالت میں واحد کا آخر الف، یائے مجہول سے بدل جاتا ہے۔ مونث میں واحد اور جمع کی صورت یکساں رہتی ہے۔

	واحد	جمع
مذکر	اچھا مرد	اچھے مرد
مونث	اچھی عورت	اچھی عورتیں

وہ فارسی اور عربی لفظ جو کثرت استعمال سے اردو میں گھل مل گئے ہیں۔ اس قاعدے کے تحت میں آجاتے ہیں۔

جیسے سادہ سے سادی، تازہ سے تازی، دیوانہ سے دیوانی، جدا سے جدی، لیکن عمدہ سے عمدی فصیح نہیں سمجھا جاتا۔

جن صفات کے آخر میں الف یا ہ یا یائے معروف نہیں ہوتی ان کی صورت واحد اور جمع، تذکیر و تانیث میں ایک ہی رہتی ہے۔ اور کسی قسم کی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔

	واحد	جمع
مذکر	گرم کھانا	گرم کھانے
مونث	گرم روٹی	گرم روٹیاں

صفات عددی (باترتیب) میں مذکر کا (ف) مونث میں ی (معروف) اوروں سے بدل جاتا ہے لیکن جب مذکر کے بعد حرف ربط آتا ہے تو الف یائے مجہول سے بدل جاتا ہے لیکن مونث میں حرف ربط کے بعد بھی وہی حالت رہتی ہے۔

مثالیں

مونث	پانچویں	(یائے معروف) عورت
مذکر	پانچویں	(یائے معروف) عورت نے
	پانچواں مرد	
	پانچویں (یائے مجہول) مرد نے	

اردو میں اکثر صفاتی لفظ ایسے ہیں جو تنہا بطور اسم عام کے استعمال ہوتے ہیں اور ان کی جمع بھی اسماء کی طرح آتی ہے۔ اچھا آدمی (صفت) چاہیئے اچھوں کو جتنا چاہیئے۔ (اسم) یہ بنگالی لڑکا بہت ذہین ہے (صفت)

بنگالی بہت ذہین ہوتے ہیں۔ (اسم)

صفات کی تصغیر بعض اوقات صفات کی تصغیر بھی آتی ہے۔ جیسے۔ لمبے سے لمبو، موٹے سے مٹلا، چھوٹے سے چھٹکا۔

۳۔ ضمیر

وہ الفاظ جو بجائے اسم کے استعمال کئے جاتے ہیں ضمیر کہلاتے ہیں جیسے۔ وہ نہیں آیا۔ میں آج نہیں جاؤں۔ اس میں (وہ) اور (میں) ضمیریں ہیں۔ ضمیر سے فائدہ یہ ہے کہ بار بار انہیں اسماء کو جو گزر چکے ہیں دہرانا نہیں پڑتا۔ اور زبان میں الفاظ کے دہرانے سے جو بدنمائی پیدا ہو جاتی ہے وہ نہیں ہونے پاتی۔

ضمیر کی قسمیں

(۱) شخصی (۲) موصولہ (۳) استفہامیہ (۴) اشارہ۔ (۵) تنکیر۔

(۱) ضمیر شخصی وہ ہے جو اشخاص کے لئے استعمال کی جاتی ہے۔ اس کی تین صورتیں ہیں۔

ایک وہ جو بات کرتا ہے اسے متکلم کہتے ہیں۔

دوسرا وہ جس سے بات کی جاتی ہے اسے مخاطب کہتے ہیں۔

تیسرا وہ جس کی نسبت ذکر کیا جاتا ہے اسے غائب کہتے ہیں۔

ضمائر کی حالتیں وہی ہوتی ہیں جو اسم کی ہیں۔ (سوائے حالت ندائی کے) ہر ایک کی تفصیل ذیل میں دی جاتی ہے۔

ضمائر متکلم

	واحد	جمع
فاعلی حالت	میں	ہم
مفعولی حالت	مجھے یا مجھ کو	ہمیں یا ہم کو

اضافی حالت	میرا	ہمارا

ضمائر مخاطب

	واحد	جمع
فاعلی حالت	تو	تم
مفعولی حالت	تجھے یا تجھ کو	تمہیں یا تم کو
اضافی حالت	تیرا	تمہارا

ضمائر غائب

	واحد	جمع
فاعلی حالت	وہ	وہ
مفعولی حالت	اُسے یا اس کو	ان کو یا انہیں
اضافی حالت	اس کا	ان کا

اردو ضمائر میں تذکیر و تانیث کا کوئی فرق نہیں ہوتا۔

ضمائر غائب میں واحد اور جمع دونوں کے لئے "وہ" آتا ہے اور اس میں اشخاص اور اشیاء کا امتیاز نہیں ہوتا۔ پرانی اردو میں واحد کے لئے (وو) اور جمع کے لئے (وے) استعمال ہوتا تھا۔

(تو) بے تکلفی اور محبت کے لئے آتا ہے۔ جیسے ماں بچے سے، گرو چیلے سے باتیں کرتا ہے یا مخاطب کی کم حیثیتی کو ظاہر کرتا ہے۔ جیسے آقا نوکر سے باتیں کرتے وقت استعمال کرتا ہے۔ بعض اوقات بہت بے تکلف دوست بھی تو کہہ کر باتیں کرتے ہیں۔

نظم میں اکثر مخاطب کے لئے (تو) لکھتے ہیں، یہاں تک کہ بڑے بڑے لوگوں اور بادشاہوں کو بھی اسی طرح خطاب کیا جاتا ہے۔

بعد شاہان سلف کے تجھے یوں ہے تفضیل (ذوقؔ)
جیسے قرآن پس توریت و زبور و انجیل
دعا پر کروں ختم اب یہ قصیدہ
کہاں تک کہوں تو جنیں ہے چناں ہے (میرؔ)

دعا مانگتے وقت خدا سے بھی (تو) سے خطاب کیا جاتا ہے۔ دوسرے مواقع پر واحد مخاطب کے لئے، تم ہی استعمال کرتے ہیں۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ سوائے بے تکلفی کے موقع کے تم بھی اکثر نوکروں اور چھوٹے لوگوں سے خطاب کرتے وقت بولا جاتا ہے۔ ورنہ اکثر اور عموماً واحد مخاطب اور جمع مخاطب دونوں کے لئے (آپ) کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

آپ تعظیماً واحد غائب کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اگرچہ لوگ طرح طرح کی ایذائیں پہنچاتے تھے مگر آپ کو کبھی ملال نہ ہوتا۔ یا جب کوئی شخص کسی کو دوسرے سے ملاتا ہے تو تعظیماً کہتا ہے کہ آپ فلاں شہر کے رئیس ہیں۔ آپ شاعر بھی ہیں وغیرہ وغیرہ۔

(ہم) ضمیر متکلم جمع میں استعمال ہوتا ہے۔ لیکن بڑے لوگ بجائے واحد متکلم کے بھی استعمال کرتے ہیں جیسے ہم نے جو حکم دیا تھا۔ اس کی تعمیل کیوں نہیں کی گئی۔ نظم میں یہ تخصیص نہیں وہاں اکثر واحد متکلم کے لئے بھی آتا ہے۔

ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے
بے نیازی تیری عادت ہی سہی

ایک ہم ہیں کہ دیا اپنی بھی صورت کو بگاڑ
ایک وہ ہیں جنہیں تصویر بنا آتی ہے

کبھی متکلم عمومیت کے خیال سے (ہم) استعمال کرتا ہے۔ جیسے ایک رفہ

ہمیں یہ سب کچھ چھوڑنا پڑے گا۔ ترقی کیسی ہماری حالت ہی اس قابل نہیں۔

کبھی متکلم اپنے لیے (ہم) کا استعمال کرتا ہے۔ جیسے یہ چند روزہ صحبت غنیمت ہے ورنہ پھر ہم کہاں تم کہاں۔ ہماری قسمت ہی بری ہے جو کام کیا بگڑ گیا وہ بڑے ضدی ہیں کسی کو کیوں ماننے لگے۔ آخر ہمیں کو دینا پڑا۔

بعض اوقات اس کا استعمال مبہم ہوتا ہے۔ اور یہ صحیح طور سے نہیں معلوم ہوتا کہ متکلم کے ساتھ اور کون شریک ہیں۔ مثلاً کوئی کہے "میرا ساتھ کون دے گا۔ اس کے جواب میں دوسرا شخص کہے "ہم سب تمہارا ساتھ دیں گے"۔ اگرچہ کہنے والا واحد ہے مگر دوسروں کو بھی شریک کر لیتا ہے۔

بعض اوقات اس کے ساتھ دوسرے الفاظ کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ جیسے ہم رعایا، ہم سرکار، ہم شہر کا، ہم مجلس۔

کبھی کبھی محض انکسار کی غرض سے جب کہ اپنی شخصیت کا اظہار سننے والوں کے سامنے مناسب خیال نہیں کیا جاتا۔ گویا متکلم اپنی رائے یا فیصل کو دوسروں کی آڑ میں چھپا لیتا ہے۔ جیسے ہماری رائے میں تعلیم کی اصلاح میں نہایت سرگرمی سے کوشش کرنی چاہیئے۔

اس کا استعمال زیادہ تر اخباروں کے ایڈیٹر کرتے ہیں جو گویا اہل ملک کے نائب ہیں۔

بعض اوقات یار اور یاروں کا لفظ واحد متکلم کے لیے استعمال ہوتا ہے جیسے یار تو گوشۂ تنہائی میں رہتے ہیں کہیں آتے نہ جاتے۔ یاروں سے بچ کر کہاں جائے گا۔ یاروں کا لفظ واحد متکلم اور جمع متکلم دونوں کے لیے آتا ہے مگر عموماً بے تکلفی کے موقع پر استعمال ہوتا ہے۔ یہ استعمال کسی قدر عامیانہ سمجھا جاتا ہے۔

کیا بد نظر تم ہے یاروں سے تو کہیے
گر منہ سے نہیں کہتے اشاروں سے تو کہیے

ذوق

جب کسی جملے میں کوئی اسم یا ضمیر فاعلی حالت میں ہو اور وہی مفعول بھی واقع ہو تو بجائے ضمیر مفعولی کے آپ کو، اپنے تئیں، یا اپنے آپ کو استعمال کرتے ہیں۔ جیسے احمد آپ کو دور کھینچتا ہے یا اپنے تئیں بڑا آدمی سمجھتا ہے یا اپنے آپ کو فاضل خیال کرتا ہے۔

اسی طرح جب کوئی اسم یا ضمیر فقرے میں فاعل ہے اور اس کی اضافی حالت لانی منظور ہو تو بجائے اصل ضمیر اضافی کے اپنا، اپنی، یا اپنے، حسب موقع استعمال ہوں گے۔ جیسے احمد اپنی حرکت سے باز نہیں آتا۔ تم اپنا کام کرو۔ مجھے اپنے کام سے فرصت نہیں۔ وہ خود تو چلے گئے مگر اپنا کام مجھ پر چھوڑ گئے۔ یہ اسی حالت میں ہے جب کہ فاعل ایک ہو۔ اگر فاعل الگ الگ ہیں تو (اپنے) کی ضمیر نہیں آئے گی۔ بلکہ جس ضمیر کا موقع ہوگا اسی کی اضافی حالت لکھی جائے گی۔ جیسے وہ تو چلے گئے مگر ان کا کام مجھ پر آپڑا۔ یہاں چلے گئے کا فاعل وہ ہے۔ اور آپڑا کا فاعل ان کا کام ہے۔ جیسے تم تو چلے گئے مگر تمہارا کام انہوں نے مجھے سونپ دیا۔ یہاں چلے گئے کا فاعل تم ہے۔ اور سونپ دیا کا فاعل انہوں نے اپنا، اپنی، اور اپنے مضاف کے لحاظ سے حسب ترتیب واحد مذکر، واحد و جمع مؤنث اور جمع مذکر کے لئے آتے ہیں۔ اگر حروف ربط میں سے کوئی مضاف کے بعد آجاتا ہے تو (اپنا) بدل کر (اپنے) ہو جاتا ہے جیسے وہ اپنے کام سے غافل ہے۔ وہ اپنے ہوش میں نہیں۔

دراصل ایسے فقروں میں اصل ضمیریں اپنا، اپنے، اپنی سے

بدل گئی ہیں۔ مثلاً مجھے اپنے کاموں سے فرصت نہیں۔ اصل میں تھا۔ مجھے میرے کاموں سے فرصت نہیں۔

آپ اور اپنا دوسرے ضمائر کے ساتھ تاکید کے لئے بھی آتے ہیں مثلاً حالت فاعلی میں۔ میں آپ گیا تھا۔ وہ آپ آئے تھے۔ ہم آپ آئے تھے۔ تم آپ گئے تھے۔ حالت اضافی میں جیسے میرا اپنا کام تھا۔ یہ ان کا اپنا باغ ہے۔

میرا اپنا جُدا معاملہ ہے
اور کے لین دین سے کیا کام (غالب)

فارسی کا لفظ خود بھی (جس کے معنی آپ اپنے کے ہیں) انہیں معنوں میں آتا ہے۔ جیسے انہوں نے خود فرمایا۔ خود بعض حالتوں میں زیادہ فصیح ہے۔ اور خصوصاً حالت مفعولی میں۔ جیسے میں نے خود اسے دیا۔ یہاں خود کے استعمال سے ابہام پایا جاتا ہے کہ خود کا تعلق (میں) سے ہے یا (اسے) سے۔ لہٰذا اس کے رفع کرنے کے لئے ایسے موقعوں پر استعمال کی یہ صورت ہونی چاہیئے کہ جس لفظ سے اس کا تعلق ہو اسی کے اول استعمال کیا جائے۔ مثلاً اگر یہاں خود کا تعلق (میں) سے ظاہر کرنا مقصود ہو تو یوں کہا جائے "خود میں نے اسے دیا"۔ مگر حالت اضافی میں خود کا استعمال فصیح نہیں ہے ایسے مواقع پر (اپنا) زیادہ فصیح ہے۔ مثلاً خود کا کام خود کرنا چاہیئے "کی بجائے اپنا کام آپ کرنا چاہیئے۔ زیادہ فصیح ہے۔

۲۔ ضمیر موصولہ

وہ ہے جو کہ اسم کے بجائے آتی ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہمیشہ ایک جملہ ہوتا ہے جس میں اس کے اسم کا بیان ہوتا ہے۔ جیسے وہ

کتاب جو کل چوری گئی تھی مل گئی ہے۔ آپ کے دوست جو چھپ رہے ہیں۔ مجھے ملے تھے۔ پہلے میں "جو" کتاب کے لئے اور دوسرے میں (جو) دوست کے لئے اور ساتھ کے جملوں میں دونوں اسموں کا بیان ہے۔

ضمیر موصول صرف (جو) ہے جس کی مختلف حالتیں یہ ہیں۔

	واحد	جمع
فاعلی حالت	جس نے	جنہوں نے
مفعولی حالت	جس کو یا جسے	جن کو یا جنہیں
اضافی حالت	(مذکر) جسے	جن کا
	(مونث) جس کی	جن کی

جن کو، جنہیں، جنہوں نے، جن کا اگرچہ جمع ہیں مگر تعظیماً واحد کیلئے آتے ہیں۔ جس اسم کے لئے یہ ضمیر آتی ہے، اسے مرجع کہتے ہیں۔

ضمیر موصول ہمیشہ ایک جملے کے ساتھ آتی ہے اور دوسرا جملہ اس کے جواب میں ہوتا ہے۔ مثلاً وہ کتاب جو کل خریدی تھی۔ دوسرا "وہ کتاب جاتی رہی۔ اس میں (جو) ضمیر موصول ہے۔

(جو) حالت فاعلی میں واحد اور جمع دونوں میں یکساں استعمال ہوتا ہے مگر جب فاعل کے ساتھ ہوتا ہو تو واحد میں (جو) بدل کر (جس) اور جمع میں (جنہوں) ہو جاتا ہے۔ مثلاً جس نے ایسا کیا برا کیا۔ وہ لوگ جنہوں نے قصور کیا تھا معاف کر دیئے گئے۔

کبھی (جو) کے جواب میں فقرہ ثانی میں (سو) آتا ہے جیسے جو ہو سو ہو جو چڑھے گا سو گرے گا۔

(جون) بھی ہندی میں ضمیر موصولہ ہے۔ مگر اُردو میں (سا) کے ساتھ مل کر آتا ہے جیسے ان میں سے جون سا چاہو لے لو۔ جمع میں (جون سے) اور واحد جمع مونث میں (جون سی) استعمال ہوتا ہے۔

کبھی (کہ) بطور ضمیر موصولہ کے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے

میں کہ آشوب جہاں سے تھا ستم دیدہ بہت
امن کو سمجھا غنیمت دل غم دیدہ بہت (آزاد)

جو، جس اور جن بہ تکرار بھی آتے ہیں، اور واحد یا جمع کی حالت میں ان کا اطلاق فرداً فرداً ہوتا ہے۔ مثلاً جو پسند ہو لے لو۔ جن جن کے پاس گیا، انہوں نے یہی جواب دیا۔

ضمائر استفہامیہ

جو سوال پوچھنے کے لئے آتے ہیں۔ دو ہیں۔ کون اور کیا۔ کون، جاندار کے لئے آتا ہے (کیا، بے جان کے لئے۔

جیسے:۔
کون کہتا ہے، کیا چاہیئے۔
(کون) کی مختلف حالتیں یہ ہیں۔

	واحد	جمع
فاعلی حالت	کون اور (نے کیساتھ)	کون (نے کیساتھ)
مفعولی حالت	کے یا کس کو، کس سے	کن، کن کو یا کنہیں، کون سے
اضافی حالت	کس کا	کن کا

جیسے کون کہتا ہے، کس نے کہا، کس کے پاس۔ کس کو دیا؟ کون اب صورت فاعلی میں ضمیر کے بجائے بے نہیں آتا ہے۔ بلکہ نے کے ساتھ آتا ہے۔ جیسے کن لوگوں نے کہا؟

کس کس، کن کن۔ اور کیا کیا بھی استعمال ہوتے ہیں جیسے کس کس کو روؤں۔ کن کن سے کہوں، کیا کیا کروں!

کون کون بھی بولتے ہیں۔ جیسے وہاں کون کون تھے۔

ان فقروں میں فعل کئی اشخاص یا اشیا پر فرداً فرداً واقع ہوتا ہے اور جمع کا ہونا بتاتا ہے۔

کون سا، کون سی، کون سے بھی بجائے ضمیر مستعمل ہے۔ کون اور کون سا میں فرق اتنا ہے (کون سے) میں ذرا خصوصیت پائی جاتی ہے اور یہ اس وقت استعمال کیا جاتا ہے جب کہ کئی چیزوں میں سے کسی ایک کا انتخاب مقصود ہو۔ مثلاً ان میں سے کون سی چاہیئے؟ یہاں کون نہیں کہیں گے (سا) کے ساتھ (کون)، اشخاص اور اشیاء دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

ضمیر اشارہ } جو بطور اشارہ کے استعمال ہوتی ہے۔ وہ، بعید کے اور یہ، قریب کے لئے ضمائر اشارہ اور ضمائر غائب شخصی ایک ہی ہیں لیکن جب بطور اشارہ استعمال ہوتی ہیں تو انہیں ضمائر اشارہ کہتے ہیں۔ جیسے وہ لوگ یا یہ۔ حرف ربط کے آنے سے وہ اس سے اور یہ اس سے بدل جاتا ہے اور جمع میں اُن اور ان ہو جاتا ہے۔

دین اور فقر سے تھے کبھی کچھ چیز!
اب دھر اکیا ہے اس میں اور ادھر میں

ضمائر تنکیر } وہ ہیں جو غیر معین اشخاص یا اشیاء کے لئے آئیں ضمائر تنکیر دو ہیں۔ کوئی، اور کچھ۔

کوئی، اشخاص کے لئے اور کچھ اشیاء کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

کوئی ہے؟ کوئی نہیں بولتا، کچھ ہے یا نہیں؟ کچھ نہ کہو۔ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے؟

حروف ربط کے آنے سے کوئی، کی صورت "کسی" ہوجاتی ہے۔ جیسے کسی کے پاس نہیں۔ کسی کی جان گئی آپ کی ادا ٹھیری۔

جب یہ ضمائر تکرار کے ساتھ کوئی کوئی اور کچھ کچھ استعمال ہوتی ہیں تو اس میں خاص زور پایا جاتا ہے مگر معنے قلت کے آتے ہیں جیسے اب بھی کوئی کوئی نظر پڑ جاتا ہے اگرچہ نایاب ہے، مگر کسی کے پاس اب بھی مل جاتی ہے۔ ابھی کچھ کچھ درد باقی ہے۔ نفی کے ساتھ بھی بہ تکرار آتا ہے، جیسے ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا۔ کوئی نہ کوئی مل رہے گا۔

عربی کے الفاظ "بعض اور بعضے" بھی ضمیر تنکیر کا کام دیتے ہیں۔ بعض کا یہ خیال ہے۔ بعض کہتے ہیں "بعض" تکرار کے ساتھ بھی آتا ہے جیسے بعض بعض ایسے بھی ہیں۔ اسی طرح "فلاں" "کل" "اور" بھی بطور ضمیر تنکیر کے استعمال ہوتے ہیں۔

ضمائر تنکیری دوسرے ضمائر کے ساتھ مل کر مرکب بھی آتی ہے جیسے جو کوئی جو کچھ، جس کسی، ہر کوئی، جیسے جس کسی سے کہتا ہوں وہ الٹا مجھی کو قائل کرتا ہے۔ جو کچھ کہو بجا ہے۔ ہر کوئی یہی کہتا ہے۔ جو کچھ ہے غنیمت ہے۔ اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔

صفات ضمیری یہ وہ صفات ہیں جن میں کم و بیش ضمیر کی خاصیت بھی پائی جاتی ہے۔ یہ الفاظ جو اس میں داخل ہیں یا صفات ہوتے ہیں یا ضمیر۔ اسم کے ساتھ آنے سے صفات ہوجاتے ہیں اور بغیر اسم کے ضمیر، ان میں سے ایک تو وہ ہیں جو ضمیری مادوں کے آگے "تا تنا" اور

اسا، بڑھ کر بنائے گئے ہیں اور باقی دوسرے الفاظ ہیں۔ ضمیری مادے ہندی میں پانچ ہیں۔

(۱) یا (या) اِی (ई)، (۲) وا (वा) او (ओ)، (۳) جا (जा) جی (जी)
(۴) سا (सा) تی (ती)، (۵) کا (का) کی (की)

ان صفات کی دو قسمیں ہیں ایک صفات ذاتی دوسری صفات مقداری۔

صفات مقداری		صفات ذاتی
اِتنا	(इतना)	ایسا
اُتنا	(उतना)	ویسا
جتنا	(जितना)	جیسا
کِتنا	(कितना)	کیسا

ان کے علاوہ دوسرے الفاظ یہ ہیں۔ ایک، دوسرا، دونوں، اور، بہت بعض، بعضے، نیز، سب، ہر، فلاں، (فلانا) کوئی، کے، چند، کل وغیرہ

ایک اور صفت عددی ہے۔ جب ضمیر ہوتا ہے تو اس کے جواب میں دوسرا آتا ہے۔ جیسے ایک یہ کہتا ہے دوسرا یہ کہتا ہے کبھی جواب میں دوسرے کے بجائے (ایک) ہی استعمال ہوتا ہے جیسے ایک آتا ہے ایک جاتا ہے۔ کبھی ایک اور دوسرا مل کر آتے ہیں اور تعلق باہمی ظاہر کرتے ہیں۔ جیسے ایک دوسرے سے محبت کرو۔

ہر، کبھی اکیلا اور بطور اسم کے استعمال نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ (ایک) یا (کوئی) کے ساتھ مل کر آتا ہے۔ ہر ایک، ہر کوئی، ایسی حالت

میں اسے ضمیر کہہ سکتے ہیں۔

اور جیسے، مجھے اور سے کیا مطلب۔ اس کی جمع بھی آتی ہے۔ جیسے۔ مجھے اوروں سے کیا غرض۔

"بہت" کی ایک اور صورت "بہتیرا" ہے جس سے کثرت ظاہر ہوتی ہے اور اکثر تمیز فعل واقع ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ بہت سا بھی مستعمل ہے۔ بہت سے، بہتیرے، بطور ضمیر کے استعمال ہوتے ہیں، جیسے بہتیرے یہ رائے رکھتے ہیں۔ بہت سے یہ کہتے ہیں۔

"کئی" "اور" کے بطور ضمیر کے بھی آتے ہیں (کئی) کے ساتھ (ایک) بھی مل کر آتا ہے۔ جیسے کئی ایک۔ اور اسی طرح کتنے ایک بھی مستعمل ہے۔ مثلاً کے چاہئیں؟ کئی ایسے ہیں جو اسے نہیں مانتے۔ کئی ایک کی یہ رائے ہے بعض کی یہ رائے ہے۔ سب، چلے گئے وغیرہ۔

ضمائر کے ماخذ } اردو کی تمام ضمیریں ہندی میں جو سنسکرت اور پراکرت سے ماخوذ ہیں۔ ان کی اصل کا پتہ لگانا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا لہذا مختصر طور پر یہاں بحث کی جاتی ہے۔

میں، سنسکرت میں ضمیر واحد متکلم "میا" پراکرت میں "ہے" اردو افعال متعدی میں جو 'میں' کے ساتھ 'نے' استعمال ہوتا ہے وہ زائد ہے چنانچہ مارواڑی، قدیم بیسواڑی اور دیگر پرانی ہندی اور دکنی میں 'میں' بغیر نے کے استعمال ہوتا ہے۔ پنجابی میں بھی 'میں' ہے، مرہٹی میں (می) آتا ہے۔

تو۔ سنسکرت کی واحد صورت فاعلی 'توم' ہے ہے۔ ہندی کی بعض زبانوں (مثلاً مارواڑی اور قدیم بیسواڑی) نیز پرانی اردو میں تون اور تیں استعمال ہوتا ہے۔

مجھ اور تجھ پراکرت کی اضافی حالت مجّھا اور تجّھا سے پیدا ہوئے ہیں جو بجائے مہہ اور توہ کے ہیں، مہا اور توہا عوام کی پراکرت میں استعمال ہوتا تھا پراکرت صورت مجّھا اور تجّھا کے آگے (ہی) کا اضافہ کرنے سے مجّھا ہی ہوا اور اس سے مجھے تجھے بنے۔

میرا، تیرا اسی طرح بنے کہ قدیم اضافی صورت مہا کے ان کے اضافت کیر آیا کیرو بجائے کیرا کو (سنسکرت کرتا) بڑھا دیا گیا۔ بعض قواعد نویسوں نے عوام کی پراکرت کی صورت اضافی مہاکیرو بتائی ہے جن سے میرا بنا ہے چنانچہ مارواڑی اور میواڑی میں مہانرو، مہانلو مستعمل ہے پراکرت کا کاف واڑ گیا، اس کے بعد میرو یا میرا اور تیرا بن گیا۔

(ہم) پراکرت کی جمع متکلم حالت فاعلی۔ مہے (امہے) سے بنا ہے، یہ صورت مارواڑی زبان میں اب تک قائم ہے۔ بنگالی، آدی، گجراتی ا۔ ہے، مرہٹی، امہی، مفعولی حالت، ہمیں بھی اسی سے بنی ہے کیوں کہ اس کی پراکرت صورت، مہائیں ہے اور اسی طرح تمہیں تمہائیں سے بن گیا۔ ہمارا تمہارا کی اصل یہ ہے کہ امہا اور تمہا کے آگے پراکرت علامت، کرا کاہ، بڑھا دی گئی ہے۔ اس سے امہاکرا کو اور تمہاکرا کو بنا۔ اس سے برج کا ہمارو اور تمہارو ہوا اور اس سے ہندی ہمارا، تمہارا۔

(یہ) سنسکرت کے لفظ اشہ سے نکلا ہے۔ ہندی کی مختلف شاخوں میں یہ لفظ ذرا ذرا سے فرق سے موجود ہے۔ مثلاً یاہ، یہ، یہو، ابہ، ہے لیکن یہ سب صورتیں اشہ سے نکلی ہیں اور ان سب میں وہ موجود ہے۔ لیکن ایک دوسری صورت ئو اور یا ہے جو یورپ میں مستعمل ہے۔ یہ غالباً پراکرت "امو" سے نکلی ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ جس طرح اشارہ قریب کی صورتیں

اشہ اور اماہ سے نکلی ہیں اسی طرح اشارۂ بعید وہ، اُشہ اور اماہ سے نکلا ہوگا۔ پرانی دکنی اردو میں یہ کے بدلے "اے" بھی استعمال ہوا ہے۔

جو، سو، اور کون سنسکرت کے ضمائر یہہ، سہہ اور کہہ سے نکلے ہیں کون کے متعلق بعض کا یہ خیال ہے کہ سنسکرت کی مفعولی حالت سے کم بنا ہے اسی طرح جوں پر قیاس کرنا چاہیئے سنسکرت کی واحد اضافی حالت جیسا تھی، پراکرت جسا (جیم کا زبرا) یا جسا (جیم کا زیر) ہوئی۔ آخری حرف علت گر گیا۔ اور جس، کی صورت قائم ہوگئی۔

سنسکرت "کا کولی" پراکرت میں "کوبلی" ہوا اور اسی سے ہندی کوئی نکلا (کا) یا (کی) تمام ضمائر استفہامیہ کا اصل مادہ ہے "کسی" بھی اسی مادے سے نکلا ہے سنسکرت میں اضافی حالت کسیا تھی۔ اس سے "کسی" بنا۔

کیا، ہندی (کاہ) یا (کہا) اس کی اصل بھی "کی" معلوم ہوتی ہے۔

سنسکرت کے کچت سے کچھک اور اس سے کچھ بنا۔

آپ (بمعنی خود) کی اصل سنسکرت کا لفظ اتمن ہے۔

آپ نے اور اپنا پراکرت کی صورت آتما کا سے ماخوذ ہے۔

آپس کی نسبت یہ خیال ہے کہ وہ پراکرت کی صورت اضافی آپسا سے بنا ہے۔

آپ (تعظیمی) بھی آتمن سے ماخوذ ہے جو بعض ہندی بولیوں میں آپن اور آپو ہوا اور وہاں سے آپ بنا۔

فعل

فعل وہ ہے کہ جس سے کسی شے کا ہونا یا کرنا ظاہر ہوتا ہے۔ جیسے تماشا شروع ہوا۔ اس نے خط لکھا۔ ریل چلی۔

فعل کی بلحاظ معنوں کے تین قسمیں ہیں۔

۱۔ لازم

۲۔ متعدی

۳۔ ناقص

فعل لازم وہ ہے جس میں کسی کام کا کرنا پایا جاوے۔ مگر اس کا اثر صرف کام کرنے والے یعنی فاعل تک رہے اور بس۔ جیسے احمد آیا پپیہا بولا۔

فعل متعدی وہ ہے جس کا اثر فاعل سے گذر کر مفعول تک پہنچے (مفعول یعنی جس پر فعل واقع ہو) جیسے احمد نے خط لکھا۔ یہاں لکھا فعل ہے، احمد اس کا فاعل اور خط (جس پر لکھنے کا فعل ہوا ہے) مفعول ہے۔

فعل ناقص وہ ہے جو کسی پر اثر نہ ڈالے بلکہ کسی اثر کو ثابت کرے جیسے احمد بیمار ہے۔ اس جملہ میں فعل کا کرنا نہیں بلکہ ہونا پایا جاتا ہے۔ احمد جو یہاں فاعل ہے کام کرنے والا نہیں بلکہ فعل کا سہنے والا ہے اور بیمار اس کی حالت خبر دیتا ہے۔

افعال ناقص اکثر یہ آتے ہیں، ہونا، بننا، نکلنا، رہنا۔ پڑنا، لگنا، نظر آنا، دکھائی دینا۔ ان میں ہونا تو ہمیشہ فعل ناقص کے طور پر استعمال ہوتا ہے

لیکن باقی افعال کبھی لازم ہوتے ہیں اور کبھی ناقص، علاوہ ان کے ہو جانا، بن جانا، معلوم ہونا بھی افعال ناقص کا کام دیتے ہیں جیسے وہ مکار معلوم ہوتا ہے، وہ پاگل ہو گیا ہے۔

مثالیں

وہ چالاک ہے۔ احمد بے خبر تھا۔ (ہونا فعل ناقص)

وہ جاہل ہی رہا	ناقص	وہ شہر میں رہتا ہے	(لازم)
وہ بڑا بے وقوف نکلا	ایضاً	وہ دروازے سے نکلا	ایضاً
وہ امیر بن گیا	ایضاً	میں ڈاکٹر بنوں گا	ایضاً
وہ بیمار نظر آتا ہے	ایضاً	تم کو کچھ نظر نہیں آتا	ایضاً
وہ ہشیار دکھائی دیتا ہے	ایضاً	وہ مجمع میں کہیں دکھائی تو دیا تھا۔	ایضاً
وہ بھلا لگتا ہے	ایضاً	اس کے اینٹ لگی	ایضاً
وہ بیمار پڑا ہے	ایضاً	میں وہاں پڑا رہا	ایضاً

ان کے علاوہ چند افعال ایسے بھی پائے جاتے ہیں جو بصورت تو لازم ہیں لیکن معناً ان کا میلان مجہول کی طرف ہوتا ہے۔ فعل کی یہ سب سے سادہ اور ابتدائی قسم ہے جیسے، پٹنا، کھلنا، بچنا، بکنا، کھٹنا، کٹنا وغیرہ وغیرہ۔ مثلاً دروازہ کھلا، مال بکا، احمد پٹا۔ اس میں کسی قدر مجہول کی شان پائی جاتی ہے۔ جس کا ذکر آئے گا۔ یہ افعال درحقیقت نہ تو متعدی ہیں نہ لازم۔ کیوں کہ فاعل کا فعل ثابت نہیں۔

لوازم فعل

افعال میں علاوہ جنس و تعداد کے تین چیزیں اور بھی پائی جاتی ہیں۔

۱۔ طور ۲۔ صورت ۳۔ زمانہ

طورِ فعل۔ وہ حالت ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کام خود فاعل سے صادر ہوا۔ یا کام کا اثر کسی پر واقع ہوا۔ یہ فعل کے طور ہیں۔

جب فاعل کے کام کا اثر کسی دوسری شے یا شخص پر واقع ہو تو اسے معروف کہتے ہیں۔ جیسے احمد نے نوکر کو مارا۔ یہاں فاعل کے کام کا اثر نوکر پر واقع ہوتا ہے مگر جب صرف وہ شے یا شخص معلوم ہو جس پر واقع ہوا ہے اور فاعل معلوم نہ ہو تو اسے مجہول کہتے ہیں۔ جیسے اسے خط سنایا گیا۔ یہاں سنانے والا یعنی فاعل نامعلوم ہے اس لیے اسے مجہول کہتے ہیں۔ مجہول کے معنے نامعلوم کے ہیں۔

ہر فعل کی کوئی نہ کوئی صورت ہوتی ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ فعل (کام) کس ڈھنگ سے ہوا۔

فعل کی پانچ صورتیں ہوتی ہیں:۔

۱۔ خبری ۲۔ شرطی ۳۔ احتمالی
۴۔ امری ۵۔ مصدری

۱۔ خبری صورت وہ ہے جو کسی واقعے کی خبر دے۔ یا کسی امر کے متعلق استفسار کرے جیسے حامد گر پڑا۔ آپ پانی پئیں گے؟

۲۔ شرطی صورت، فعل کی وہ صورت ہے جس میں شرط یا تمنا پائی جائے خواہ حرفِ شرط ہو یا نہ ہو۔ جیسے وہ آتے تو میں بھی چلتا۔ اس میں بعض اوقات توقع اور خواہش کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ جیسے وہ آتا تو خوب ہوتا۔ یہ مکان مجھے مل جاتا تو اچھا ہوتا۔

۳۔ احتمالی صورت جس میں احتمال یا شک پایا جائے۔ جیسے امی نے

لکھا ہوگا۔ ممکن ہے کہ وہ نہ گیا ہو۔ شاید وہ آجائے۔

۴۔ امری صورت جس میں حکم التجا پائی جائے۔ جیسے پانی لاؤ۔ تشریف لائیے۔

۵۔ مصدری صورت جس میں کام کا ہونا بلا تعین وقت کے ہو۔ اس کے آخر میں ہمیشہ (نا) ہوتا ہے۔ جیسے ہونا کرنا، کھانا۔ حقیقت میں ایک قسم کا فعلی اسم ہے جو تجریدی طور پر فعل کے کام یا حالت کو بتاتا ہے اور زمانہ اور تعداد سے بری ہوتا ہے۔

زمانہ فعل کے لئے زمانے کا ہونا ضروری ہے۔ زمانے تین ہیں۔ گذشتہ جسے ماضی کہتے ہیں، موجودہ، جسے حال کہتے ہیں اور آئندہ جس کا نام مستقبل ہے ہر فعل یا کام کا تعلق بلحاظ زمانے کے ان تینوں میں سے کسی کے ساتھ ضرور ہوگا مادہ۔ مصدر کی علامت (نا) گرا دینے سے فعل کا مادہ رہ جاتا ہے اور اس سے اکثر باقاعدہ افعال بنتے ہیں۔ مثلاً ملنا کا مادہ مل ہے اور چلنا کا چل ہندی فعل کا مادہ صورت میں امر مخاطب کے مشابہ ہوتا ہے۔

حالیہ ناتمام و تمام فعل کے مادے سے حالیہ ناتمام و تمام بنتے ہیں۔

۱۔ حالیہ ناتمام۔ مادے کے آخر میں تا بڑھانے سے بنتا ہے۔

۲۔ حالیہ تمام مادے کے آخر میں (ا) بڑھانے سے بنتا ہے۔

ذیل کی مثالوں سے پوری کیفیت معلوم ہوگی۔

مصدر	مادہ	حالیہ ناتمام	حالیہ تمام
ٹلنا	ٹل	ٹلتا	ٹلا
ڈرنا	ڈر	ڈرتا	ڈرا
کھلنا	کھل	کھلتا	کھلا

لیکن جہاں مادے کے آخر میں (ی) یا (و) ہوگا، وہاں (یا)
بڑھانا پڑے گا۔ جیسے کھا سے کھایا۔ پی سے پیا۔ کھو سے کھویا۔
یہ بھی خیال رہے کہ جب آخر میں (ی) معروف ہے تو حالیہ تمام
کے اوّل اس کی صورت حرف زبر کی رہ جاتی ہے۔ جیسے پی سے پیا۔
مونث اور جمع کی صورت میں تبدیلی عام قاعدے کے مطابق
ہوتی ہے۔ جیسے

مذکر واحد	مذکر جمع	مؤنث واحد	مؤنث جمع
لاتا	لاتے	لاتی	لاتیں
لایا	لائے	لائی	لائیں

سہ حرفی مادوں میں دوسرے حرف کی حرکت ساکن ہوجاتی ہے جیسے
نکل سے نکلا، پھسل سے پھسلا وغیرہ
البتہ جیسے مفصلۂ ذیل مصادر میں حالیہ خلاف مادۂ افعال آتا ہے
ہونا سے ہوا، مرنا سے مرا۔ کرنا سے کیا۔ دینا سے دیا۔ لینا سے لیا،
جانا سے گیا۔
تیسری صورت حالیہ معطوفہ کی ہے۔ جو مادے کے آخر کے
(یا) ''کر'' لگانے سے بنتا ہے۔ جیسے کھاکر۔ مل کے، سن کے۔
جب حالیہ کے ساتھ (ہوا) آتا ہے تو صفت کے معنے دیتا ہے
جیسے کھویا ہوا۔ روتا ہوا۔ وغیرہ۔ بعض اوقات ہوا کے بغیر بھی صفت کا فائدہ
ہے۔ جیسے کھلا مکان۔ میٹھا جوتا۔ روتی صورت۔

افعال کے مختلف صیغوں کے بنانے کا طریقہ۔

افعال کے مختلف صیغے تین طرح سے بنتے ہیں۔ اول مادہ سے

دوم حالیہ تمام اور امدادی افعال کے ذریعے سے، سوم حالیہ ناتمام اور امدادی افعال کی مدد سے۔

ہر کام کی تین حیثیتیں ہوتی ہیں (۱) کام جو ختم ہو چکا ہے (۲) جو شروع ہو چکا ہے اور ختم نہیں ہوا (۳) جو ابھی شروع نہیں ہوا۔

افعال کے تمام صیغے ان تین شقوں میں آجاتے ہیں۔ اب ہم زمانے کے لحاظ سے مختلف افعال کے بنانے کا ذکر کرتے ہیں۔ لیکن اس سے قبل فعل (ہونا) کی گردان لکھ دینی مناسب معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ ماضی اور حال کے اکثر صیغے اس فعل کی مدد سے بنتے ہیں۔

ماضی

واحد	جمع
وہ تھا	وہ تھے
تو تھا	تم تھے
میں تھا	ہم تھے

حال

واحد	جمع
وہ تھا	وہ تھے
تو تھا	تم تھے
میں تھا	ہم تھے

امر

واحد	جمع
تو ہو	تم ہو

ہوجیے۔ ہوجیے گا
ہوں

مستقبل

واحد	جمع
وہ ہوگا	وہ ہوں گے
تو ہوگا	تم ہوگے
میں ہوں گا	ہم ہوں گے

(دراصل ہونا کا تعلق ان صیغوں سے کچھ نہیں، کیوں کہ ہونا سنسکرت کے فعل (بھو) سے نکلا ہے۔ حالانکہ حال کے صیغے سنسکرت کے مادے (اس) سے اور ماضی کے صیغے (ستھا) سے نکلے ہیں۔ لیکن اب ہندی اور اردو میں یہ تمام صیغے ہونا ہی کے تحت میں لکھے جاتے ہیں۔

ماضی

افعال ماضی کے اقسام یہ ہیں۔ ماضی مطلق۔ ناتمام، تمام شرطیہ، تمنائی، احتمالی۔

ماضی مطلق وہ ہے جس سے محض ایک فعل کے گذشتہ زمانے میں واقع ہونے کی خبر ملے اور بس۔ جیسے احمد گیا، موہن بھاگا۔

ماضی مطلق اس طرح بنتی ہے کہ مادہ فعل کے آخر (ا) بڑھایا جاتا ہے جیسے بھاگ سے بھاگا۔ لیکن اگر مادۂ فعل کے آخر میں (الف) یا (واو) ہو تو بجائے "الف" کے (یا) بڑھا دیتے ہیں۔ مثلاً رو سے رویا، کھا سے کھایا لے اور دے میں "الف" کے اضافے سے "ل" اور (د) کا تلفظ زیر سے کیا جاتا ہے۔ جیسے لیا، دیا۔

جا سے گیا۔ کر سے کیا۔ اور مر سے موا بے قاعدہ ہیں۔ لیکن موا اب نہیں بولتے اس کے بجائے مرا آتا ہے۔ موا صرف مرکبات میں صفت کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے اوہ موا، مولی مٹی۔

ماضی ناتمام یہ ظاہر کرتی ہے گذشتہ زمانے میں کام جاری تھا۔ جیسے وہ کھا رہا تھا، یا کھاتا تھا۔ آخری حالت سے بعض اوقات عادت ظاہر ہوتی ہے۔ جیسے جب کبھی وہ آتا تھا تو ان سے ملنے ضرور جاتا تھا۔ اس کے ظاہر کرنے کی دو اور صورتیں بھی ہیں جیسے کھایا کرتا تھا۔ کھاتا رہتا تھا۔ اس کے علاوہ ماضی ناتمام ایک اور طرح بھی ظاہر کی جاتی ہے مثلاً کہتا رہا، کھاتا رہا، کھلتا رہا۔ اکثر یہ صورت فعل کے متواتر جاری رہنے کو ظاہر کرتی ہے یا کسی ایسی حالت کو بتاتی ہے جب کہ وہ کام برابر ہو رہے ہوں مثلاً میں ہر چند منع کرتا رہا مگر وہ بکتا رہا۔ بارش ہوتی رہی اور وہ نہاتا رہا۔ سوائے ان صورتوں کے ماضی ناتمام کے ظاہر کرنے کی ایک اور صورت بھی ہے۔ جیسے پکارا کیا، بکا کیا، سُنا کیا۔ معناً اس کی حالت بھی گذشتہ صورت کی سی ہے۔

بعض اوقات آخری علامت حذف ہو جاتی ہے۔ جیسے، اس میں لڑائی کی کیا بات تھی، وہ اپنا کام کرتا تم اپنا کام کرتے۔ (یعنے کرتے رہتے) میری عادت تھی کہ پہلے کھانا کھاتا پھر پڑھنے جاتا (یعنے کھاتا تھا اور جاتا تھا) جب کبھی وہ آتے ہزاروں باتیں سناجاتے (آتے تھے اور سنا جاتے تھے۔

ماضی تمام (بعید) جس سے فعل کا زمانہ گذشتہ میں ختم ہو جانا پایا جاتا ہے حالیہ تمام کے بعد تھا، بڑھانے سے بنتی ہے۔ جیسے میں دلی گیا تھا۔ اس کی دوسری صورت ”چکا تھا“ بڑھانے سے بھی پیدا ہوتی ہے اس میں زیادہ زور ہوتا ہے اور اکثر اس وقت استعمال ہوتی ہے جبکہ اس سے پیشتر

ایک اور کام ہو چکا ہو جیسے وہ میرے پاس آنے سے پہلے نکل چکا تھا۔ میں جا کر کیا کرتا، اس کا کام پہلے ہی ہو چکا تھا۔

ماضی احتمالی (یا شکیہ) جس میں احتمال یا شک پایا جائے۔

حالیہ تمام کے بعد یا ہوگا بڑھانے سے بنتی ہے جیسے آیا ہو، لایا ہو آیا ہوگا، لایا ہوگا۔ آیا ہو میں احتمال کا پہلو زیادہ ہے اور آیا ہوگا میں کم جیسے وہ حاضر آیا ہوگا۔ ممکن ہے وہ آیا ہو۔

ماضی شرطیہ (یا تمنائی) جس میں شرط یا تمنا پائی جائے۔

مادۂ فعل کے بعد (تا) بڑھانے سے بنتی ہے جیسے آتا، جاتا، کرتا، اگر وہ آجاتا تو اچھا ہی ہوتا۔ بعض اوقات ماضی شرطیہ سے بھی احتمال کے معنے پیدا ہوتے ہیں۔ جیسے کیا آپ سمجھتے ہیں کہ وہ بن بلائے آجاتا۔ میرا خیال ہے کہ وہ آجاتا۔

دوسری صورت اس کی حالیہ تمام کے بعد ہوتا، بڑھانے سے بنتی ہے جیسے گرا ہوتا، کھایا ہوتا۔ پہلی صورت میں فعل کے وقوع سے تعلق نہیں بلکہ ایک فرضی صورت ہے۔ دوسری صورت میں شرط فعل کے وقوع کے ساتھ ہے۔ کبھی یہ زمانۂ گزشتہ میں محض وقوع فعل کو ظاہر کرتی ہے۔ شرط یا تمنا کا کوئی لگاؤ نہیں ہوتا۔ جیسے، تمہیں کیا وہ اپنا کام کرتا یا نہ کرتا۔ اول میں تمہارے پاس آتا پھر وہاں جاتا یہ کیوں کر ممکن تھا۔

فعل حال

فعل حال سے زمانۂ موجودہ کا اظہار ہوتا ہے۔

اس کی چھ قسمیں ہیں

۱۔ سب سے اول وہ سادہ اور قدیم حال مطلق ہے جس کی صورت سے

اب تک اس کی اصل ظاہر ہے، مگر موجودہ حالت میں وہ صاف صاف زمانۂ حال کو ظاہر نہیں کرتا بلکہ زمانہ حال کے ساتھ اس میں کئی قسم کے معانی کی جھلک پائی جاتی ہے۔ اردو قواعد نویسوں نے مضارع کے نام سے اسے ایک الگ فعل قرار دیا ہے اور ماضی، حال اور مستقبل تینوں میں سے کسی ایک زمانہ کے اندر ہو۔ بعض انگریز قواعد نویسوں نے اسے مستقبل کے تحت میں لکھا ہے، لیکن یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ درحقیقت یہ حال ہے اور اب بھی اس میں حال کے معنے پائے جاتے ہیں اس لئے ہم نے اسے حال ہی کے تحت میں رکھا ہے اگرچہ نام اس کا مضارع ہی مناسب ہوگا۔

مادۂ فعل کے آخر یائے مجہول بڑھانے سے مضارع بنتا ہے۔ جیسے "لا" سے "لائے"، جمع غائب میں لائیں، مخاطب میں لاؤ اور لائیں۔ متکلم میں لاؤں اور لائیں۔

مضارع کی جو موجودہ صورت ہے، یہی قدیم حال مطلق تھا۔ مثلاً: "جائے ہے"، کچھ عرصہ پہلے بطور حال مطلق کے استعمال ہوتا تھا۔ اور اب بھی کہیں کہیں بول چال میں استعمال ہوتا ہے۔ اسی سے موجودہ حال مطلق "جاتا ہے" بنا ہے۔ یعنی اس کے تغیرات کی صورت یہ ہوئی۔ جاوے، جاوے ہے۔ جائے ہے جاوت ہے، اور جات، ہے اور جاتا ہے۔ موجودہ فصیح حال مطلق ہے باقی صورتیں ملک کے مختلف حصوں میں مستعمل ہیں مگر فصیح نہیں سمجھی جاتیں لیکن موجودہ حال مطلق انہیں سے ترشش تر شنا کر بن گیا ہے۔ زبان میں افعال اور دیگر اجزائے کلام کے متعلق وقتاً فوقتاً تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ لیکن پھر بھی بعض قدیم صورتیں باقی رہ جاتی ہیں اور وہ خاص خاص حالتوں میں استعمال ہونے لگتی ہیں یہی حالت مضارع کی ہے۔ اصل ماہیت پر غور نہ کرنے سے

دھوکا ہو جاتا ہے۔

۲۔ امر یہ دوسری سادہ صورت حال کی ہے۔ امر کے معنی حکم کے ہیں یہ عموماً حکم اور التجا کے لئے آتا ہے۔ جیسے جاؤ، چلو، دور ہو، تشریف رکھیے اس فاعل اکثر محذوف ہوتا ہے۔ اس لئے کہ مخاطب سامنے موجود ہے۔ علامت مصدر گرا دینے کے بعد باقی امر رہ جاتا ہے۔ جیسے کھانے سے کھا، آنے سے آ۔ لیکن بہ نظر ادب و اخلاق واحد کے لئے جمع بولتے ہیں۔ جیسے دوسرے۔ افعال میں بھی ہوتا ہے۔ جمع مخاطب امر میں واحد کے بعد واؤ یائے بڑھا دیتے ہیں۔ کرئیے، بیٹھو، بیٹھئے۔ واحد سوائے بے تکلفی، بچوں یا نوکروں کو خطاب کرنے یا نظم میں خدا کو خطاب کرنے کے دوسرے مواقع پر استعمال نہیں ہوتا۔ آخری صورت صرف آپ کے ساتھ استعمال ہوتی ہے جیسے بیٹھئے آپ ابھی نہ جائیے

مخاطب کے لئے امر غائب جمع صیغہ تعظیماً استعمال کرتے ہیں جیسے آپ تشریف رکھیں، آپ وہاں نہ جائیں۔ کبھی اور زیادہ تعظیم کیلئے امر کے بعد ی، اور ہمزہ بڑھا دیتے ہیں۔ جیسے آئیے، کھائیے وغیرہ۔ یہ دونوں صورتیں آپ کے ساتھ استعمال ہوتی ہیں جب سادہ امر کے آخر میں ی، ہوتی ہے تو وہاں امر تعظیمی کیلئے قبل تی اور ہمزہ کے ج بڑھا دیتے ہیں کیونکہ تین یا "اور ہمزہ کے ایک جگہ جمع ہونے سے تلفظ میں بہت دقت ہوتی ہے۔ مثلاً لیجئے دیجئے دیجئے۔ چونکہ یا اور جا کا اکثر بدل ہوتا ہے اس لئے سہولت کے خیال سے ج کا استعمال ہوا ہے۔ اس صورت میں امر کے آخر کی یائے مجہول بھی معروف ہو جاتی ہے جیسے دینا اور لینا کی "سے "دیجئے لیجئے" میں، کیجئے کرسے نہیں بنا بلکہ کیا سے بنایا گیا ہے۔

کبھی اس تعظیمی صورت کے آخر میں مزید تعظیم کے لیے گا بھی بڑھا دیتے ہیں۔ جیسے آئیے گا، فرمائیے گا، کیجئے گا (یہ درحقیقت مستقبل کی صورت ہے)

کبھی امر مخاطب کی جمع علامت آخر واؤ کے پہلے ایک "ی" بڑھا دیتے ہیں جیسے رہو سے رہیو، بچو سے بچیو۔ یہ صورت تو اور تم کے ساتھ استعمال ہوتی ہے۔ آپ کے ساتھ نہیں آتی۔ جیسے یہاں آئیو۔ عموماً یہ صورت دعا کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ خدا تم کو زندہ سلامت رکھیو۔ صد و بست سال کی عمر ہوجیو۔ مشرکوں پر لعنت ہوجیو۔ اب یہ صورت بہت کم استعمال ہوتی ہے۔

کبھی لیجئے اور دیجئے (بغیر) ہی مخاطب کے لیے استعمال ہوتے ہیں جیسے۔

آتا ہو تو ہاتھ سے نہ دیجے

جاتا ہو تو اس کا غم نہ کیجے

لیکن اب اس کا استعمال نہیں ہوتا۔

۳۔ حال مطلق جس سے زمانہ حال عام طور پر بلا کسی تخصیص کے ظاہر ہوتا ہے۔ کہاتا ہے یہ ناتمام کے آگے واحد غائب میں اور واحد مخاطب میں "ہے"، جمع مخاطب میں "ہو"، اور واحد متکلم میں "ہوں" بڑھانے سے بنتا ہے۔ جمع غائب اور جمع متکلم کی ایک صورت ہے۔ وہ آتے ہیں، ہم آتے ہیں۔ آئے ہے۔ جائے ہے اب متروک سمجھا جاتا ہے اگرچہ بول چال میں اب بھی کہیں کہیں مستعمل ہے۔

۴۔ حال ناتمام، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کام جاری ہے اور ابھی ختم نہیں ہوا ہے جیسے وہ آرہا ہے وہ کھا رہا ہے، میں پڑھ رہا ہوں۔

مادہ فعل کے آگے رہا ہے، رہے ہیں، رہا ہوں، بڑھانے سے بنتا ہے۔

حال ناتمام ایک دوسری طرح سے بھی ظاہر کیا جاتا ہے۔ جیسے مثا
جاتا ہے۔ ایک کو ایک کھائے جاتا ہے۔ اس میں کسی قدر زیادہ زور اور
کا پے در پے یا متواتر ہونا پایا جاتا ہے۔

۵۔ حال تمام جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کام ابھی ابھی ختم ہو ہے
جیسے وہ آیا ہے۔ پیغام لایا ہے۔ حالیہ تمام کے بعد ہے، ہا ہوں،
بڑھانے سے بنتا ہے۔

کبھی مادہ فعل کے بعد چکا ہے، چکا ہوں، چکے ہو بڑھانے سے
حال تمام ظاہر ہوتا ہے۔ جیسے وہ کھا چکا ہے میں کھا چکا ہوں۔ اس صورت
میں مزید تاکید اختتام فعل کی پائی جاتی ہے۔

۶۔ حال احتمالی جس سے زمانۂ حال میں کسی فعل میں احتمال پایا جاتا ہے
جیسے وہ آتا ہو یا وہ آرہا ہو۔ آتا ہو سے ظاہر ہوتا ہے کہ کام قریب زمانے
میں واقع ہوا ہوگا اگرچہ احتمال ہے اور آرہا ہو سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آنے کا فعل
جاری ہے یعنی ظن غالب ہے کہ وہ چل دیا ہے۔ یہ حالت رفتار میں ہے اور
آنے کی امید ہے۔ یہی معنی آتا ہوگا اور آرہا ہوگا سے بھی پیدا ہوتے ہیں اور دونوں
جائز ہیں۔

(بعض اوقات "گا" کے اضافے سے ماضی احتمالی کے معنی بھی ظاہر
ہوتے ہیں جیسے آیا ہوگا، لایا ہوگا، کرتا ہوگا سے عادت پائی جاتی ہے۔ مثلاً
ہم کسی سے سوال کریں کہ تم نے کبھی اسے ایسا کرتے دیکھا۔ وہ جواب میں کہے
میں نہیں جانتا کرتا ہوگا)

فعل مستقبل

۱۔ مستقبل مطلق جس سے محض زمانۂ آئندہ پایا جائے۔

مضارع کے بعد گا (یا گے یا گی) بڑھا دینے سے بنتا ہے جیسے کھائے گا، مگر مصدر ہونا سے ہوگا مستثنیٰ ہے۔ پرانی اردو میں ہوئے گا استعمال تھا مگر اب متروک ہے۔ ہے گا، اب بھی بول چال میں مستعمل ہے اور جینی (ہے) کے معنوں میں آتا ہے۔ مگر غیر فصیح ہے۔ اسی طرح ہوگا بعض اوقات حال کے معنی دیتا ہے جیسے تجھ سے بڑھ کر بھی کوئی بیوقوف ہوگا۔ (یعنی ہے)

۲۔ مستقبل استمراری جس میں آئندہ زمانے میں کام کا جاری رہنا پایا جائے جیسے کرتا رہے گا، چلتا رہے گا۔

جو شور سے میر روتا رہے گا
تو ہمسایہ کاہے کو سوتا رہے گا

حالیہ ناتمام کے بعد رہے گا، بڑھانے سے بن جاتا ہے۔ مگر "جاتا رہے گا" مستقبل مطلق ہے۔ جیسے اس کا کام جاتا رہے گا۔ یعنے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ یا بگڑ جائے گا۔ اس کا مصدر "جاتا رہنا" "ضائع ہونا) مصدر مرکب ہے۔

"رہے گا" سے ایک قسم کا استغنا بھی ظاہر ہوتا ہے جیسے آپ جائیے۔ وہ آتا رہے گا

کبھی ماضی بھی مستقبل کے معنی دیتا ہے جیسے اگر وہ آگیا تو ضرور جاؤں گا۔ وہ آیا اور میں چلا (یہاں دونوں ماضیاں مستقبل کے معنی میں ہیں)

کبھی حال بھی مستقبل کے معنی دیتا ہے۔ جیسے میں کل صبح جاتا ہوں، اگرچہ زیادہ فصیح نہیں ہے) مصدر کے بعد "والا" کا لفظ بھی استقبال کے معنی دیتا ہے اور مصدر ہونا کے حال کے ساتھ اکثر استعمال ہوتا ہے جیسے میں کتاب

لکھنے والا ہوں، وہ اب جانے والا ہے۔ اس سے قریب کا آئندہ زمانہ ظاہر ہوتا ہے۔

بعض اوقات علامت مستقبل گر جاتی ہے جیسے ایسا کبھی ہوا اور نہ ہو (یعنی نہ ہوگا)

"گا" علامت مستقبل جدید تراشس ہے، پراکرت اور قدیم ہندی میں اس کا کہیں پتہ نہیں، قدیم ہندی میں زمانۂ مستقبل کو مضارع کے ذریعہ سے ظاہر کرتے تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ یہ طریقہ ناکافی سمجھا گیا اور زیادہ تر امتیاز کے لئے مستقبل کے۔ لئے ایک الگ علامت قائم کی گئی۔

"گا" دراصل سنسکرت کے مصدر گم (بمعنی جانا) کے حالیہ تمام مجہول گتہ اور پراکرت گتو سے ماخوذ ہے۔ ہندی میں بھی مصدر جانا کا ماضی گیا ہے زمانۂ وسطیٰ کے شعرا نے گیا کا اختصار "گا" کر دیا۔ جو مذکر میں استعمال ہوا اور "گاتی" اس کی تانیث ہوئی جو بعد میں "گی" رہ گئی۔

مصدر کے بعد کا، کے، کی، لانے سے بھی مستقبل مطلق کے معنی پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن یہ ہمیشہ نفی کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور تاکیدی معنی دیتا ہے۔ جیسے وہ نہیں آنے کا، میں نہیں جانے کا۔

فعل کی گردان

فعل کی گردان میں تین باتوں کا لحاظ ہوتا ہے جنس، تعداد اور حالت

جنس و تعداد

جنس کے معنی تذکیر و تانیث، تعداد کے معنی واحد اور جمع کے ہیں۔

اردو میں فعل مذکر و مونث کی صورت میں فرق ہوتا ہے۔ واحد مذکر غائب میں الف اور مونث میں یائے معروف جیسے آیا اور آئی، تھا اور تھی آتا

اور آتی، ہوگا اور ہوگی۔ جمع مذکر غائب میں یائے مجہول، مونث میں اس کے آگے حرف ں بڑھا دیتے ہیں۔ جیسے آ، آئے، اور آئیں۔ جن افعال میں اصل فعل کے بعد کوئی دوسرا فعل یا علامت لگائی جاتی ہے ان کی گردان میں ذرا اختلاف ہے۔ مثلاً ماضی بعید (تمام) و فعل حال مطلق و تمام میں بحالت مذکر اصل اور علامت دونوں کو بدلنا پڑے گا۔ جیسے آئے تھے۔ آیا ہے، آئے ہیں، آتا ہے، آتے ہیں۔ تو آتا ہے، تم آتے ہو، مگر بحالت مؤنث حرف امدادی فعل کو بدلنا پڑے۔ جیسے آئی تھی، آئی تھیں، آئی ہے، آئی ہیں، آتی ہیں، تو آتی ہے، تم آتی ہو۔

مگر فعل مستقبل میں یہ حالت مذکر ہو تو یہی صورت قائم رہے گی، یعنی اصل اور علامت دونوں بدل جائیں گی۔ لیکن مونث کی صورت میں اصل فعل تو حسب معمول بدل جائے گا۔ لیکن علامت مونث ایک ہی رہے گی جیسے آئے گی، آئیں گی، آئے گی، آؤ گی وغیرہ۔

حال امر یہ ہی مؤنث اور مذکر کی کوئی تمیز نہیں جیسے چل اور چلو مذکر و مونث دونوں کے لئے یکساں استعمال ہوتا ہے۔ تمام افعال کے جمع متکلم میں تذکیر و تانیث کے صیغے یکساں آتے ہیں۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے بالمشافہ باتیں کرنے میں تذکیر و تانیث کا امتیاز فضول ہے لیکن جہاں عورتوں وغیرہ کا لفظ یا اور کوئی قرینہ موجود ہو تو فرق کر دیا جاتا ہے جیسے ہم سب عورتیں جائیں گی۔ ہم سب سہیلیاں یا بہنیں جائیں گی۔

حالت

فعل کی تین حالتیں ہیں:- غائب، واحد، اور متکلم اور ان میں سے ہر ایک کی بہ لحاظ تعداد دو حالتیں ہیں اس لئے کل چھ ہوئیں اور پھر یہ

بہ لحاظ جنس کے ان چھ کی دو دو حالتیں ہیں۔ اس لئے ہر فعل کی
بارہ حالتیں ہوئیں، ان میں سے ہر ایک کو صیغہ کہتے ہیں۔

گردان افعال

ماضی

۱۔ ماضی مطلق

	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ لایا	وہ لائے	تو لایا	تم لائے	میں لایا	ہم لائے
مونث	وہ لائی	وہ لائیں	تو لائی	تم لائیں	میں لائی	ہم لائیں

۲۔ ماضی تمام (بعید)

	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ لایا تھا	وہ لائے تھے	تو لایا تھا	تم لائے تھے	میں لایا تھا	ہم لائے تھے
مونث	وہ لائی تھی	وہ لائی تھیں	تو لائی تھی	تم لائیں تھیں	میں لائی تھی	ہم لائیں تھیں

۳۔ ماضی ناتمام

	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ لاتا تھا یا لایا کرتا تھا	وہ لاتے تھے یا لایا کرتے تھے	تو لاتا تھا یا لایا کرتا تھا	تم لاتے تھے یا لایا کرتے تھے	میں لاتا تھا یا لایا کرتا تھا	ہم لاتے تھے یا لایا کرتے تھے
مؤنث	وہ لاتی تھی یا لایا کرتی تھی	وہ لاتیں تھیں یا لایا کرتیں تھیں	تو لاتی تھی یا لایا کرتی تھی	تم لاتی تھیں یا لایا کرتی تھیں	میں لاتی تھی یا لایا کرتی تھی	ایضاً

۴۔ ماضی احتمالی

	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ لایا ہو لایا ہو گا	وہ لائے ہوں لائے ہوں گے	تو لایا ہو لایا ہو گا	تم لائے ہو لائے ہوں گے	میں لایا ہوں لایا ہوں گا	ہم لائے ہوں لائے ہوں گے
مؤنث	وہ لائی ہو لائی ہو گی	وہ لائی ہوں لائی ہوں گی	تو لائی ہو لائی ہو گی	تم لائی ہو لائیں ہوں گی	میں لائی ہوں لائی ہوں گی	ایضاً

۵۔ ماضی شرطیہ

	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ گرتا گرا ہوتا	وہ گرتے گرے ہوتے	تو گرتا گرا ہوتا	تم گرتے گرے ہوتے	میں گرتا گرا ہوتا	ہم گرتے گرے ہوتے
مؤنث	وہ گرتی وہ گری ہوتی	وہ گرتیں وہ گری ہوتیں	تو گرتی تو گری ہوتی	تم گرتیں تم گری ہوتیں	میں گرتی میں گری ہوتی	ایضاً

فعل حال

۱۔ حال قدیم یا مضارع

	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ لائے[۱]	وہ لائیں	تو لائے	تم لاؤ	میں لاؤں	ہم لائیں
مؤنث	ایضاً	ایضاً	ایضاً	ایضاً	ایضاً	ایضاً

۱؎ ماضی مطلق جمع غائب اور مضارع واحد غائب کی صورت یکساں ہے ان میں تمیز کرنا ضروری ہے خصوصاً جبکہ ضمیر غائب واحد اور جمع میں ایک ہی ہے۔

۲- حال مطلق

	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ لاتا ہے	وہ لاتے ہیں	تو لاتا ہے	تم لاتے ہو	میں لاتا ہوں	ہم لاتے ہیں
مؤنث	وہ لاتی ہے	وہ لاتیں ہیں	تو لاتی ہے	تم لاتی ہو	میں لاتی ہوں	ایضاً

۳- حال ناتمام

	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ لا رہا ہے	وہ لا رہے ہیں	تو لا رہا ہے	تم لا رہے ہو	میں لا رہا ہوں	ہم لا رہے ہیں
مؤنث	وہ لا رہی ہے	وہ لا رہی ہیں	تو لا رہی ہے	تم لا رہی ہو	میں لا رہی ہو	ایضاً

۴- حال تمام

	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ لایا ہے	وہ لائے ہیں	تو لایا ہے	تم لائے ہو	میں لایا ہوں	ہم لائے ہیں
مؤنث	وہ لائی ہے	وہ لائی ہیں	تو لائی ہے	تم لائی ہو	میں لائی ہوں	ایضاً

۵- حال احتمالی

	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ آتا ہو آتا ہو گا یا آرہا ہو گا	وہ آتے ہوں آتے ہوں گے یا آرہے ہونگے	تو آتا ہو آتا ہو گا یا آرہا ہو گا	تم آتے ہو تم آتے ہوگے یا آرہے ہوگے	میں آتا ہوں آتا ہوں گا یا آرہا ہوں گا	ہم آتے ہوں آتے ہونگے یا آرہے ہونگے
مؤنث	وہ آتی ہو آتی ہو گی یا آرہی ہو گی	وہ آتی ہوں آتی ہوں گی یا آرہی ہوں گی	تو آتی ہو آتی ہو گی یا آرہی ہو گی	تم آتی ہو آتی ہو گی یا آرہی ہو گی	میں آتی ہوں آتی ہونگی یا آرہی ہونگی	ایضاً

۶۔ امر

	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ لائے	وہ لائیں	تو لا	تم لاؤ	میں لاؤں	ہم لائیں
مؤنث	ایضاً	ایضاً	ایضاً	ایضاً	ایضاً	ایضاً

فعل مستقبل

۱۔ مستقبل مطلق

	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ لائے گا	وہ لائیں گے	تو لائے گا	تم لاؤ گے	میں لاؤں گا	ہم لائیں گے
مؤنث	وہ لائے گی	وہ لائیں گی	تو لائے گی	تم لاؤ گی	میں لاؤں گی	ایضاً

امر دوامی و مستقبل دوامی

رہنا اور اس کے مشتقات بعض دوسرے الفاظ کے ساتھ بطور امدادی فعل کے آتے ہیں۔ اس سے فعل میں دوام کے معنی پیدا ہو جاتے ہیں جیسے جیتا رہ امر دوامی ہے۔ کھاتا رہے گا، مستقبل دوامی ہے۔ آ رہا تھا، جا رہا ہے، ان سب میں یہی معنی پائے جاتے ہیں۔

طورِ مجہول

اسے مجہول اس لئے کہتے ہیں کہ فعل کا فاعل معلوم نہیں ہوتا۔
طورِ مجہول عموماً اور اکثر افعال متعدی کا ہوتا ہے۔
جس فعل متعدی کا مجہول بنانا ہو اس فعل کی ماضی مطلق کے آگے مصدر جانا سے جو زمانہ بنانا منظور ہو وہی زمانہ بنا کر لگا دیا جائے۔ مثلاً کھانا سے حال مطلق مجہول بنانا منظور ہے تو کھانا کے ماضی مطلق کے آگے جانا کا حال مطلق لگا دیا جائے تو وہ ہوگا "کھایا جاتا ہے" اسی طرح کھایا جائے گا۔
(مستقبل) کھایا گیا (ماضی مطلق) کھایا جاتا تھا (ماضی ناتمام) کھلایا جائے (امر غائب یا مضارع)
وہ افعال جو طبعی طور پر مجہول واقع ہوتے ہیں۔ مثلاً۔ پٹنا، لٹنا، پلنا، کھلنا، بٹنا (تقسیم ہونا) چھدنا، بچنا، کٹنا، سلنا۔ کھلنا، جیسے وہ پٹا، اب یہاں بظاہر وہ فاعل معلوم ہوتا ہے۔ لیکن درحقیقت یہ نہیں ہے، پیٹنے والا کوئی اور ہی ہے۔ "وہ" صرف قائم مقام فاعل ہے۔ اصل میں یوں تھا "وہ پیٹا گیا"۔

نہ لٹتا دن کو تو کب رات کو یوں بے خبر سوتا
رہا کھٹکا نہ چوری کا دعا دیتا ہوں رہزن کو

اس شعر میں نہ لٹنا کے معنی ہیں نہ لوٹا جاتا۔ اسی طرح آٹا تُلا۔ ظاہر ہے کہ آٹا خود بخود تلتا نہیں، تولنے والا کوئی اور ہے۔ اس لئے آٹا فاعل کیسے

ہو سکتا ہے۔ در اصل تھا "آ ناتو لا گیا" اسی طرح کپڑے سلے، روپے بٹے، گھوڑا لدا، کان چھدا، دروازہ کھلا، لکڑی کٹی وغیرہ وغیرہ۔

بعض اوقات فعل لازم کے ساتھ بھی طور مجہول استعمال ہوتا ہے جیسے مجھ سے وہاں جاکر آیا نہ گیا۔ مجھ سے اتنی دور نہیں چلا جاتا۔ مجھ سے آیا نہیں جاتا۔ لیکن یہ صورت ہمیشہ نفی کے ساتھ آتی ہے۔ اور اس کے معنی بھی خاص ہیں یعنی یہ ہمیشہ اس وقت استعمال ہوتا ہے جب کہ فاعل یا قائل کو کسی فعل کا کرنا منظور نہیں یا وہ اس کے کرنے سے معذور ہے۔ انہیں معنوں میں یہ طور مجہول افعال متعدی کے ساتھ بھی آتا ہے جیسے مجھ سے کھانا کھایا نہ گیا۔

گل میں اس کی سی جو بو آئی تو آیا نہ گیا
ہم کو بن دوش ہوا باغ میں لایا نہ گیا (میر)

یہاں گیا کے معنی "سکنے" کے ہیں، اگرچہ صورت مجہول کی ہے۔ لیکن بعض اوقات جانا بطور فعل امدادی کے دوسرے افعال کے ساتھ آتا ہے مثلاً کھا جانا، ڈر جانا، اٹھ جانا۔ لہذا ان افعال میں اور طور مجہول میں فرق کرنا چاہیئے۔ اس کا امتیاز بہ آسانی اسی طرح ہو سکتا ہے کہ اگر فعل کے ساتھ صورت فاعلی استعمال ہو سکتی ہے تو وہ طور معروف ہے اور اگر نہیں ہو سکتی تو وہ طور مجہول ہے۔

طور مجہول میں جو جانا استعمال ہوتا ہے وہ پراکرت کے طور مجہول سے ماخوذ ہے۔ پراکرت میں طور مجہول کے بنانے کے لئے (اجا) مادہ فعل کے آگے بڑھا دیتے ہیں۔ (سنسکرت میں علامت مجہول یا ہے) مارواڑی میں اب تک پراکرت کی اصل کا پتہ لگتا ہے۔ مارواڑی میں طور مجہول کے لئے "اجو"

استعمال ہوتا ہے۔ جیسے کرا جنو یعنی گیا جانا۔ مرورِ زمانہ اور نیز اصل پر نظر نہ رہنے سے غالباً اجا کا جا، جانا کا جا سمجھا گیا۔ اور رفتہ رفتہ طور مجہول کے لئے جانا استعمال ہونے لگا۔

افعال کی نفی

۱۔ افعال کے شروع میں نہ یا نہیں لگانے سے فعل منفی ہو جاتا ہے مثلاً وہ اب تک نہیں آیا۔ تم کل کیوں نہیں آئے۔ اسے کچھ نہ ملا۔

بعض اوقات نہیں بعد میں آتا ہے جیسے میں تمام دن انتظار کرتا رہا مگر وہ آیا ہی نہیں سہ صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں۔ وہ بیٹھا تو نہیں۔ یہ اکثر تخصیص کے موقع پر ہوتا ہے۔ لیکن نظم میں پابندی نہیں۔

۲۔ نہ اور نہیں کے استعمال میں فرق ہے۔ ماضی شرطیہ اور مضارع کے ساتھ "نہیں" استعمال نہیں کرتے بلکہ "نہ" استعمال ہوتا ہے۔ اگر وہ نہ آتا تو خوب ہوتا، اگر وہ نہ آئے تو میں کیا کروں۔ تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا۔

نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

جملہ شرطیہ کے دوسرے حصے میں بھی جسے جزا کہتے ہیں "نہیں" نہیں آتا۔ اگر آتا تو اچھا نہ ہوتا۔ بعض اوقات اس کے استعمال میں غلطی ہو جاتی ہے مثلاً

سہ ہم خدا تجھ کو سمجھتے گر خودی ہوتی نہیں

یہاں اگر بجائے نہیں کے نہ ہوتا تو بہتر اور فصیح تر ہوتا!

ماضی مطلق میں یہ شرط کے ساتھ بھی اکثر نہیں استعمال نہیں

کرتے۔ جیسے اگر وہ نہ آیا تو کیا ہوگا۔

وہ نہ آیا تو تمہی چل رنگیں!
اس میں کیا تیری شان جاتی ہے

۳۔ حال امریہ کی نفی نہ اور مت دونوں سے آتی ہے۔ جیسے نہ کر مت کر، مت میں مزید تاکید پائی جاتی ہے۔

۴۔ ماضی مطلق میں اکثر اور عموماً "نہیں" آتا ہے۔ لیکن بعض اوقات "نہ" ہی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے

نہ ہوا پر نہ ہوا میرؔ کا انداز نصیب
ذوقؔ یاروں نے بہت زور غزل میں مارا

اسی طرح ماضی تمام و ناتمام و احتمالی کے ساتھ بھی "نہیں" آتا ہے لیکن جب ماضی احتمالی کی آخری علامت "تھا" محذوف ہو تو ہمیشہ "نہ" استعمال ہوگا۔ جیسے ممکن ہے کہ وہ نہ سمجھا ہو اور یوں ہی چلا گیا ہو۔

۵۔ فعل مستقبل کی نفی مثل دوسرے افعال کے آتی ہے۔ کبھی مصدر کے بعد کا، کی، کے، لگا دینے سے مستقبل کے معنی پیدا ہوتے ہیں مگر یہ صورت ہمیشہ نفی کے ساتھ آتی ہے اور اس سے تاکید مخصوص ہوتی ہے جیسے میں نہیں آنے کا۔ ہم نہیں آنے کے، وہ نہیں آنے کی۔ ایسی صورت میں نفی کے لئے ہمیشہ "نہیں" آتا ہے۔

۶۔ نفی حال مطلق میں آخری علامت ہے یا ہیں حذف ہو جاتی ہے جیسے میں نہیں آتا، وہ نہیں آتا، اس سے نہیں کہا جاتا۔

کوئی صورت نظر نہیں آتی   کوئی امید بر نہیں آتی

لیکن جب کسی جملے کے دونوں میں حرف نفی لانا مقصود ہو تو "نہ"

لکھنا چاہیئے۔ اس وقت آخر کا فعل امدادی (یعنے ہے یا نہیں) نہیں گرتا جیسے نہ خود آتا ہے نہ دوسروں کو آنے دیتا ہے۔ حال تمام کے ساتھ بھی "نہیں" استعمال ہوتا ہے اور آخر سے فعل امدادی و ہے، یا ہیں گر جاتا ہے۔ جیسے وہ اب تک نہیں آیا۔ (آیا ہے[1])

۷۔ ایسے افعال کو جو کسی اسم یا صفت اور فعل سے مرکب ہوں ان کی نفی دو طرح ہوتی ہے یا تو حرف نفی اسم یا صفت کے اول ہوتا ہے یا فعل کے اوّل جیسے میں یہ کتاب نہیں پسند کرتا۔ اور میں یہ کتاب پسند نہیں کرتا میں ان باتوں سے نہیں خوش ہوتا اور میں ان باتوں سے خوش نہیں ہوتا۔ ہماری رائے میں فعل کے ساتھ حرف نفی لا بہتر ہے۔

۸۔ بعض افعال کے آخر میں حرف نفی کبھی زائد بھی آتا ہے، مگر اس میں ایک قسم کی تاکید اثباتی پائی جاتی ہے۔ جیسے آؤ نہ وہاں چلیں۔ آخر گر گیا نہ،

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب
آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہ طور کی !

"نہ" کے ساتھ "ہی" کا استعمال غیر فصیح ہے، جیسے، وہ آیا نہ ہی تم آئے۔

افعال تعدیہ

سوائے ایک آدھ کے باقی تمام افعال لازم متعدی بن سکتے ہیں اور متعدی سے متعدی المتعدی، جیسے ہنسنا سے ہنسانا، چلنا سے چلانا، یہ لازم سے متعدی ہوئے۔ دینا سے دلانا، کھانا سے کھلانا متعدی سے متعدی المتعدی

[1] اس فعل امدادی (ہے) کے گر جانے کی وجہ یہ ہے کہ نہیں میں خود یہ فعل (ہے) موجود ہے کیونکہ نہیں مرکب ہے نہ اور ہیں سے جو قدیم حال ہے اور اسلئے (ہے) کی ضرورت نہیں۔

اس کے علاوہ ایک قسم متعدی بہ دو واسطہ کی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ فعل کے وقوع کے لئے دو واسطوں کی ضرورت ہے جیسے کھانا متعدی کھلانا متعدی بہ یک واسطہ ہے اور متعدی المتعدی کھلوانا متعدی بہ دو واسطہ یعنی یہ متعدی بہ دو مفعول ہیں۔ لیکن فرق یہ ہے کہ "کھلایا" میں ایک فاعل اور دو مفعول ہیں جیسے میں نے اسے کھانا کھلایا اور میں نے اسے کھانا کھلوایا" میں فاعل میں ہے۔ لیکن کھلانے والا کوئی دوسرا ہے۔ اس لئے دو واسطے ہو گئے۔

۱۔ اول افعال لازم سے متعدی، متعدی سے المتعدی بنانے کے قاعدے لکھے جاتے ہیں۔

ا۔ عام قاعدہ فعل لازم متعدی اور متعدی المتعدی بنانے کا یہ ہے فعل کے آگے (ا بڑھا دیا جائے) جیسے چلنا سے چلانا، ملنا سے ملانا، اٹھنا سے اٹھانا۔

لیکن اگر ایسے افعال کا دوسرا حرف متحرک ہو تو متعدی بنانے کی حالت میں ساکن ہو جائے گا۔ جیسے پگھلنا سے پگھلانا۔ پکڑنا سے پکڑانا۔ سمجھنا سے سمجھانا۔

ب۔ کبھی مادۂ فعل کے آخر حرف سے قبل "ا" بڑھا دیا جاتا ہے جیسے نکلنا سے نکالنا، اترنا سے اتارنا۔ ابھرنا سے ابھارنا۔ بگڑنا سے بگاڑنا،

ج۔ کبھی پہلے حروف کی حرکت اس کے موافق حرف علت سے بدلنے سے یعنی زبر کو الف سے جیسے مرنا سے مارنا۔ تپنا سے تاپنا، ٹلنا سے ٹالنا، تھمنا سے تھامنا۔ کٹنا سے کاٹنا زیر کو (ی) سے جیسے چرنا سے چیرنا، پھرنا سے پھیرنا، گھرنا سے گھیرنا، پسنا سے پیسنا، گھسٹنا سے گھسیٹنا، کھنچنا سے کھینچنا۔ بنٹرنا

نبیڑنا۔ پیش کو واؤ سے جیسے مڑنا سے موڑنا، جڑنا سے جوڑنا۔ کھلنا سے کھولنا، لٹنا سے لوٹنا، گھلنا سے گھولنا۔ ان مصادر میں بعض اوقات "ٹ"، "ڑ" سے بدل جاتی ہے جیسے ٹوٹنا سے توڑنا۔ چھوٹنا سے چھوڑنا، پھٹنا سے پھاڑنا، چھوٹنا سے چھوڑنا۔

ھ۔ کبھی مصادر چار حرفی ہیں جب کہ حرف دوم حرف علت ہو تو اس حرف علت کو ساقط کر کے اوّل کو اس کے موافق حرکت دیتے ہیں۔ اور اس کے آگے "ا"، یا بجائے اُ کے "لا"، بڑھا دیتے ہیں جیسے رونا سے رُلانا، پینا سے پلانا، سونا سے سلانا، دھونے سے دھلانا، جینا سے جلانا۔ جننا سے جنانا، کھانا سے کھلانا (اس میں خلاف قاعدہ پہلے حرف کو زیر دیا گیا ہے)، جاگنا سے جگانا، بیٹھنا سے بٹھانا (یا بٹھلانا جو فصیح نہیں) ڈوبنا سے پہلے ڈوبانا آتا تھا۔ لیکن اب وہ غیر فصیح سمجھا جاتا ہے، آج کل ڈبونا کہتے ہیں۔ اسی طرح بھیگنا سے بھگونا آتا ہے۔

اگر مصدر پانچ حرفی ہے اور دوسرا حرف، حرف علت ہے تو حرف علت حذف کر کے پہلے حرف کو اس کے موافق حرکت دے کر اس کے آگے الف بڑھا دیتے ہیں۔ جیسے، توڑنا سے تڑانا، تیرنا سے ترانا جاگنا سے جگانا۔ بھاگنا سے بھگانا۔

۲۔ متعدی المتعدی کے بنانے کے یہ قاعدے ہیں۔

ا۔ کبھی علامت مصدر کے اول الف بڑھا دینے سے جیسے کرنا سے کرانا۔

ب۔ کبھی وا بڑھانے سے دوسرا حرف، حرف علت ہو تو گر جاتا ہے اور اس کے بجائے اس کے موافق حرکت آجاتی ہے جیسے، تولنا سے تلوانا اٹھانا سے اٹھوانا، دبنا سے دبلوانا، جھاڑنا سے جھڑوانا۔ تیسرا اور چوتھا حرف

علت بھی گر جاتا ہے۔ جیسے نچوڑنا سے نچڑوانا، بکنا سے بکوانا۔ آتا ہے، کیونکہ مصدر لازم اس کا بکنا تھا۔ اس سے متعدی بیچنا ہوا، اور متعدی المتعدی بکوانا متعدی المتعدی اکثر صورت اول کی طرح عمود کرتا ہے۔

۳۔ بیٹھنا سے بٹھانا اور بٹھلانا، دیکھنا سے دکھانا اور دکھلانا، سیکھنا سے سکھانا اور سکھلانا، سوکھنا سے سکھوانا اور سکھانا دو دو آتے ہیں لیکن بٹھلانا، سکھلانا، دکھانا۔ سکھلانا، فصیح نہیں سمجھے جاتے۔ یہی حال بتلانا کا ہے۔

لوٹنا لازم ہے، توڑنا اور تڑانا دونوں اس کے متعدی ہیں۔ توڑنا عام طور پر ہر ایک چیز کے توڑنے کو کہیں گے۔ لیکن تڑانا صرف اسی وقت استعمال کریں گے جب کوئی جانور رسی توڑ کر بھاگ جائے۔ جیسے بیل رسی تڑا کر بھاگ گیا۔

اسی طرح گھلنا کے دو متعدی ہیں ایک گھولنا دوسرا گھلانا۔ گھولنا جیسے دوا یا نمک اور اسی قسم کی اشیاء کے متعلق کہیں گے جو پانی وغیرہ میں گھل سکیں۔ لیکن گھلانا اکثر مجازاً استعمال ہوتا ہے جیسے غم نے اسے گھلا دیا طور لازم گھلنے میں بھی یہ معنی پائے جاتے ہیں، لیکن گھولنا جو متعدی ہے اس میں یہ معنی نہیں ہیں، البتہ دوسرے متعدی گھلانے میں یہ معنے ہیں۔

اسی طرح بھولنا اور بھلانا دونوں متعدی بہ یک مفعول ہیں۔ مگر معنوں میں فرق ہے۔ جیسے، وہ مجھے بھول گیا۔ یعنی درازی مدت یا کسی اور وجہ سے اس نے مجھے بھلا دیا۔ یعنی جان بوجھ کر وہ لکھا پڑھا سب بھول گیا۔ اس نے لکھا پڑھا سب بھلا دیا۔ پہلے فقرے میں ایسی وجوہ ہیں جو اختیاری نہیں ہیں دوسرے میں ارادہ یا ایسی وجوہ پائی جاتی ہیں جو ایک حد تک اختیاری تھیں۔

۵۔ کبھی امدادی افعال کے لانے سے متعدی بنتا ہے۔ جیسے وہ اسے لے ڈوبا۔ وہ اسے لے بھاگا۔ وہ مجھ پر آ پڑا۔ ڈوبنا، بھاگنا اور پڑنا افعال لازم ہیں مگر افعال امدادی کے آنے سے متعدی ہو گئے۔

۶۔ سنسکرت میں علامت تعدیہ (ایا) تھی، پراکرت (اے) ہو گئی۔ یہ "اے" بعض اوقات مادۂ فعل کے آگے بڑھا دی جاتی تھی۔ لیکن سنسکرت میں زیادہ تر "پ" بعض ایسے مادوں کے ساتھ آتی تھی جن کے آخر میں حروف علت ہوتے تھے۔ پراکرت میں اس "پ" کے قبل کا اضافہ کیا گیا۔ تھوڑے ہی عرصہ بعد پ کا بدل (ب) اور (و) سے ہو گیا یعنی اپے سے ابے، ابے سے اوبے ہوا اور یہ ہندی میں "وا" اور "آ" رہ گیا مثلاً سنسکرت میں کری سے کاریا پراکرت میں کارے اور بعد ازاں کرادے ربجائے "کراپے، ابوج میں کراوا، ہندی میں کرا۔ بعض ہندی مصادر مثلاً کھونا اور ڈبونا اور گرونا میں جو واؤ آگیا وہ درحقیقت (اوا) کا بگاڑ ہے۔

ایک سوال یہ ہے کہ بعض افعال کے تعدیہ میں "ل" کہاں آیا۔ مثلاً پینا سے پلانا۔ بعض کا خیال ہے کہ صرف کانوں کو اچھا معلوم ہونے کی وجہ سے (ل) بڑھا دیا گیا۔ مگر یہ ٹھیک معلوم نہیں ہوتا۔

ایک توجیہہ یہ کی گئی ہے کہ سنسکرت میں "پا" کے معنی محفوظ رکھنے کے ہیں۔ متعدی بنانے کے لئے حسن صورت کے خیال سے بجائے "پ" کے "ل" کا اضافہ کیا گیا جس سے "پالیا" (ہندی پالنا) غالباً پراکرت کی یہ صورت، بہ کثرت استعمال ہونے لگی اور یہی "ل" کی اصل بتائی جاتی ہے۔

مرکب افعال

مرکب افعال دو طرح بنتے ہیں۔

۱۔ دوسرے افعال کی مدد سے جنہیں افعال امدادی کہتے ہیں۔
۲۔ افعال کو اسماء یا صفات کے ساتھ ترتیب دینے سے۔

امدادی فعل

ہندی اردو، افعال موجودہ حالت میں ان ترکیبی پیچیدگیوں سے آزاد ہو گئے ہیں جو سنسکرت میں پائی جاتی ہیں۔ بلکہ اب ہندی فعل نے ترکیبی طرز چھوڑ کر تفصیلی طریقہ اختیار کیا ہے۔ یعنی بجائے خود فعل کے اندرونی تغیر سے نئے معنی پیدا کرنے کے دوسرے افعال کی مدد سے وہ معنی پیدا کیے جاتے ہیں اصل فعل کے ساتھ بعض دوسرے فعل یا ان کے اجزا کے آجانے سے اصل فعل کے معنوں میں تھوڑا بہت تغیر ہو جاتا ہے۔ یا تو اصلی معنوں میں زیادہ قوت پیدا ہو جاتی ہے یا کلام میں کوئی حسن اور خوبی آجاتی ہے۔ یہ طریقہ زیادہ آسان اور ترقی یافتہ ہے اور اس سے اسے کچھ نقصان نہیں پہنچا بلکہ امدادی افعال کی مدد سے بے شمار لطیف اور نازک معنی پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور اردو زبان میں امدادی افعال نے بڑی وسعت اور نزاکت پیدا کر دی ہے۔ اکثر اوقات امدادی افعال سے معنی میں جو فرق پیدا ہو جاتا ہے وہ بہت نازک اور پر لطف ہوتا ہے۔ یہ ذکر زیادہ تر نحو سے متعلق ہے۔ لیکن چونکہ فعل کا بیان یہاں مفصل آچکا ہے۔ لہٰذا موقع کے لحاظ سے یہ بھی لکھا جاتا ہے۔

سب سے زیادہ کار آمد اور کثیر الاستعمال امدادی فعل ہو (سنسکرت

ہو) ہے۔ اس سے اکثر افعال بنتے ہیں۔ مثلاً ماضی ناتمام، تمام، احتمالی فعل حال کے مختلف اقسام اور مستقبل اسی کی بنیاد سے بنتے ہیں۔

ہونا، کی مدد سے جو فعل بنتے ہیں اگرچہ ان کا ذکر فعل کے بیان میں ہو چکا ہے لیکن بعض خاص صورتوں کا بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

۱۔ مثلاً آیا ہوتا یا سنا یا ہوتا وغیرہ۔ اگر وہ آیا ہوتا تو مجھے ضرور اطلاع ہوتی یہ شرطیہ صورت کے ساتھ زمانہ ماضی کے لئے آتا ہے۔

ماضی شرطیہ یہ ہے، اگر وہ آتا تو مجھے ضرور اطلاع ہوتی۔ اس میں اور اس میں کچھ یوں ہی سا فرق ہے۔ البتہ پہلی صورت میں زیادہ زور پایا جاتا ہے۔

ب۔ کیا ہو، سنا ہو وغیرہ۔ جیسے کہیں تم نے کبھی اس کا نام سنا ہے۔ دوسرا شخص اس کے جواب میں کہے ممکن ہے سُنا ہو (مگر اس وقت یاد نہیں) یا کہیں سنا ہوگا۔

پہلی صورت احتمالی خفیف ہے، دوسری میں قوی۔ یا مثلاً، ممکن ہے اس نے ایسا کیا ہو۔ اور غالباً اس نے ایسا کیا ہوگا۔

ج۔ آتا ہوتا، کرتا ہوتا وغیرہ جیسے اگر وہ ایسا کرتا ہوتا تو اب تک نہ بچتا (یعنی وہ ایسا نہیں کرتا تھا) اگر پڑھتا ہوتا تو آج بڑے عہدے پر ہوتا، یہ صورت بھی شرطیہ ہے اور عادت کو ظاہر کرتی ہے۔

۲۔ بعض امدادی افعال تکمیل فعل میں تقید اور زور ظاہر کرتے ہیں مثلاً دینا، لینا، جانا، ڈالنا، پڑنا، رہنا۔

۱۔ دینا سوا چل دینا کے اکثر طور متعدی کے ساتھ آتا ہے۔ جیسے، سمجھا دینا، بتا دینا، نکال دینا، ہٹا دینا، بعض صورتوں میں اس میں جبر کی جھلک بھی پائی جاتی ہے۔ جیسے، میں نے اسے گھر سے نکال دیا۔ اٹھا کے

پھینک دیا، ٹپک دیا وغیرہ۔
ب ۔ لینا، اس میں تکمیل فعل کے ساتھ فاعل کی قربت، فائدہ یا جانبداری ظاہر ہوتی ہے جیسے، بلا لینا (یعنی اپنے پاس بلانا) رکھ لینا (اپنے پاس رکھ لینا)، اسی طرح سن لینا، لے لینا، بچا لینا، دکھا لینا، (دوسرے کو اپنے فائدے کے لئے) وغیرہ وغیرہ۔ یہ طور لازم و متعدی دونوں کے ساتھ آتا ہے۔
امدادی افعال دینا اور لینا میں فرق یہ ہے کہ لینا میں اپنا فائدہ یا قرب ظاہر ہوتا ہے اور دینا میں بخلاف اس کے دوسرے کا فائدہ یا قربت نکلتی ہے۔ گویا ایک دوسرے کے برعکس ہیں۔ معانی میں یہ فرق مثال ذیل سے بخوبی عیاں ہے۔

۱۔ میں نے اسے سمجھا لیا ہے۔

۲۔ میں نے اسے سمجھا دیا ہے۔

پہلے جملے سے ظاہر ہے کہ میں نے معاملہ اسے اس طرح سمجھا دیا ہے جس میں میرا فائدہ ہے۔ دوسرے جملے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسے جو کچھ سمجھایا گیا ہے وہ اسی کے فائدے کے لئے ہے۔ یا عام الفاظ میں یوں کہنا چاہیئے کہ لینا میں فاعل کو اپنی غرض ملحوظ ہوتی ہے مگر دینا میں ذاتی غرض سے کچھ تعلق نہیں ہوتا۔ جیسے میں نے کتاب میز پر رکھ دی اور میں نے کتاب جیب میں رکھ لی۔ اسی طرح بٹھا دینا اور بٹھا لینا (یعنی اپنے پاس) مگر ایسے افعال جیسے پی لینا، کھا لینا میں صرف فعل کی تکمیل ظاہر ہوتی ہے۔
ج ۔ جانا بکثرت افعال کے ساتھ استعمال ہوتا ہے اور زیادہ تر طور لازم کے ساتھ جیسے ٹوٹ جانا، بکھر جانا بگڑ جانا چلے جانا وغیرہ وغیرہ۔ اس سے صرف تکمیل فعل ظاہر ہوتی ہے اور بعض وقت یہ بھی نہیں بلکہ سادہ فعل کی بجائے عموماً جانا

مرکب کر کے بولتے اور لکھتے ہیں جیسے مل جانا، ہو جانا، ٹوٹ جانا، جانا ہے بعض بہت ہی لطیف محاورے بن گئے ہیں۔ مثلاً پانا سادہ فعل ہے لیکن پا جانے کی معنی ہی دوسرے ہیں یعنی تاڑنا۔ اسی طرح کھونا ہے کھو نے جانا وغیرہ۔

د۔ آنا اور جانا میں وہی نسبت ہے جو لینا اور دینا میں ہے۔ آنا بطور امدادی فعل کے بہت کم استعمال ہوتا ہے اور وہ بھی زیادہ افعال ابتدائی لازم کے ساتھ جیسے بن آنا اور بنا آنا۔ اکثر یہ افعال کے ساتھ اگر تکمیل فعل کے معنی دیتا ہے اور ساتھ ہی ظاہر کرتا ہے کہ فاعل کسی کام کو انجام دے کر واپس آگیا جیسے میں اسے دیکھ آیا ہوں، ہو آیا ہوں۔ ان معنوں میں وہ لازم اور متعدی دونوں کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ مگر بعض اوقات تکمیل فعل کے زور کا اظہار کرتا ہے جیسے ابھر آنا، اگ نا وغیرہ

ہ۔ ڈالنا اس میں تکمیل فعل کسی قدر زیادہ زور کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے نیز اس میں جبر کی شان بھی پائی جاتی ہے۔ جیسے مار ڈالنا، مسل ڈالنا، کاٹ ڈالنا، بگاڑ ڈالنا، چیر ڈالنا، ادھیڑ ڈالنا وغیرہ۔

و۔ رہنا، جیسے بیٹھ رہنا، سو رہنا، اٹک رہنا۔ جیسے وہاں جا کے بیٹھ رہا اس سے فعل کا ایک حالت پر قائم رہنا پایا جاتا ہے۔ مگر جاتے رہنا کے معنی تلف ہو جانے اور ضائع ہونے کے ہیں۔

ز۔ پڑنا۔ جیسے دکھائی پڑنا، اس میں محض تکمیل فعل ہے۔ بعض افعال کے ساتھ جیسے ٹوٹ پڑنا، لڑ پڑنا وغیرہ میں ایک قسم کی حالت کو ہوتا ہے دوسرے معنی اس کے دوسری جگہ بیان کیے جائیں گے۔

ح۔ بیٹھنا۔ اس میں جبر اور زور پایا جاتا ہے جیسے سینے پر چڑھ بیٹھنا لڑ بیٹھنا، دبا بیٹھنا۔

اس کے علاوہ وقت تسلیم و رضا کے معنے دیتا ہے۔ جیسے ہم تو اپنی قسمت کو رو بیٹھے، وہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا۔

۳۔ چکنا۔ اختتام فعل کو کامل طور پر ظاہر کرتا ہے جیسے کام ہو چکا۔ کام کر چکا میں خط لکھ چکا۔ وہ کھا چکا۔ ان تمام جملوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کام ختم ہو گیا ہے۔

۴۔ بعض افعال سے امکانی حالت اور قابلیت یا اجازت ظاہر ہوتی ہے۔

الف۔ سکنا۔ جیسے میں کر سکتا ہوں۔ وہ نہیں دیکھ سکتا۔ اس سے قابلیت فعل کی ظاہر ہوتی ہے۔

وہ نہیں بول سکتا۔ وہ نہیں جا سکتا۔ میں نہیں جا سکوں گا۔ (امکانی صورت ہے) اجازت کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسے وہ نہیں آ سکتا، کیا میں آ سکتا ہوں؟ سکنا کبھی تنہا استعمال نہیں ہوتا، ہمیشہ کسی دوسرے فعل کے ساتھ بطور فعل امدادی کے آتا ہے۔

ب۔ دینا سے بعض اوقات اجازت کے معنی نکلتے ہیں، جیسے اسے آنے دو، اسے کس نے جانے دیا۔

ج۔ کبھی کبھی، پانا بھی سکنے اور اجازت کے معنوں میں آتا ہے مگر ہمیشہ مصدر کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ جیسے وہاں کوئی نہیں جانے پاتا (یعنی کسی کو جانے کی اجازت نہیں ہے) کیا مجال کہ آدمی ٹھہرنے پائے (ٹھہر سکے)

اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے
آج اس سے کوئی ملنے نہ پایا (نہ مل سکا)

کسی کو اس شہ خوباں تلک جانا نہیں ملتا
مگر خلوت میں اس کے ایک میں ہی جانے پاتا ہوں

یہاں ملنے کے معنی بھی سکنے کے آتے ہیں ۔ یہ بھی ہمیشہ مصدر کے ساتھ استعمال ہوتا ہے ۔

د ۔ جانا بھی سکنے کے معنی دیتا ہے ۔ جیسے مجھ سے چلا نہیں جاتا اس سے کھانا کھایا نہیں جاتا ۔

ہ ۔ بعض امدادی افعال سے جاری ہونے یا فاعل کی عادت کا اظہار ہوتا ہے ۔ جیسے،

الف ۔ کرنا ۔ وہ آیا کرتا تھا ۔ کہا کرتا تھا، آیا کرو ۔ اسی طرح رو یا کیا سنوارا کیا ۔

ب ۔ رہنا ۔ جیسے وہ بولتا رہا ۔ کہتا رہا ۔ سوتا رہا ۔ وہ کھیلتا رہتا ہے ۔ سوتا رہتا ہے ۔ وہ کیا کھا رہا ہے ۔ کھاتا رہ، کھاتا رہے گا ۔

ج ۔ جانا بھی کبھی ان معنوں میں آتا ہے جیسے، ہزار منع کرو مگر وہ اپنی ہی کہے جاتا ہے، بکے جاتا ہے، ایک کو ایک کھائے جاتا ہے ۔

نا امیدی مٹائے جاتی ہے
شوق نقشہ جمائے جاتا ہے

خاص یہ صورت عموماً فعل حال ہی کے ساتھ استعمال ہوتی ہے ۔ ماضی میں استعمال دوسری طرح ہوتا ہے وہ پڑھتا جاتا تھا اور میں لکھتا جاتا تھا ۔ یہی صورت حال میں بھی ہے ۔ جیسے پانی بہتا جاتا ہے ۔ اس سے فعل کا آہستہ آہستہ جاری ہونا پایا جاتا ہے ۔

۶ ۔ بعض امدادی افعال کسی کام کے دفعتاً ہو جانے یا کرنے کے

معنوں کا اظہار کرتے ہیں۔

۱۔ بیٹھنا۔ جیسے، کہہ بیٹھا، کر بیٹھا، پوچھ بیٹھا، وہ ایسے کام اکثر بے سوچے سمجھے کر بیٹھتا ہے۔ اس میں فعل کے یکایک ہو جانے یا بے سوچے سمجھے کرنے کے معنے پیدا ہوتے ہیں۔

ب۔ اٹھنا بھی انہیں معنوں میں آتا ہے۔ جیسے بول اٹھا، بلبلا اٹھا، پھڑک اٹھا، جھلا اٹھا۔

ج۔ پڑنا۔ جیسے لڑ پڑنا۔ بن پڑنا، الجھ پڑنا، برس پڑنا۔

د۔ نکلنا۔ جیسے بہ نکلا۔ چل نکلا، پھوٹ نکلا۔ یعنی حالت سکون سے دفعتاً حرکت میں آجانے کے معنی دیتا ہے۔ ان معنوں میں نکلنا بہت کم استعمال ہوتا ہے اور شاید زیادہ تر انہیں تین مصدروں کے ساتھ آتا ہے۔

ہ۔ فعل کے شروع میں، آ، یا، جا، بھی انہیں معنوں میں آتے ہیں۔ جیسے آپڑنا، آنکلنا، آملنا، جا پڑنا۔

۷۔ لگنا۔ کام کے آغاز کو بتاتا ہے۔ جیسے۔ کہنے لگا، کھانے لگا، منہ سے پھول جھڑنے لگے۔ وہ کھانے لگا ہے۔ جیسے وہ بیان کرنے لگتا ہے تو دو دو گھنٹے دم نہیں لیتا۔

۸۔ پڑا۔ (ماضی مطلق) کسی دوسرے فعل کے شروع میں آنے سے فعل میں زور اور کثرت کے معنی پیدا کرتا ہے اور عموماً ایسے افعال کے ساتھ آتا ہے جن میں کام کا جاری رہنا پایا جائے۔ جیسے منہ سے پڑے پھول جھڑ رہے ہیں۔ پڑا مارا پھرتا ہے۔ پڑا روتا پھرتا ہے۔ باغوں کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں۔

۹۔ چاہنا۔ ایک تو فاعل کی خواہش ظاہر کرتا ہے۔ دوسرے یہ بتاتا ہے

کہ کام قریب زمانۂ آئندہ میں ہونے والا ہے مگر اصل فعل ہمیشہ ماضی کی صورت میں رہتا ہے۔ جیسے وہ بولا چاہتا ہے۔ دیکھئے کیا ہوا چاہتا ہے۔ یہ حالت صرف فعل حال میں استعمال ہوتی ہے۔

دل اس بت پہ شیدا ہوا چاہتا ہے
یہ کعبہ کلیسا ہوا چاہتا ہے

خواہش ظاہر کرنے کے لئے اصل فعل صورت مصدریہ کے ساتھ ساتھ استعمال ہوتا ہے جیسے اس نے بولنا چاہا، وہ بولنا چاہتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

یہی معنی مصدر کے الف کو یائے مجہول سے بدلنے اور اس کے بعد (کو) اور (ہونا) کے افعال ماضی وحال بڑھانے سے پیدا ہوتے ہیں جیسے کہنے کو ہے، کہنے کو تھا، جانے کو ہے، جانے کو تھا۔ وغیرہ۔ یعنی ابھی جانا چاہتا ہے یا جانے والا ہے، جانا چاہتا تھا یا جانے والا تھا۔

۱۰۔ چاہتا سے چاہیئے بطور امدادی فعل کے مستعمل ہے۔ یہ اخلاقی امر یا فرض منصبی کے جتانے کے لئے آتا ہے۔ اور ہمیشہ مصدر کے بعد استعمال ہوتا ہے۔ جیسے انہیں وہاں جانا چاہیئے۔ تم کو وقت پر حاضر ہونا چاہیئے انسان کو سب کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا چاہیئے۔

۱۱۔ (لے) فعل کے شروع میں آنے سے اپنے ساتھ کسی دوسرے شخص یا شے کو لے جانے یا مبتلا کرنے کے معنوں میں آتا ہے۔ جیسے لے بھاگنا لے اڑنا، لے ڈوبنا، لے مرنا وغیرہ۔

۱۲۔ اسی طرح "دے" بھی فعل کے شروع میں بطور امدادی فعل کے آتا ہے۔ جیسے دے مارنا۔ دے پٹکنا۔ یہ محض کلام میں زور پیدا کرنے

کے لئے آتا ہے۔

۱۳۔ رہا اور چھوڑا جب حالیہ کے بعد آتے ہیں تو اس کے معنی ہوتے ہیں کہ باوجود مشکلات کے پوری سعی کے ساتھ کام کو انجام دیا جو منشا تھا اسے کسی نہ کسی طرح پورا کر دیا۔ جیسے کر کے رہا۔ مکان بنا کے چھوڑا۔

۱۴۔ رکھنا۔ بطور امدادی فعل کے کئی طرح استعمال ہوتا ہے۔

(۱) کسی کی مرضی کے خلاف دوستی، محبت یا جبر یا کسی دوسرے اثر سے کام لینا جیسے اس نے مجھے صبح سے بٹھا رکھا ہے۔ اللہ جانے نہیں دیتا اس نے میرا مال دبا رکھا ہے۔

(۲) سکھا پڑھا کر پہلے سے تیار کر لینا۔ جیسے اس نے خوب سمجھا رکھا ہے میں نے اسے پہلے سے کہہ رکھا ہے یا تیار کر رکھا ہے۔

(۳) محض تاکید کے لئے۔ جیسے، سن رکھو، دیکھ رکھو۔

(۴) محاورے میں۔ جیسے، میں نے یہ کام اگلے سال کے لئے اٹھا رکھا ہے۔

(۵) کبھی فعل میں تکرار ہوتی ہے، یعنی دوسرا فعل اسی کا مترادف یا اس کا ہم آواز ساتھ آتا ہے اور معنوں میں زور پیدا کرتا ہے۔ جیسے دیکھ بھال کر، سوچ ساچ کر، میں شام کو ہارا تھکا گھر پہنچا، وہ مُردوں کے گاڑنے داہنے میں مصروف رہے۔ میں پاس کے مالا تیار کر دیا۔ دُھل دُھلا کر خاصا سفید ہو گیا۔ گرتے پڑتے گھر پہنچ گیا۔ اسی طرح چلنا پھرنا، سینا پرونا، کھانا پینا، رونا دھونا وغیرہ۔

۲۔ اسماء و صفات کی ترکیب سے۔

۱۔ ہندی اسم یا صفت کے سادہ مصادر کا آنا جیسے پوجا کرنا، نام

دھرنا، برا کہنا۔ اچھا کہنا، دم لینا، دم دینا، دم مارنا، دم توڑنا، مار کھانا رکھوالی کرنا، ادھار دینا، ڈینگ مارنا، چھلانگ مارنا۔ دھوکا کھانا۔ جاڑہ لگنا تاک لگانا، پتہ لگانا، ہل چلانا، رستہ دیکھنا وغیرہ وغیرہ بکثرت اور بے شمار مستعمل ہیں۔ اس قسم کے مرکب افعال میں زیادہ تر یہ امدادی افعال آتے ہیں۔ ہونا، کرنا، کھانا، دینا، لینا، پڑنا، مارنا، آنا، ڈالنا، دھرنا، پکڑنا، بھرنا، لگنا، لگانا، رکھنا۔ ان کے علاوہ اور بہت سے فعل بطور امداد کے آتے ہیں جن کی تفصیل لغت سے تعلق رکھتی ہے۔

۲۔ فارسی اسم کے ساتھ ہندی مصدر کا آنا جیسے دل دینا، باز آنا، باز رکھنا، دلاسا دینا، پیش آنا، بر لانا وغیرہ۔

۳۔ عربی اسم کے ساتھ جیسے شروع کرنا، یقین کرنا، یقین لانا، علاج کرنا، جمع ہونا وغیرہ۔

۴۔ فارسی یا عربی صفت کے ساتھ جیسے قوی کرنا۔ روشن کرنا۔ مشہور کرنا، ضعیف ہونا وغیرہ۔

۵۔ بعض اوقات ہندی اسما یا صفات میں کسی قدر تغیر کر کے نا علامت لگا دیتے ہیں اور مصدر بنا لیتے ہیں۔ جیسے پانی سے پنیانا، جوتی سے جتیانا ساٹھ سے سٹھیانا۔ کمی سے کمیانا۔ پتھر سے پتھرانا، ٹھوکر سے ٹھکرانا، چکر سے چکرانا، لالچ سے للچانا۔ کچے سے کچیانا۔ لنگڑے سے لنگڑانا، بھن بھن سے (جو مکھیوں کی آواز ہے) بھنبھنانا، ٹھن ٹھن سے ٹھنٹھنانا، بڑبڑ سے بڑبڑانا، مِن مِن سے منمنانا وغیرہ۔

۶۔ بعض مصدر اُردو میں ایسے ہیں کہ عربی یا فارسی افعال یا اسما کے آگے ہندی مصدر کی علامت نا لگا کر اردو بنا لیا گیا ہے۔

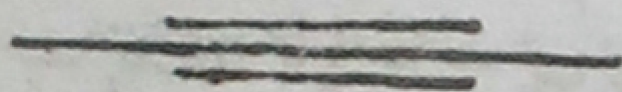
مثلاً فارسی کے افعال سے فرمانا، بخشنا، آزمانا، نوازنا، فارسی اسم گرم سے گرمانا، نرم سے نرمانا، داغ سے داغنا۔ خرید سے خریدنا۔ اسی طرح کے لفظ بدل سے بدلنا، بخش سے بخشنا، قبول سے قبولنا دفن سے دفنانا، کفن سے کفنانا۔

اس طور سے مصدر بنانے کا رواج کم ہوتا جارہا ہے حالاں کہ اس سے زبان میں بڑی وسعت ہوسکتی ہے۔

۷۔ بعض اوقات علامت مصدر حذف ہو جاتی ہے مگر یہ اس وقت ہوتا ہے جب کہ دوسرا مصدر ساتھ ہو۔ جیسے بنا جانتا، بنا آنا وغیرہ۔

ایک ہم ہیں کہ دیا اپنی بھی صورت کو بگاڑ
ایک وہ ہیں جنہیں تصویر بنا آتی ہے

۸۔ بعض اوقات حالیہ معطوفہ بھی اسی صورت سے آتا ہے۔ اس میں اور مرکب فعل میں فرق کرنا چاہئے۔ مثلاً میں وہاں ہو آیا ہوں۔ میں اسے دیکھ آیا ہوں۔



۵۔ تمیز یا متعلق فعل

تمیز فعل یا صفت کی کیفیت بیان کرتی ہے اور اس کے آنے سے فعل یا صفت کے معنوں میں تھوڑی بہت کمی بیشی واقع ہو جاتی ہے چند تمیزی الفاظ ایسے ہیں جو ہندی ضمائر سے بنتے ہیں اور چوں کہ وہ سب سے سادہ ہیں لہٰذا ان کا ذکر اول کیا جائے گا اور ان کے ساتھ اسی قسم کے دوسرے الفاظ بیان کئے جائیں گے جو اسما سے بنے ہیں۔

۱۔ زماں یا وقت کے لئے۔ اب۔ جب۔ تب۔ کب۔

یہ سب الفاظ سنسکرت سے ماخوذ ہیں۔ مثلاً جب اور تب سنسکرت کے الفاظ یا وستا اور تاوت سے بنے ہیں، جو پراکرت میں جاوا اور تاوا ہوئے اور اُن سے ہندی کے جب اور تب بنے۔ یہی حال اب اور کب کا ہے۔

ان کے علاوہ دوسرے ہندی الفاظ جو تمیز زماں کا کام دیتے ہیں یہ ہیں آگے، پیچھے، پہلے، آج، کل، پرسوں، ترسوں، تڑکے ترت، نت، سدا، سویرے، پھر۔

فارسی الفاظ ان معنوں میں یہ مستعمل ہیں۔

ہمیشہ، جلد، جلدی، یکایک، اچانک، ناگاہ، ناگہاں، لبعد ازاں شب وروز۔

۲۔ مکان، یا جگہ کے لئے۔ یہاں، وہاں، جہاں، تہاں، کہاں، یہ الفاظ بھی سنسکرت سے ماخوذ ہیں۔ ہاں یاآں جو سنسکرت کے لفظ متھان

مخفف ہیں اور جس کے معنی جگہ کے ہیں، ضمیری مادے کے میل سے یہاں اور وہاں بن گئے، کہاں کا کاف سنسکرت کے لفظ کت سے ہے جس کا بگاڑ گدھے جواب بھی قصبات و دیہات میں مستعمل ہے اور اسی سے مرہٹی میں آکاوے بنا ہے۔

اس کے علاوہ ہندی میں تمیز مکان کے لئے یہ الفاظ آتے ہیں۔
آگے، پیچھے، پرے، پاس، اوپر، نیچے، بھیتر، باہر، اندر

۳۔ سمت، ادھر اُدھر، جدھر، تدھر، (ہندی) کدھر

۴۔ طور طریقہ، یوں، جوں، کیوں، کیونکر، کیسے (بمعنے کیوں)

یہ الفاظ سنسکرت کے لفظ ایوم پراکرت ایودم سے نکلتے ہیں جن کی صورت بعد میں ایوں سام ہوئی اور ہندی میں "یو"

علاوہ ان کے دوسرے الفاظ یہ ہیں ٹھیک، اچانک، دھیرے ہولے لگاتار، برابر، تابڑتوڑ، سچ مچ، جھوٹ موٹ، تھوڑا، بہت، جھٹ جھٹ پٹ،

فارسی، عربی کے الفاظ ذرا، تخمیناً، تقریباً، خصوصاً، زیادہ، بالکل، مطلق، بعینہٖ، بجنسہٖ، ہرچند، سوا، جیسے، یعنی من وعن، باہم، فوراً، دفعتاً، ناگہاں ناگاہ، یکایک، فی الفور، القصہ، الغرض، فی الجملہ وغیرہ۔

۵۔ تعداد کے لئے ایک بار، دوبار، وغیرہ اکثر ایک ایک، دو دو وغیرہ وغیرہ، اتنا، جتنا، کتنا۔

۶۔ ایجاب و انکار۔ ہاں جی، جی ہاں، نہیں، نو۔

شاید، غالباً، یقیناً، بیشک، بلاشبہ، ہرگز، زنہار، بارے البتہ، فی الحقیقت، درحقیقت۔

۷ - سبب و علت، اس لئے، اس طرح، چنانچہ، کیوں کہ، لہذا۔

۸ - مرکب تمیز۔ کبھی تمیز مرکب ہوتی ہے۔ یعنی دو مل کر ایک تمیز کا کام دیتی ہیں۔ جیسے کب تک، جب کبھی، جہاں کہیں، جہاں جہاں، کہیں نہ کہیں کبھی نہ کبھی، ادھر ادھر، اندر باہر، بعض اوقات تکرار کے ساتھ آتی ہیں جیسے جب جب کہیں کہیں۔

۹ - بعض اوقات، ایک ایک دو دو لفظ مل کر بطور جزو جملہ کے تمیز کا کام دیتے ہیں جیسے رفتہ رفتہ، خوشی خوشی، ایک ایک کر کے، روز روز، آئے دن، گھڑی گھڑی، ہو نہ ہو، دھوم دھام، دونوں وقت ملتے، آس پاس اطراف و جوانب، جم جسم، نت نت، کیوں نہیں، الگ الگ، صبح و شام چوری چھپے، آہستہ آہستہ، جوں توں، جوں کا توں۔

عربی کے جزو جملے۔ کما حقہ، حتی الامکان، کما ینبغی، من و عن حتی المقدور حاصل کلام، طوعاً کرہاً، آخر الامر وغیرہ۔

۱۰ - کبھی تمیز یا اسم کے بعد تک، ہیں، وغیرہ آنے سے تمیز بن جاتی ہے۔ جیسے کب تک، بھولے سے، پھرتی سے، اتنے ہیں۔ فارسی کی (ب) فارسی الفاظ کے ساتھ آنے سے یہ کام دیتی ہے۔ جیسے بخوشی، بخوبی، بدل و جان۔

۱۱ - بعض اسم "دار" کے ساتھ مل کر یہ معنی دیتے ہیں۔ جیسے تفصیل وار ہفتہ وار، ماہوار، نمبر دار وغیرہ

۱۲ - بعض الفاظ صفات ابھی تمیز کا کام دیتے ہیں۔ مثلاً خوب ٹھیک بجا درست۔ جیسے خوب کہا۔ بجا فرمایا۔ ٹھیک کہتے ہو درست فرماتے ہیں۔

ہزار اور لاکھ، کثرت کے معنوں میں تمیز کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے میں نے لاکھ سمجھایا کچھ اثر نہ ہوا۔ ہزار سر مارا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ لاکھ طوطے کو پڑھایا پر وہ حیوان ہی رہا۔

۱۳۔ کبھی اسمائے عام بھی تمیز کے معنوں میں آتے ہیں۔ جیسے انگلوں بڑھتا ہے بانسوں اچھلتا ہے، گھٹنیوں چلتا ہے، بھوکوں مرتا ہے۔ جھوٹوں بھی نہ پوچھا۔ یہ سب الفاظ جمع میں استعمال ہوتے ہیں۔

۱۴۔ بعض اوقات حالیہ معطوفہ بھی تمیز کا کام دیتے ہیں۔ جیسے کھل کھلا کر ہنسنا بلبلا کر رونا۔

حروف

حروف وہ غیر مستقل الفاظ ہیں جو تنہا بولنے یا لکھنے میں کوئی خاص معنی پیدا نہیں کرتے جب تک کسی دوسرے جملے میں یا دوسرے الفاظ کے ساتھ استعمال نہ ہوں جیسے کو، تک، جب وغیرہ۔

اردو میں ان کی چار قسمیں ہیں۔

۱۔ ربط

۲۔ عطف

۳۔ تخصیص

۴۔ فجائیہ

(ا) ربط

حروف ربط وہ ہیں جو ایک لفظ کا علاقہ کسی دوسرے لفظ سے ظاہر کرتے ہیں۔

(۱) کا، کے، کی۔

(۲) نے

(۳) کو، تئیں، سے، میں، تک، پر۔

یہ حرف ربط سادہ قسم کے ہیں جو عموماً اسم یا ضمیر یا تمیز کے ساتھ آتے ہیں اور ان کی حالت کا پتہ دیتے ہیں مثلاً نمبر (۱) حالت اضافی کے لئے۔ نمبر (۲) حالت فاعلی کے لئے۔ نمبر (۳) حالت مفعولی، یا طوری کے لئے آتے ہیں۔

اگرچہ بظاہر یہ حروف بہت سادہ معلوم ہوتے ہیں لیکن جب ان کی اصل پر نظر ڈالی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ سنسکرت میں مستقل الفاظ تھے لیکن زمانے کے تغیرات سے رفتہ رفتہ ایسے ہو گئے کہ وہ اب محض ایک سادہ علامت کا کام دیتے ہیں۔ مثلاً کنے، جو پرانی اردو میں پاس کے معنوں میں استعمال ہوتا تھا، اصل میں کرن یا کرنے سے ہے جس کے معنی کان کے ہیں چوں کہ کان قریب کا عضو ہے اس لئے یہ معنی ہو گئے۔ یہی حال دوسرے حروف کا ہے (کا) مذکر واحد (کے) جمع مذکر (کی) واحد جمع، مؤنث اسما و ضمائر دونوں کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں۔

یہ لفظ کرتا کی خرابی ہیں جو سنسکرت کے فعل کری کا مفعول ہے پراکرت میں کرتا کے ساتھ مفعولی علامت کا اضافہ کیا گیا، بعد ازاں ت نکل گئی اور ری کا ی ر سے بدل گیا اور لفظ کی صورت کیرا ہو گئی۔ پراکرت میں یہ لفظ اضافی حالت کے ساتھ استعمال ہوتا تھا، رفتہ رفتہ اضافت تو مٹ گئی اور یہ اس کی جگہ قائم ہو گیا۔ اسی لفظ سے بعد میں کیرو، کیرا، کر، کے نکلے جو قدیم ہندی میں حالت اضافی کے لئے استعمال ہوتے تھے اور انھیں کی مختلف صورتیں برج اور ہندی کے، کون، کو اور کا ہیں۔ اور جب ان کے شروع سے ک نکل گیا، تو باقی را، اور اس کی دوسری صورتیں، ری، رے، پیدا ہو گئیں جو ضمیر ذاتی میں صرف متکلم کے ساتھ استعمال ہوتی ہیں۔

نے، صرف فاعل کے ساتھ استعمال ہوتا ہے اور وہ بھی افعال متعدی میں سنسکرت کا مفعول، لگیا، پراکرت میں، لگیو، ہوا، وہاں سے ہندی لگے، لے، لنے، بنے۔ گجراتی اور پنجابی میں (لنے) مفعول اور فاعل دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے، لیکن چونکہ ہندی میں مفعول کی علامت، کو، موجود ہے

لہذا (نے) حرف فاعل کے لئے مخصوص ہو گیا۔
گو بعض کا خیال ہے کہ یہ بھی کرتا سے اسی طرح نکلا ہے جیسے کا، لیکن زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ سنسکرت کے حروف کا کشے سے بنا ہے۔ کا کشے، کا کشا سے نکلا ہے جس کے معنی بغل کے ہیں اسی سے پنجابی کچھ بمعنی بغل ہے اور بنگالی کا چھے بھی ادر سے بنا ہے، جس کے معنی اس زبان میں نزدیک کے ہیں کیوں کہ بغل سب سے قریب ہے، اس لئے اس کے یہ معنی ہو گئے۔ قدیم ہندی میں کا کھ اور کھم ہوا، کا کہم سے معمولی تغیر و تبدل کے بعد کا ہاں کہاں، کہاؤں، کاون اور کو بنا۔
تے سنسکرت کے لفظ سانگے سے ہے جس کے معنی معیت کے ہیں
بیں سنسکرت کے لفظ مدھیا سے بنا ہے۔ مدھیا کی مختلف صورتیں رفتہ رفتہ مدھیا، مدھی، مہی، ماہی، اور ماہ ہوئیں۔ ان میں دھا، ہا اور یا سے بدلا اور بعد میں ای ہوئی اور پھر ای بھی غائب ہو گئی۔
ماہنجھ (جس کے معنی درمیان کے ہیں) بھی اسی سے ہے۔ اس کے بعد کی صورتیں ماہیں، مہان، میں، موں ہیں۔ غرض میں آخر میں ماہیا سے بنا ہے۔
پر، سنسکرت کے اُپری سے ہے۔
تک، سنسکرت میں ایک لفظ ترتیا ہے جس کی اصل تری ہے اور جو سنسکرت میں انہیں معنوں میں آتا ہے جیسے اردو میں تک۔ تری کے ساتھ (کو) اضافہ کیا گیا تو تریکو ہوا۔ و، اڑ گئی تو تک رہ گیا۔
تلک کی بھی یہی اصل ہے۔ تریکوں میں و، ل سے بدل گئی (ر اور ل کا بدل، عام طور پر ہوتا ہے) تو تلیکو بنا اور تلیکو سے تلک بن گیا، ہندی

اور پرانی اردو، آج کل کے دیہات میں بھی لگ کمعنی تک کے آتا ہے چوں کہ لگ کے معنی قریب پہنچنے کے ہیں اور تک اور تلک حد کو بتاتا ہے کہ اسے چھو سکتے ہیں۔ اسی لئے لگ ان معنوں میں استعمال ہونے لگا۔

تئیں بھی غالباً سنسکرت کے لفظ ترنیا سے بنا ہے۔

ان کے علاوہ اور بہت سے الفاظ ہیں جو حروف ربط کا کام دیتے ہیں، مثلاً پاس، تلے، پیچھے، آگے، بیچ، سمیت، اوپر، نیچے، باہر، لئے ساتھ، سنگ، سامنے، مارے، لیکن یہ تمام الفاظ بجز "سمیت" کے اضافی حالت کے ساتھ آتے ہیں، جیسے اس کے پاس۔ صندوق کے نیچے، دھوپ کے مارے سر دکھنے لگا۔ گھر بچوں سمیت۔

اسی طرح بہت سے فارسی اور عربی کے الفاظ بھی حروف ربط کا کام دیتے ہیں، جیسے بغیر، اندر، نزدیک، باعث، واسطے، سبب سوا، طرح، نسبت، بجا، موجب، بیش، پس، قبل، گرد، درمیان، یہ الفاظ بھی اضافی حالت کے ساتھ آتے ہیں۔

ہندی کے بعض حروف ربط دو دو مل کر آتے ہیں اور ایک حرف کا کام دیتے ہیں۔ جیسے وہ چھت پر سے گر پڑا۔ نالی میں سے نکل گیا یہ تو اس میں کا ہے۔ دیوار پر سے کود گیا۔

۲۔ حروف عطف

حروف عطف وہ ہیں جو دو یا دو سے زیادہ لفظوں یا دو جملوں کو ملانے کا کام دیتے ہیں جیسے جوان اور بوڑھے سب تھے۔ ہرکارہ آیا اور خط دے کر چلا گیا۔ میں تو آ گیا مگر وہ نہیں آیا۔ اگر ہم جاتے تو وہ نہ جاتا، اخبار رسالے اور کتابیں نکال کر الگ رکھ دو۔

ان کی کئی قسمیں ہیں۔

(۱) وصل (۲) تردید (۳) استدراک (۴) استثنا (۵) شرط (۶) علت (۷) بیانیہ۔

(۱) وصل کے لئے اور، و، کیا..... کیا، کہ، یا، اس میں و اور کی فارسی ہیں مثالیں۔

جوان اور بوڑھے سب تھے۔ ہرکارہ آیا اور خط دے کر چلا گیا۔ بادشاہ و وزیر کھڑے ہیں۔ کیا وہ اور کیا تم دونوں ایک ہو۔ اس نے کہا ابھی مت جاؤ (اور) اور (و) کے استعمال میں فرق ہے جس کا ذکر نحو میں کیا جائے گا

(یا) جیسے کوئی ہے یا نہیں۔

۲۔ تردید۔ نہ نہ، خواہ، چاہے، یا یا۔ مثالیں، نہ وہ آیا نہ تم آئے خواہ تم آؤ خواہ اسے بھیج دو، چاہے رہو چاہے چلے جاؤ۔ یا یہ لو یا وہ۔

۳۔ استدراک، پر، لیکن، بلکہ۔

جہاں یہ لفظ آتے ہیں تو جملوں کے مضمون میں جو مغائرت ہوتی ہے۔ ان الفاظ کے آنے سے شک و شبہ رفع ہو جاتا ہے۔ یہ سب سچ ہے پر وہ نہیں مانتا۔ اس نے بہت سی شرطیں پیش کیں لیکن میں نے ایک نہ مانی۔ ایک نہیں بلکہ دو ہیں۔

۴۔ استثنا، مگر، الا۔

سب آئے مگر وہ نہ آیا۔ سب آئے الا وہ نہیں آیا۔

۵۔ شرط، جو، اگر۔

اور جو تم نے کچھ کہا تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔"

جو دوئی کی بو بھی ہوتی تو دو چار ہوتا ہے
(غالب)

اگر وہ نہ آیا تو مجھے جانا پڑے گا۔

ورنہ اور نہیں تو اور تو شرط کے جواب میں آتے ہیں۔ وہ آیا تو آیا ورنہ مجھے خود جانا پڑے گا۔

کچھ کہتے ہو تو کہو نہیں تو میں جاتا ہوں۔

پہلے جملے میں حرف شرط آتا ہے اور دوسرے جملے میں جواب کے لئے اکثر تو آتا ہے جسے جزا کہتے ہیں۔

۶۔ علت۔ سو، پس، اس لئے، لہذا، بنابریں، کیوں کہ۔ مثالیں آپ نے اسے جانے کا حکم دیا تھا۔ سو وہ گیا۔ اس نے ہمیں حاضر ہونے کو کہا تھا۔ پس ہم حاضر ہو گئے۔

بعض حروف علت جوڑا جوڑا آتے ہیں یعنی ایک علت کے ساتھ دوسرا معلول کے ساتھ جیسے چونکہ آپ نہ تھے اس لئے میں نہ آیا۔

تاکہ اور تاکہ اور مبادا کو بھی اسی ضمن میں سمجھنا چاہیئے۔ مثلاً کتابیں بھیج دیجیے تاکہ جلد بندھوا دوں۔ آپ کہلا بھیجئے مبادا وہ نہ آئے۔

۳۔ حروف تخصیص

حروف تخصیص جب کسی اسم یا فعل کے ساتھ آتے ہیں تو خصوصیت یا حصر کے معنے پیدا کرتے ہیں۔

حروف تخصیص یہ ہیں: ہی، تو، بھی، ہر،

جیسے میں نے اختر ہی سے سنا تھا۔

بات کرنی مجھے مشکل کبھی ایسی تو نہ تھی!
جیسی اب ہے تری محفل کبھی ایسی تو نہ تھی!

"ہیں جہاں سو ہزار ہم بھی ہیں۔"

فعل کے ساتھ بھی یہ حرف استعمال ہوتے ہیں۔
"کسی نے ان کو سمجھایا تو ہوتا" صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں۔"

ہر شخص اپنی فکر میں مبتلا ہے۔ ہر چیز میں کوئی نہ کوئی خوبی ضرور ہے۔

ہر، ایک کے ساتھ بھی مل کر آتا ہے جیسے ہر ایک آدمی پر لازم ہے کہ اپنا فرض ایمان داری سے ادا کرے۔ ہر ایک کا یہ مقدور نہیں۔

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے
تمہیں کہو کہ یہ انداز گفتگو کیا ہے (غالب)

کوئی اور کسی کے ساتھ بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے ہر کسی کے کہنے کا یقین کیوں کر ہو سکتا ہے۔ اب تو ہر کوئی تمہاری سی کہنے لگا۔

ہی، بعض اسماء ضمائر اور حروف کے ساتھ مل کر مرکب لفظ کا جزبن جاتا ہے۔ مثلاً

کب	ہی کے ساتھ مل کر	کبھی	ہوا
جب	"	جبھی	"
اب	"	ابھی	"
تب	"	تبھی	"

سب	ہی کے ساتھ مل کر	سبھی	ہوا
کہاں	"	کہیں	"
وہاں	"	وہیں	"
یہاں	"	یہیں	"
وہ	"	وہی	"
یہ	"	یہی	"
اس	"	اسی	"
تم	"	تمہیں	"
ہم	"	ہمیں	"
تجھ	"	تجھی	"
مجھ	"	مجھی	"
جوں	"	جونہیں جونہی	"
یوں	"	یونہیں یونہی یہیں	"

حروف فجائیہ

وہ الفاظ جو جوش یا جذبے میں بے تحاشا زبان سے نکل جاتے ہیں جیسے ہیں ہیں! اوہو، ہائے وغیرہ۔

مختلف جذبات اور تاثرات کے لئے الگ الگ حروف مستعمل ہیں بعض اوقات جز جملہ بھی ان معنوں میں استعمال ہوتا ہے جیسے ماشاء اللہ، سبحان اللہ، استغفر اللہ وغیرہ۔

۱۔ حرف ندا۔ اے، یا، جیسے اے صاحبو، یا اللہ۔

"ہوت" "دور" سے بلانے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ لیکن شائستہ

زبان میں اس کا استعمال نہیں ہے۔

ارے، ابے، اجی، ارے، او، ابے او عموماً یا تو انتہائی بے تکلفی یا خفگی کی حالت میں چھوٹے درجے کے لوگوں کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔

فارسی میں کبھی الف اسم کے آگے بڑھا دیا جاتا ہے جیسے شاہا شاہنشاہا، بادشاہا، واعظا وغیرہ، مگر اردو میں یہ صرف شعر میں آتا ہے۔

جسے بلاتے ہیں اسے منادیٰ کہتے ہیں۔ جب منادیٰ جمع کی حالت میں ہوتا ہے تو جمع کا آخری ن گر جاتا ہے۔ اے صاحبو! اے بھائیو! بعض وقت حرف ندا محذوف بھی ہوتا ہے جیسے لوگو دوڑو۔ صاحبو یہ کیا بات۔

۲۔ خوشی اور مسرت کے لئے۔ اہاہا، اوہوہو، واہ واہ سبحان اللہ ماشاءاللہ۔

۳۔ رنج و تاسف کے لئے، ہائے، وائے، آہ، اف، اے وائے، ہائے رے، افسوس، حیف، ہیہات۔

۴۔ تعجب کے لئے سبحان اللہ، اللہ اللہ، اللہ اکبر، تعالی اللہ خلے اللہ، اُفو، اہا۔

۵۔ نفرت کے لئے۔ دُر، دُر دُر، دُھد، تف، تھو، استغفر اللہ معاذاللہ، لاحول ولاقوۃ الاباللہ، ہشت، چھی،

۶۔ تحسین وآفریں کے لئے سبحان اللہ، ماشاءاللہ، بارک اللہ خوب، شاباش، جزاک اللہ، واہ وا، اللہ اللہ صل علیٰ

چشم بد دور،

۷۔ پناہ مانگنے کے لئے:۔

الامان، الحفیظ، الامان، توبہ، الٰہی توبہ، معاذ اللہ، عیاذ اللہ

۸۔ تنبیہ کے لئے:۔

ہیں ہیں، ہوں، ہوں ہوں، خبردار، دیکھو، سنو!۔

فصل سوم

مشتق اور مرکب الفاظ

اس فصل میں مشتق اور مرکب الفاظ کا ذکر کیا جائے گا۔

مشتق

مشتق وہ ہے جو کسی دوسرے لفظ سے کسی قدر تغیر سے نکلا یا بنا ہو۔ یہاں زیادہ تر ہندی الفاظ کے اشتقاق سے بحث کی جائے گی فارسی اشتقاق اکثر ہندی سے ملتا جلتا ہے۔ عربی فی الحال ہماری بحث سے خارج ہے۔

۱۔ اسمائے کیفیت عام طور پر اس طرح بنتے ہیں:-

ا۔ اکثر افعال کے مادے (یعنی علامت مصدر کے گر جانے کے بعد) اسمائے کیفیت کا کام دیتے ہیں۔ مثلاً ہار، جیت، مار، پھیر، تاک، ٹیک، بول، لوٹ، روک، ٹوک وغیرہ۔

بعض اوقات اعراب کو لمبا کر کے حروف علت کی شکل میں لے آتے ہیں۔ جیسے اُترنا سے اتار۔ چلنا سے چال۔ ٹلنا سے ٹال، ملنا سے میل۔

ب۔ مادے کے آخر میں الف کے بڑھانے سے۔ جیسے جھگڑا، پھیرا، چھاپا۔

ج۔ ن کے بڑھانے سے جیسے چلن، مرن، کہن، اترن، کترن

سوہن وغیرہ۔

د بعض اوقات صفات کے آگے ن بڑھانے سے اسمائے کیفیت بن جاتے ہیں۔ انچان، چوڑان، لمبان وغیرہ۔

ہ۔ فعل کے آگے ا، ن کے اضافہ سے، جیسے، ٹھان، لگان، اڑان، ڈھلان،

و۔ فعل کے مادے کے آگے آئی معروف یا وائی بڑھانے سے لیکن اس میں ہمیشہ اجرت یا مزدوری کے معنی پائے جاتے ہیں۔ جیسے ڈھلائی، چرائی، پسوائی، دھلائی، سلائی، رنگوائی۔

ز۔ صفت کے بعد ای یا مئی بڑھانے سے اسمائے کیفیت بن جاتے ہیں جیسے اچھائی۔ برائی۔ گولائی، بڑائی، چھٹائی۔

ح۔ اسم کے بعد ہی معروف بڑھانے سے چوری، ٹھگی، کھٹی، بٹی۔

ط۔ ت یا تی کے بڑھانے سے جیسے بچت، کھپت، بھرتی، بڑھتی بھتی۔

ی۔ ت کے اضافے سے جیسے بہتات، کھلنسات۔

ک۔ اسم کے بعد ٹ، ہٹ، اٹ کے بڑھانے سے جیسے گھبراہٹ بناوٹ، رکاوٹ، لگاوٹ وغیرہ۔

ل۔ بعض اوقات صفات کے آگے یہی علامت بڑھانے سے بھی اسمائے کیفیت بنتے ہیں۔ جیسے چکناہٹ، کڑواہٹ، نیلاہٹ۔

م مادہ فعل کے بعد آؤ کے اضافہ کرنے سے۔ جیسے بچاؤ، چڑھاؤ، چھڑکاؤ، جھکاؤ، لگاؤ، رکاؤ وغیرہ۔

(ن) پا و پن اور پنا اسم کے آگے بڑھانے سے جیسے بڑھاپا، چھٹاپا، مٹاپا، لڑکپن، بچپن، شہداپن، دیوانہ پن، بچپنا، گنوارپنا، چھٹپنا۔

(س) ک کے بڑھانے سے، اسم یا فعل کے بعد جیسے ٹھنڈک، بھٹک

(ع) کی کے اضافے سے جیسے چکی۔

(ف) اس کے اضافہ سے جیسے مٹھاس، پیاس۔ کھٹاس۔

(ص) مادۂ فعل کے بعد آپ کے اضافہ سے جیسے ملاپ۔

(ق) پت سے جیسے سیان پت، گنوارپٹ۔

(ر) نا، کے لگانے سے۔ جیسے چاندنا۔

(ش) واس کے بڑھانے سے جیسے بکواس۔

(ت) وا کے اضافے سے جیسے بڑھاوا، بلاوا، دکھاوا وغیرہ

(ص) یت، جیسے اپنایت۔

یہ سب ہندی صورتیں ہیں۔ لیکن بعض فارسی ترکیبیں بکثرت استعمال ہوتی ہیں۔ مثلاً گی کے لگانے سے بندگی۔ زندگی، مردانگی، دیوانگی، یہ علامت ان فارسی الفاظ کے آگے اضافہ کی جاتی ہے جن کے آخر ہ ہوتی ہے۔

اسم کے بعد ی کے اضافے سے، جیسے گرمی، نرمی، جوانی، روشنی وغیرہ

(۱) امر کے آگے ش یا ِش کے اضافے سے جیسے سوزش، آزمائش گردش وغیرہ۔

امر کے آگے اک بڑھانے سے جیسے خوراک، پوشاک۔

۲۔ اسم فاعل، جو کسی کام یا پیشے کے ظاہر کرنے کو استعمال ہوتا ہے حسبِ ذیل علامات کے اضافے سے بنتا ہے:۔

(۱) والا، جیسے رکھوالا، گوالا، وغیرہ۔

(ب) وال، جیسے دوال، رکھوال۔

(ج) ہار۔ ہارا، جیسے پنہارا، لکڑہارا، پسنہارا، گھسیارا، جانہسارا

ہار سنسکرت کے لفظ کارک سے بگڑ کر بنا ہے۔ جس کے معنے

آنے والے کے ہیں۔

بعض الفاظ میں ہارا کی ہ اڑ گئی ہے اور آرا، آر، یار، ہو گیا ہے

جیسے کرنار۔ چمار، کہار، بنجارا، بھڈیارا، سنار، لوہار۔

(د) اری یا اڑی کے اضافے سے بنتا ہے، جیسے پجاری، بھکاری،

کھلاڑی۔

(ہ) ایرا کے اضافے سے جیسے لٹیرا، کمیرا، سپیرا، کسیرا۔

(و) ا کے اضافے، سے جیسے بھر بھونجے میں بھونجا جو پرانے فعل بھنجنا

(بھوننا) سے نکلا ہے جوتا (زمین جوتنے والا) اچکا۔

(ز) یا کے اضافے سے جیسے گڈریا (گڈر بمعنے بھیڑ) دیوالیا، پچنیا۔

(ح) یا کے اضافے سے جیسے گوتیا، بٹویا۔

(ط) ہا کے اضافے سے جیسے چرواہا۔

(ی) وا کے اضافے سے جیسے بچھوا، بھڑوا (بھاڑے سے) پٹوا دپٹ

ریشم۔

(ک) اک کے اضافے سے، جیسے پیراک۔ لڑاک، تیراک، چالاک

(ل) تا کے اضافے سے جیسے داتا۔ یار شتے کو ظاہر کرنے کے لئے

جیسے، پتا (یہ سنسکرت علامت ہے)

(م) کڑ کے اضافے سے، جیسے بھلکڑ، کودکڑ، بھجکڑ۔

(ن) و کے اضافے سے، جیسے ڈاکو، پیٹو،

(س) د کے اضافے سے، جیسے پکھیرد، کمیرد۔

اس کے علاوہ فارسی علامتیں بھی اردو، میں بکثرت استعمال ہوتی ہیں۔ مثلاً گر، گار، کار، جیسے کاریگر، نیل گر، زرگر، خدمتگار، مدد گار، دستکار۔

بر، جیسے، رہبر، دلبر، پیغام بر۔

بان دان، جیسے باغبان، گاڑی بان، کوچوان (اسی طرح ہم کہہ سکتے ہیں۔ موٹر بان)

مند، جیسے دولت مند، حاجت مند۔

ور، آور، جیسے جانور، زورآور۔

ترکی علامت چی سے جیسے خزانچی، طبلچی، بندوقچی، باورچی۔ ان فارسی علامات والفاظ کا ذکر تفصیل سے آئے گا۔

۲۔ اسمائے آلہ، فعل کے بعد ان علامات کے بڑھانے سے بنتے ہیں۔ جیسے:۔

(ا) نی، نا، ن کے اضافے جیسے دھونکنی، اوڑھنی، بیلن، چھلنی، پالنا میانا۔

اسم کے بعد ن بڑھانے سے جیسے دتون۔

(ب) ا کے اضافے سے جیسے گجرا۔

(ج) یل کے اضافے سے جیسے نکیل۔

(د) و کے اضافے سے جیسے جھاڑو۔

فارسی میں ہ کے اضافے جیسے دستہ۔ چشمہ۔

آنہ " " انگشتانہ، دستانہ،

۴۔ اسمائے ظرف اسم کے بعد ان علامات کے لگانے سے بنتے ہیں۔

(ا) باڑی، باڑہ، واڑہ، وارہ، واری جیسے بانس باڑی، سید باڑہ امام باڑہ، رسول باڑی، ڈھیر واڑہ، ہرواڑہ، پھلواری، پچھواڑا۔

(ب) ستان، جیسے راجستان، ہندوستان۔

(ج) الا یا الی سے جیسے ہمالا، شوالا، متالی۔

(د) ال یا ال سے جیسے سسرال، ننھیال۔

(ہ) سال یا شالہ سے ٹکسال، گھڑسال، پاٹ شالہ، دھرم شالہ

(و) انہ جیسے سمدھیانہ، سرہانہ۔

(ز) او سے جیسے پیاؤ، ڈلاؤ۔

(ح) دوار یا دوارا سے جیسے ہردوار، گردوارا۔

(ہ) اسم کی تصغیر ان علامات کے اضافے سے بنتی ہے۔

ا۔ کے لگانے سے جیسے ڈبیا، کھڑیا، لٹیا۔

اس قسم کی تصغیر سے اکثر پیار اور محبت کا اظہار ہوتا ہے جیسے بیٹا، بہنیا، کنھیا۔

(ب) ی معروف سے لوکری۔ رسی۔ شیشی۔

(ج) یا سے جیسے انبیا، کھٹیا، ٹکیا (تال سے)

د۔ وا سے جیسے مردوا، چوروا، بٹوا۔

ہ۔ ڑی، ری، اور ڑا، را، کے لگانے سے، جیسے دمڑی (دام سے) پلنگڑی، چمڑا، چھڑی، گلیاری، کھلاڑی، لنگڑا، ٹکڑا (ٹک سے) ٹھیکڑا، ٹھیک سے، مکھڑا، جیوڑا۔

و۔ ایلا، اولا سے جیسے دھیلا دھیلا یعنی آدھے سے) بگھیلا یا بگھیلا (باگھ

سے، کھٹولا، ہنڈولا، لگیلا، سپولیا (ہندی سنپولا) بھنڈیلا، گدیلا۔

(ز) ٹایاوٹا سے جیسے ہرلوٹا، چوٹا، بانٹا۔

(ح) تا سے جیسے بھتنا۔ ڈھولتا۔

(ط) ک ہندی اور فارسی دونوں میں مشترک ہے۔ جیسے ڈھولک مردک، عینک، طفلک، بلغ، بلک،

(ی) ڑ سے جیسے بندوڑ۔

علاوہ ک کے فارسی علامت چی یا چہ اردو میں مستعمل ہے جیسے صندوقچہ، باغیچہ، دیگچہ، دیگچی، نیچہ، ڈولچی، نیچہ، میلچہ، وچی۔

۔ اب ان صفات کا ذکر کیا جاتا ہے جو دوسرے الفاظ سے مشتق ہیں:

ا۔ ی کے اضافے سے جیسے شہری پہاڑی، دیسی، بھاری، اوتی بلی وغیرہ۔

(ب) ا کے بڑھانے سے جیسے دودھیا، جھوٹا، میلا، کھوکا، نیلا، گیردا

(ج) اک سے جیسے لڑاک، پیراک یا تیراک۔

(د) ایلا یای معروف کے بڑھانے سے جیسے پتھریلا، شرمیلا، ارمیلا نکیلا، بجیلا، رنگیلا، نشیلا، سریلا، وغیرہ

ایلا (یای مجہول) اکیلا، سوتیلا، کسیلا، غصیلا

ایل، یل، ل — دودھیل، دمیل، تندیل، غصیل، دڑھیل، پائل، گھائل، بوجھل

الا — مٹیلا، لوڑیالہ۔

ایرا۔ ڑر — چچیرا، ممیرا، تمیر، ہنسوڑ

الو { لجالو، شرمالو، جھگڑالو

(ہ) او، جیسے بکاؤ، دباؤ، کھاؤ۔

(و) ک۔ جیسے ویدک، سماجک، پھونک۔

(ز) کا جیسے پکا۔

(ح) یت، بچیت، گڑکیٹ، پھکیت، ڈکیت۔

(ط) ونتا، بلونتا، بھگونتا۔

(ی) مان یا دان۔ جیسے بھاگوان، بدھیمان، گنمان، دھنوان،

(ک) و، سے جیسے باڑارو، ویدارمہ

(ل) وا سے جیسے پروا، پچھوا

(م) سا سے جیسے پیاسا، روانسا (رونکھا) نندا سا۔

(ن) والا، جیسے متوالا،

(س) واں، جیسے گیہواں، دھلواں، پھسلواں، گٹھواں۔

(ع) نا۔ جیسے پھسلنا۔

(ف) ہار۔ جیسے ہونہار، جانہار، مرنہار وغیرہ۔

(ص) یا ی (تانیث کے لئے) جیسے فیلیا ی۔

(ق) ہرا یا ہری اور یلی جیسے سنہرا، سنہری، رپہلی۔

(ر) یرا۔ جیسے ممیرا، خلیرا، بہتیرا۔

اس کے علاوہ فارسی کی بعض علامات بھی اسی طرح اردو، میں مستعمل ہیں جیسے ی، ہندی اور فارسی دونوں میں یکساں استعمال ہوتی ہے اس کے علاوہ۔

آنہ جیسے مردانہ، سالانہ، ماہانہ۔

این یا ایں جیسے زریں، آتشیں، رنگین، شوقین، نمکین، ناک۔
جیسے غضبناک، ہولناک، خطرناک،
اس کے علاوہ اسم اور امر سے مل کر سینکڑوں فارسی صفات بنتے ہیں جو اردو میں بلا تکلف بولے جاتے ہیں۔ لیکن اس کا تعلق مرکبات سے ہے۔

فارسی حروف بے، بر، با، بہ اسم کے ساتھ آکر صفات بناتے ہیں جیسے برمحل، بروقت، برقرار، بجا، بے جا، بے دل، باتدبیر، بے عقل وغیرہ۔

علاوہ اس کے ہندی میں اس خوبی کے لئے او اک۔ا عیب کے لئے بعض الفاظ کے شروع میں آتا ہے۔ مگر عموماً یہ قیاسی ہوتے ہیں، جیسے سڈول سپوت، سپھل، کپٹ، کپوت، کڈھب، کراہ وغیرہ۔

مرکب

مرکب الفاظ دو قسم کے ہیں۔
اول وہ جہاں ایک خاص حرف یا علامت یا لفظ دوسرے مختلف الفاظ کے ساتھ مل کر خاص معنی پیدا کرتا ہے۔
دوسرے، وہ جبکہ دو مختلف اسم یا ایک اسم اور صفت یا اسم و فعل یا صفت و فعل مل کر ایک لفظ بن جاتا ہے، ایسے مرکبات زیادہ تر ہندی ہوتے ہیں
اب ہم دونوں قسموں کا الگ الگ بیان کرتے ہیں۔

(۱)

(۱) اول ان الفاظ کا بیان کیا جاتا ہے جن کے شروع میں آنے سے صفات کی نفی ہوتی ہے۔
(۲) ہندی سے جیسے ادھمر، اٹل، امٹ، اچل، اچھوت، اچھوتا وغیرہ۔

ان " " انجان، ان پڑھ، ان گھڑ، ان مول، ان مل وغیرہ۔

ن " " نڈر، نہتا، نکما، ندیدہ، وغیرہ

نر " " نراسا، نرمل، نربل، نرگن وغیرہ

بن " " بن سلا، بن سرا، بن جتی (زمین)

ک، ک " " کڈھب، کراہ، کپوت، وغیرہ

پر (بمعنی غیر، دوسرا) پردیس، پرسال، پرنال، پرلوک وغیرہ۔

بعض فارسی اور عربی الفاظ بھی اسی طرح نفی کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے:۔

نا (فارسی) ہندی الفاظ کے ساتھ بھی آتا ہے) جیسے نالائق، نادرا، ناوقت، ناسمجھ، ناچار، نادان

بے " " بے ہوش، بے خبر، بے دل، بے مثل بے صبر، ہندی الفاظ کے ساتھ جیسے بے چین، بے تنہا، بے ڈھب، بے ڈھنگا بے دھڑک وغیرہ۔

کم " " کمزور، کمیاب، کم عقل۔ کم حوصلہ، کم اصل

غیر (عربی) " " غیر حاضر غیر مفید

خلاف " " خلاف عقل، خلاف شرع، خلاف قاعدہ

اسی طرح بد، تنگ، زشت، دون وغیرہ الفاظ، دوسرے الفاظ کے ساتھ آکر ذم کے معنی پیدا کرتے ہیں جیسے بدگمان، بدشکل، بدچلن، تنگ دل تنگ چشم، زشت رو، زشت خو، دون ہمت وغیرہ۔

(۲) مرکب صفات جو اکثر فارسی ہوتے ہیں اور اکثر بطور اسم فاعل مستعمل ہیں (اسم کے ساتھ امر یا دوسرا اسم اضافہ کرنے سے،

دار کے ساتھ جیسے دلدار، زردار، جان دار، وفادار، مالدار وغیرہ

بر کے ساتھ جیسے دلبر، فرمان بر۔

باز " " جاں باز، سرباز، دغا باز

ساز " " حیلہ ساز، دم ساز، سخن ساز، زمانہ ساز، کارساز

آور (ور) " نامور، زورآور، دلاور، قد آور، نام آور

خواہ " خیرخواہ، دل خواہ، خاطر خواہ، عذر خواہ۔

اندیش " دور اندیش، خیر اندیش، کوتہ اندیش

طلب " خیر طلب، مرمت طلب، شہرت طلب۔

شناس " ادا شناس، مردم شناس، قدر شناس، سخن شناس

دان " قدردان، سائنس دان، کاردان، مزاج دان۔

فہم " سخن فہم، شعر فہم، معاملہ فہم۔

پوش " عیب پوش، خطا پوش، پردہ پوش، خوان پوش۔

بخش " خطا بخش، زر بخش، صحت بخش۔

پرست " آشنا پرست، زن پرست، شکم پرست، بت پرست

خدا پرست، وطن پرست۔

پسند " دل پسند، ترقی پسند، شہرت پسند۔

فروش " خود فروش، یار فروش، دل فروش، وطن فروش

گیر " جہاں گیر، عالم گیر، دست گیر، دل گیر، دامن گیر، گلوگیر۔

خوار (خور) خوں خوار، دم خور، میخوار، شراب خوار، بسیار خوار،

گو کے ساتھ	راست گو، دروغ گو، کم گو، پوچ گو۔
جو "	عیب جو، جنگ جو، نام جو۔
بیں "	باریک بیں، خورد بیں، آخر بیں، پیش بیں۔
نشین "	جیسے دل نشیں، خانہ نشیں، ذہن نشین۔
رُبا "	دل ربا، ہوش ربا، اندوہ ربا۔
چیں "	نکتہ چیں، سخن چیں، عیب چیں، خوشہ چیں،
ریز "	خوں ریز، شکر ریز، برگ ریز، زر ریز، گوہر ریز،
فشاں (افشاں)	گل فشاں، نور افشاں، در افشاں، اشک فشاں۔
سوز کے ساتھ	جگر سوز، دل سوز، عالم سوز، جہاں سوز۔
کن "	بیخ کن، گورکن، اسم فاعل۔
زدہ "	غم زدہ، آتش زدہ، قحط زدہ۔
آلودہ "	خون آلودہ، گرد آلودہ، شکر آلودہ۔
زن "	لاف زن۔ نیش زن۔
آزار "	دل آزار، مردم آزار، خلق آزار۔
افروز "	دل افروز، بزم افروز، جہاں افروز، عالم افروز۔
آموز کے ساتھ	علم آموز، جنگ آموز، نو آموز۔
آمیز "	خاک آمیز، گلاب آمیز، مکر آمیز، مصلحت آمیز۔
انگیز "	فتنہ انگیز، آتش انگیز، بغاوت انگیز۔
پرور "	غریب پرور، امیر پرور، شریف پرور، بندہ پرور، ناز پرور، زبان پرور، سخن پرور۔
افراز (فراز)	گردن افراز، سرافراز، سرفراز۔

نواز کے ساتھ — غریب نواز، بندہ نواز، مورہ نواز، پلک نواز،

پرواز " — سخن پرواز، معنی پرواز۔

کشا " — دل کشا، مشکل کشا، عقدہ کشا۔

گداز " — دل گداز، تن گداز، جاں گداز۔

نما " — خوش نما، بد نما، رونما، انگشت نما۔

بوس " — خاک بوس، قدم بوس، دست بوس، پابوس

لیس " — کاسہ لیس، رکابی لیس۔

بار " — بردبار، زیر بار، گراں بار، سبکبار۔

رو " — تیز رو، سبک رو، کم رو، گرم رو۔

دوز " — زمین دوز، دل دوز۔

رس " — فریادرس، سخن رس، شاہ رس، دربار رس
دوررس

گوں " — نیلگوں، گلگوں، (رنگ کیلئے)،

فام " — گلفام، سیاہ فام، لالہ فام (کیلئے)

اسی طرح بعض خاص اسم دوسرے اسماء کے ساتھ آنے سے یہ معنی پیدا کرتے ہیں۔ مثلاً۔

دوست کے ساتھ جیسے غریب دوست، وطن دوست، خانہ دوست

دشمن " — آشنا دشمن، زن دشمن۔

فریب " — دل فریب، مردم فریب، ابلہ فریب

مائل " — سبزی مائل، زردی مائل، سرخی مائل۔

خوش (لفظ کے اول میں) خوش رو، خوش خلق، خوش مزاج۔

نیک " نیک دل، نیک طینت، نیک مزاج
خوب " خوب صورت، خوبصورت شکل۔
خود " خود نما، خود پسند، خود غرض، خود فریب، خود رو۔
صاحب " صاحب نصیب، صاحب شعور، صاحب دل۔
اہل " اہل دل، اہل کمال اہل علم وغیرہ (یہ الفاظ ہمیشہ جمع میں استعمال ہوتے ہیں
کار " بد کار، نیکوکار
نیم " نیم پخت۔ نیم جاں، نیم بسمل، نیم بریاں نیم مردہ، (نیم ملا، بطور اسم)

ترکیب اضافی لائق اور قابل کے ساتھ جیسے قابل سزا، قابل علاج قابل داد، قابل رشک، قابل تحسین، لائق انعام، لائق تعریف وغیرہ۔

۳۔ بالکل اسی طرح اسم فاعل بھی بنتے ہیں، بلکہ اکثر اوقات صفات و اسمائے فاعل مشترک ہوتے ہیں۔ مثلاً۔

بر کے ساتھ جیسے پیغمبر، رہبر وغیرہ۔
بردار کے ساتھ عصا بردار، حقہ بردار، علم بردار، حکم بردار۔
گر " کاریگر، نیل گر، زرگر، بادشاہ گر۔
کار " دست کار، کاشت کار، پیش کار، قلم کار،
دار " زمیندار، قرض دار، چوب دار، دکان دار۔
باز " مرغ باز وغیرہ۔
کش " جریب کش، تار کش، آرہ کش، بادکش۔
پوش " سرپوش، پلنگ پوش، پاپوش۔

فروش کے ساتھ		میوہ فروش، مے فروش۔
خوان	"	قصہ خوان، مسل خوان، مرثیہ خوان، فارسی خوان
انداز	"	گولنداز، تیرانداز، برقنداز، زیرانداز، پانداز
نشین	"	جانشین، فیل نشین، کرسی نشین، تخت نشین۔
ربا	"	کاہ ربا، آہن ربا،
کن	"	گورکن، پشتہ کن۔
دوز	"	خیمہ دوز، چکن دوز، کفش دوز۔
شو	"	مردہ شو، پاشو۔
چی	"	خزانچی، اونچی، طنبورچی، طبلچی۔

جس طرح شروع میں بعض حروف اور الفاظ ترکیب کے لیے آتے ہیں۔ اسی طرح آخر میں بھی آتے ہیں۔ شروع میں آتے ہیں انھیں سابقہ کہتے ہیں اور آخر میں آنے والے لاحقہ کہلاتے ہیں۔

فارسی لاحقوں کا ذکر آچکا ہے۔ اب یہاں چند فارسی سابقے لکھے جاتے ہیں۔ جو عام طور پر مستعمل ہیں۔

پا کے ساتھ		پانداز، پابوس، پابند، پاجامہ، پازیب، پامال وغیرہ
پس	"	پس انداز، پس ماندہ، پس پا وغیرہ۔
پر	"	پرجوش، پرمعنی، پرمغز، پردرد وغیرہ۔
پنج	"	پنج روزہ، پنجتن، پنجگانہ، پنج شنبہ وغیرہ۔
پیش	"	پیشانی، پیشاب، پیش دست، پیش خیمہ، پیش کش وغیرہ
تہہ	"	تہہ خانہ، تہہ بند، تہہ بازاری، تہہ دیگی وغیرہ۔
خر	"	خرگاہ، خرمہرہ، خرمن، خرگوش وغیرہ۔

خوش کے ساتھ خوش اسلوب، خوشبو، خوش بیان، خوش خصال،
خوش نصیب وغیرہ۔

در " درپردہ، درپیش، درکار، درگذر، درپے وغیرہ۔

زبر " زبردست وغیرہ۔

زیر " زیربار، زیردست، زیرلب وغیرہ۔

زود " زودرنج، زودفہم، زودنویس، زودآشنا وغیرہ۔

سر " سرخوش، سربلند، سرتاج، سرشتہ، سرحد، سرکش وغیرہ

سہ " سہ درہ، سہ منزلہ، سہ چند، سہ گوشہ وغیرہ۔

شاہ شہہ " شاہ راہ، شاہ رگ، شاہ نشین، شہ نشین، شہتیر، شہباز
شہسوار وغیرہ۔

شش " شش جہت، ششماہی، ششدر وغیرہ۔

صاحب " صاحب خانہ، صاحب دل، صاحب کمال، صاحب علم
صاحب نصیب وغیرہ

صدر " صدر مدرس، صدر اعظم، صدر اعلا، صدر صاحب وغیرہ

غیر " غیر ممکن، غیر مناسب، غیر موزوں، غیر ضروری، غیر منقولہ
وغیرہ۔

لا " (عربی) لاابالی، لازوال، لاوارث، لامکان، لایعنی وغیرہ

میر میر فرش، میر آتش، میر عمارت، میر منشی، میر مجلس وغیرہ۔

نیم نیم حکیم، نیم روز، نیم راضی، نیم بازو وغیرہ

نو نوآبادی، نوبہار، نودولت، نوعمر، نوگرفتار وغیرہ۔

ہر ہردل عزیز، ہرروزہ، ہرکارہ وغیرہ

ہزار کے ساتھ	ہزار داستان، ہزار دانہ، ہزار پا وغیرہ۔
ہشت "	ہشت پہلو، ہشت ہزاری وغیرہ
ہفت "	ہفت اقلیم، ہفت خوان، ہفت زبان وغیرہ
ہم "	ہم آواز، ہم پیالہ، ہم نوالہ، ہم نشین، ہم درد وغیرہ
ہمہ "	ہمہ دان، ہمہ گیر وغیرہ۔
یک "	یک دل، یک چشم، یک رنگ، یک جہتی وغیرہ

ہندی کے بھی بعض الفاظ بطور سابقے کے استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً

ترکے ساتھ	تر پھلا، تر سول، تر لوک وغیرہ۔
چو "	چو بولہ، چو بارہ، چو پہلا، چو راہا۔ وغیرہ
سر "	سر کٹا، سر منڈا، سر دھرا، سر پنچ، سر توڑ وغیرہ۔
مہا "	مہاتما، مہابلی، مہا بھارت، مہابیر، مہاجن، مہاراج وغیرہ
یک (اک)	یکنگ (اکنگ) یکتارا، اکتارا، اکتالہ، اک پیچا، اک ڈال، اکہرا

یہاں صرف وہی فارسی ترکیبیں بیان کی گئی ہیں جو اکثر اسما خاص الفاظ کے ساتھ آکر خاص معنی پیدا کرتے ہیں، اسی ڈھنگ سے دوسرے نئے الفاظ مرکب بنتے ہیں ان کا ذکر آگے کیا جاتا ہے۔

(۲)

اردو میں جب دو مختلف لفظ مل کر ایک بن جاتے ہیں، تو اس کی دو حالتیں ہیں۔

اول، بلحاظ ترکیب لفظی، یعنی جب دو لفظ مل کر ایک ہو جاتے ہیں تو لفظ کی صورت کیا ہوتی ہے۔

دوسرے:۔ بلحاظ معنی، یعنی معنی کے لحاظ سے ایسے

الفاظ کی کیا حیثیت ہوتی ہے۔

اول ہم پہلی حالت کا بیان کرتے ہیں اور وہ ہمارے خیال میں بہت ضروری ہے۔ تاکہ آئندہ جو نئے الفاظ ہم بنانا چاہیں تو اسی ڈھنگ پر ہوں اور غیر مانوس نہ معلوم ہوں اور آسانی سے رائج ہو سکیں۔

(۱) دو لفظ مل کر اپنی اصلی حالت قائم رکھتے ہیں اور ان میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوتا، جیسے بھلا مانس، ان داتا، سکرن پھول، کارخانہ کارچوب۔ مانس گند، گوارا شاہی، باگ موڑ۔ دیا سلائی۔

(۲) پہلے لفظ کے الف ممدودہ کا مد گر جاتا ہے اور حرف سادہ الف رہ جاتا ہے۔ جیسے ادھ کچرا، ادھ کھلا۔ ادھ مرا، امرس۔

(۳) دو لفظوں کے ملنے پر پہلے لفظ کے آخر کا یا دی گر جاتی جیسے ادھ کچرا، ادھ کھلا، بڑ بھاگی، بڑ پن، بیر بٹا، بڑ دنتا، بڑ کنا، بر ہنا، بھتیج بہو، بھتیج داماد، کپڑ چھن، کپر گند، پنچ پیندیا، رکح لہو، کھٹمٹھا۔

(۴) پہلے لفظ کے بیچ کا حرف علت گر جاتا ہے، جیسے پٹ جھڑ، پن چکی، پن گھٹ، پن کپڑا۔ پن گیٹ (پان کا مخفف) ہت پھیری، ہت چھٹ، ہت کڑی ہتکھنڈا، دھن کٹی، کن لوٹپ، کن چھیدن، گل جبا، گل تکیہ، گل مچھے، گل مالا، گل پھلا، کن رس، کن رسیا، کن کٹا، ست انجا، کن پھٹا، پن کال، تل چٹا (تل تیل کا مخفف ہے) پچ میل، منجدھار، پھلجھڑی۔

(۵) پہلے لفظ کے بیچ اور آخر کے دونوں حرف علت گر جاتے ہیں، جیسے گھر بہل، گھڑ چڑھا، گھڑ دوڑ، گھڑ ناد، گھڑ منہا۔

(۶) دونوں لفظوں میں حروف علت گرنا، جیسے بگ ٹٹ، کھلمنسائی، کھل مفیات

۷- جب پہلے لفظ کا آخر حرف اور دوسرے لفظ کا اول حرف ایک ہوں تو ایک گر جاتا ہے جیسے کچالو، نکٹا، ہڑتال (مٹ تال کا مخفف ہے ت اور ٹ کے یکجا آنے سے ٹ ڑ سے بدل گئی)

۸- اسم فاعل یا صفت یا اسم عام بنانے کی غرض سے آخر میں الف یا مؤنث کے لئے ی بڑھا دیتے ہیں جیسے چوبغلا، کن رسیا، لم ڈڑھیا، مرکھنا (مر اور کھن سے مرکب ہے آکھن کے معنی ٹکڑے کرنے کے ہیں) ست لڑا بست ما سا، ست نجا، اگر کھا، ہاڑ ونا، برہنوا، برہنی، گھٹ کٹا، کن پھٹا کن کٹا، بھڑ بھونجا (بھڑ بھاڑ کا مخفف ہے اور بھونجنا کے معنی بھوننا کے ہیں۔

(۹) بعض اوقات دو لفظوں میں بیچ میں نسبت یا تعلق ظاہر کرنے کے لئے الف بڑھا دیتے ہیں جیسے مٹیا محل، ہیرا پھیری، بیچا بیچ، دھڑا دھڑ

(۱۰) بعض الفاظ عجب طرح سے مرکب ہوتے ہیں۔ مثلاً پھلیل، اصل میں پھول تیل تھا۔ پھول میں سے و کو اور تیل میں سے ت کو حذف کر کے ایک لفظ بنالیا۔ لوچون، لو ہے چورن سے ہے (چورن بمعنی سفوف) اسی طرح بھتیجا اصل میں بھائی جایا اور بھانجا، بہن جایا تھا۔

(۱۱) آندہ کے معنی ہندی میں لو کے ہیں اس سے کئی لفظ مرکب بنے ہیں مثلاً چرانداہ، مانداہ، ہڑانداہ، ہرانداہ۔

(۱۲) ہندی میں مرکب الفاظ کی سب سے بہتر ترکیب ہندی اعداد میں نظر آتی ہے۔ جیسے ہم بالتفصیل صرف کے حصے میں لکھ چکے ہیں۔ یہ ہندی ترکیبیں قریب قریب اسی قسم کی ہیں جو سنسکرت میں پائی جاتی ہیں۔ لہذا کی تقسیم بلحاظ معنی کے اسی صورت سے کی جاتی ہے۔ جو سنسکرت

ہیں ہے۔

اول :- مرکبات تابع، جن میں الفاظ کا تعلق اسم کی حالت کے تابع ہوتا ہے۔

دوم - مرکبات ربطی جن میں الفاظ کا تعلق حرف ربط سے ظاہر ہوتا ہے۔

سوم :- مرکبات توضیفی جن میں صفت کسی دوسرے اسم سے مل کر آتی ہے۔

چہارم :- مرکبات اعدادی، جن میں اول جز عدد ہوتا ہے۔

پنجم :- مرکبات تمیزی، جن میں پہلا جز تمیز ہوتا ہے۔ اب ہم ان کی تفصیل ذیل میں لکھتے ہیں۔

اول :- مرکبات تابع، اسما کی حالت کے مطابقت کے لحاظ سے مختلف قسم کے ہیں۔

(۱) تابع مفعولی جو عام طور سے مستعمل ہے، اس میں دوسرا جز اسم فاعل یا فعل ہوتا ہے اور پہلا جز حالت مفعول میں دوسرے کے تابع ہوتا ہے جیسے بٹ مار، چڑ بیمار، ان داتا، تل چٹا، کنٹھ پھورا، گٹھ کٹا۔

(۲) تابع ظرفی یا طوری جس میں پہلا لفظ دوسرے سے ظرفی یا طوری تعلق رکھتا ہو، جیسے دیش نکالا، پچھیل، دو غلا۔

(۳) تابع اضافی، جس میں پہلا جز دوسرے سے اضافی تعلق رکھتا ہو یہ مرکبات کثرت سے مستعمل ہیں جیسے لکھ پتی، پن گھٹ، پن چکی، امرس، کن رس کٹھ پتلی، راجپوت، سوت جلاپا، بھتیج بہو۔ کنٹوپ، بت جھڑ، کیر گند، مالنس گند، بت کڑی، راج بھاٹ وغیرہ وغیرہ۔

(۴) تابع ظرفی جسمیں پہلے لفظ کا تعلق دوسرے سے ہے۔ بہ لحاظ مقام کے

ہو۔ جیسے گھڑچڑھا، مورگ بامی، بن بامی، بن مانس، جل مانس، جل ککڑا، اوپروالا، اوپروالی۔

دوم مرکبات ربطی، وہ ہیں جن کے پہلے اور دوسرے جز میں حرف ربط واقع ہوتا ہے جیسے مٹیامحل، دھڑادھڑ، اینچا بانی، بھاگا بھاگ، شرما شرمی، آب وہوا، سراسر۔ اسم قسم کے فارسی مرکبات بکثرت مستعمل ہیں۔

(۱) اکثر اوقات حرف ربط محذوف ہوتا ہے جیسے ماں باپ، دال روٹی، تلپٹ، ان جل، دل گردہ، بول چال، جوڑ توڑ، گھر بار، خاک دھول، جوتی پیزار، دم درود، دم دلاسا، دم خم وغیرہ۔

(۲) اجتماع ضدین جیسے ہار جیت، کمتی، بڑھتی (کمی بیشی) نر بیر، دن رات، جوڑ توڑ، ہرا بھرا بھلا، دیر سویر۔

(۳) لفظی مناسبت اور قافیے کے لحاظ سے جیسے دم خم، رونا دھونا، بھولا بسرا، تانا بانا، بھولا بھٹکا، پاس پڑوس۔

(۴) مذکر کا مونث بنا کر بڑھا دیتے ہیں، جیسے دیکھا دیکھی۔

(۵) مترادف الفاظ کے ملنے سے، جیسے رونا چھینکنا، اینچا تانی، بھوک چوک، دیکھ بھال، چھان بین، سوچ بچار، بھلا چنگا، کاٹ چھانٹ، روک ٹوک، بھولا بسرا۔

کبھی ہندی فارسی مترادف لفظ مل کر آتے ہیں۔ جیسے تن من دھن دولت۔

(۶) ایک ہی مادے کے دو لفظ جیسے چال چلن

(۷) اسی ضمن میں توابع مہمل بھی آسکتے ہیں۔ ان الفاظ کے کچھ معنی نہیں

ہوتے لیکن با معنی الفاظ کے ساتھ آکر اس کے معنوں
میں خاص کیفیت پیدا کر دیتے ہیں، بول چال میں ان کا کثرت سے استعمال
ہوتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ایک ہی لفظ کو اس طرح دہرایا جاتا ہے کہ
یا تو پہلا حرف گرا دیا جاتا ہے یا پہلے حرف کے بجائے کوئی دوسرا حرف
قایم کر دیا جاتا ہے یا درمیانی حرف علت میں کچھ تبدیلی کر دی جاتی ہے
اس سے مذکورہ کے لوازم و متعلقات کا بیان مقصود ہوتا ہے۔ روٹی
دوٹی یعنی روٹی اور اس کے ساتھ کی دوسری چیزیں۔ یا ڈیرے ویرے وغیرہ

(ا) اکثر یہ ہوتا ہے کہ پہلے لفظ کو واؤ سے بدل کر دہرا دیتے ہیں جیسے
روٹی ووٹی، ڈیرے ویرے، پانی وانی، کاغذ واغذ وغیرہ۔ یہ طریقہ
قیاسی ہے اور تقریباً ہر لفظ کے ساتھ استعمال ہو سکتا ہے۔ مگر
باقی طریقے سماعی ہیں جن کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے۔

(ب) بعض توابع عموماً الفاظ کی مناسبت، وزن یا کسی قدر قافیے کے
لحاظ سے بھی آتے ہیں جیسے بچا کھچا، میل کچیل، تالا بالا، ٹال مٹول
لٹ پٹ، چوری چکاری، لوگ باگ۔

(ج) بعض اوقات بعض پہلے صرف ایک دو حرف ایک سے ہوتے ہیں اور
باقی بدلے ہوئے ہوتے ہیں جیسے دانہ دنکا، گالی گلوج، سودا سلف

(د) کبھی کلمۂ اول ہی کو کھینچ تان کر درمیانی حروف علّت کو بدل کر تابع
بنا لیتے ہیں۔ جیسے ٹیپ ٹاپ، ٹھیک ٹھاک، ڈیل ڈول، تول تال،

(ہ) کبھی تابع اول آجاتا ہے جیسے ادلا بدلی، آمنے سامنے، آس
پاس، ارد گرد۔

سوم مرکبات توصیفی وہ ہیں جن میں کوئی صفت یا کوئی لفظ بطور

صفت کے دوسرے لفظ سے مل کر آئے۔ جیسے بھلا مانس، کٹا، نکٹا، مہا راجا، مہاراج، کلجگ، پرمیشور، پرم، بڑا، ایشور، خدا، لم مڑھیا، بڑکٹا ادھ موا، کھٹمٹھا، لکھ لٹ،

بعض علامات ہندی لفظ کا جز ہیں خصوصاً ک (ذم کے لئے) اور س (وصف کے لئے)، جیسے کپوت، سپوت، کڈھب، سڈول، سلونا، سودیشی ان کا ذکر علامات میں ہوچکا ہے۔

کبھی اسم بھی صفت کا کام دیتا ہے۔ جیسے راج ہنس، لاٹ پادری، یہاں راج اور لاٹ صفت کا کام دیتے ہیں۔

چہارم مرکبات اعدادی وہ ہیں جن میں پہلا جز عدد ہوتا ہے ہندی اعداد مروجہ کو دیکھا جاوے تو درحقیقت سب سے عمدہ مثال مرکبات کی ہے اس کا مفصل ذکر ہم صفات میں دے چکے ہیں۔ یہاں ہم صرف چند مثالیں ایسے مرکبات کی دیتے ہیں جن میں ایک جز عدد ہے جیسے

تراہا، دوپٹا، ست نجا، ست ماسا، ست لڑا، ہشت پہل ترپولیا، چوراہا، دوہتی، چونی، چوبولا، تکنا، چونہلا، پنج محلا، چوتالا، چوپہل، دوتارا، ستار، دوشالا، دوغلا۔

پنجم مرکبات تمیزی، یہ مرکبات اردو میں ہندی علامات نفی کے ساتھ آتے یا بعض علامات فارسی کے ساتھ مثلاً بے، بر، بہ وغیرہ کے ساتھ جن کا بیان پہلے آچکا ہے۔

یہ صرف ہندی مرکبات کا بیان تھا ان کے علاوہ فارسی مرکبات کثرت سے اردو زبان میں اور خاص کر نظم میں مستعمل ہیں جن کا ذکر بخوف نظر انداز کیا جاتا ہے۔ اگر ان تمام صورتوں کو جو بیان کی گئی ہیں نظر میں رکھا جائے تو آئندہ جدید الفاظ بنانے میں بہت مدد مل سکتی

فصل چہارم

نحو

اس باب میں دو امور سے بحث ہوگی۔

اول۔ اجزا کلام اور ان کے مختلف تغیرات کے عمل سے جو ان میں بلحاظ تعداد و حالت زمانہ وغیرہ پیدا ہوتے ہیں اگرچہ اس کا ذکر صرف میں ہو چکا ہے مگر یہاں یہ بحث دوسری نظر سے یعنی معنی مفہوم کے لحاظ سے ہوگی۔

دوم:۔ جملوں کی ساخت سے۔

اول کا نام نحو تفصیلی ہے اور دوسرے کا نحو ترکیبی۔

نحو تفصیلی!

جنس

زبانوں میں جنس کی حالت بھی بہت مختلف اور پیچیدہ ہے میں حقیقی اور نحوی (غیر حقیقی) جنس میں اختلاف پڑنے سے پیچیدگی اور بڑھ جاتی ہے ہندی میں اگرچہ بجائے تین کے دو ہی جنسیں ہیں لیکن بے جان چیزوں کی تذکیر و تانیث نے جو غیر حقیقی اور بے معنی ہے، زبان کی مشکلات کو اور بڑھا دیا ہے کیونکہ اس کا حقیقی زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ دقت اس وجہ سے اور بھی زیادہ معلوم ہوتی ہے کہ کوئی قاعدہ ایسا نہیں کہ جس کی بنا پر

ہم ایک شے کو مذکر کہتے ہیں اور دوسری کو مونث۔ یہ بالکل زبان کے عام رواج پر منحصر ہے۔

بعض عربی مونث لفظ جن کی تانیث عربی قاعدے سے بنائی گئی ہے اردو زبان میں رائج ہو گئے ہیں اور بلا تکلف استعمال ہوتے ہیں، جیسے ملکہ سلطانہ وغیرہ لیکن عربی مذکر لفظ کے آخر میں ہ بڑھا کر مونث بنا لینا ہماری رائے میں درست نہیں۔ بعض لوگ تو یہ غضب کرتے ہیں کہ فارسی اور انگریزی لفظوں کی تانیث بھی اسی قاعدے سے بنا لیتے ہیں۔ زبان کا رجحان اب اس طرف معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے اسم یا صفاتی الفاظ مرد عورت دونوں کے لئے یکساں استعمال کئے جائیں مثلاً عالم فاضل، شاعر، لائق مصنف وغیرہ الفاظ جس طرح مردوں کے لئے بولے جاتے ہیں اسی طرح عورتوں کے لئے استعمال ہوتے چاہئیں۔ کچھ ضروری نہیں کہ عورت کیلئے عالمہ، لائقہ، شاعرہ، مصنفہ کہا جائے، ایسا کہنا خواہ مخواہ کا تکلف ہے۔ عام بول چال اور تحریر میں بیگم صاحب کا لفظ استعمال ہوتا ہے کیوں نہ دوسرے لفظ بھی اسی طرح بولے یا لکھے جائیں جوں جوں عورتوں کی تعلیم اور آزادی میں زیادہ ترقی ہوگی۔ یہ خیال زیادہ قوی ہوتا جائے گا۔ مثلاً جب عورتیں وکیل، بیرسٹر حکیم، یا ڈاکٹر ہونے لگیں گی تو یہی نام بھی ان کے ساتھ لئے جائیں گے، وکیلہ، بیرسٹرہ کوئی نہیں کہے گا۔ البتہ بعض پیشے جیسے دائی وغیرہ ایسے ہیں جو اب تک عورتوں ہی کیلئے مخصوص تھے۔

جانوروں کی تذکیر و تانیث کے تین درجے معلوم ہوتے ہیں۔

ایک تو عام طریقہ کہ مذکر کے مقابل میں مونث، اور یہ مونث اکثر مذکر ہی سے بنتا ہے، جیسے گھوڑا۔ گھوڑی، ہاتھی ہتنی، ہرن، ہرنی وغیرہ۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ نر، مادہ کے لفظ بڑھانے سے تذکیر و تانیث کی

شناخت ہوتی ہے۔ یہ اکثر وہ جانور ہیں جن کا تعلق انسان سے زیادہ نہیں ہے جیسے مادہ خرگوش یا خرگوش کی مادہ،

تیسرے وہ کم درجے کے جانور ہیں یا کیڑے مکوڑے کہ جن میں تذکیر و تانیث کی شناخت مشکل ہے یا اس کی ضرورت نہیں پڑتی، جیسے مکھی، چھچھوندر وغیرہ۔

بعض الفاظ مثلاً انسان، آدمی، شخص وغیرہ ایسے ہیں جو مذکر ہی استعمال ہوتے ہیں اور عام طور پر مردوں ہی کے لئے آتے ہیں لیکن جمع کی حالت میں ان میں مرد اور عورتیں دونوں ہی شریک ہو سکتے ہیں اور خاص حالتوں میں یہی استعمال ہوتا بھی ہے چنانچہ ان سے جو انسانیت، آدمیت، شخصیت، کے الفاظ مشتق ہوئے ہیں وہ سب کے لئے یکساں مستعمل ہیں۔

تعداد

بظاہر تعداد بہت آسان معلوم ہوتی ہے۔ لیکن یہ بھی مشکلات سے خالی نہیں واحد ایک ہے اور ایک سے زیادہ جمع، یعنی دو، تین، چار وغیرہ لیکن اشیاء کا ایک گروہ ایسا بھی ہے جن پر ایک، دو، تین کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ یعنی وہ شمار میں نہیں آسکتیں اور ان کے لئے بے شمار، لاتعداد، بے حد وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔

(۲) اردو میں تعداد کی صرف دو ہی قسمیں، واحد اور جمع۔ اور اکثر زبانوں کا یہی حال ہے لیکن بعض زبانیں (مثلاً سنسکرت، عربی وغیرہ) ایسی بھی ہیں جن میں تثنیہ (یعنی دو کا ہونا) پایا جاتا ہے۔ اور دو ایک ایسی بھی ہیں جن میں تثلیث پائی جاتی ہے۔

(۳) ایک سے زیادہ یعنی دو تین چار وغیرہ کا اطلاق ہم انھیں چیزوں پر کر سکتے ہیں جو اگرچہ ایک نہیں ہیں مگر ایک قسم کی ضرور ہیں۔ جیسے چار کرسیاں، پانچ سیب دو عورتیں وغیرہ، خود جمع کے لفظ میں اختلاف کا خیال مضمر ہے۔ لیکن اگر اختلاف زیادہ ہے تو پھر ہم وہاں دو یا تین استعمال نہیں کر سکتے ایک آم اور ایک امرود کو دو پھل کہہ سکتے ہیں۔ کن اشیاء کو ہم ملا کر بول سکتے ہیں۔ یہ ہر زبان کے طرز اظہار پر موقوف ہے۔

(۴) بعض الفاظ اگرچہ واحد استعمال ہوتے ہیں لیکن ان میں ایک سے زیادہ کا مفہوم ہوتا ہے جیسے جوڑا، درجن، کوڑی، ہفتہ عشرہ۔ پھر ان کی بھی جمع آتی ہے، دو جوڑے، دو جوتے .... چار درجن بٹن وغیرہ۔

(۵) اکثر قیمت، وقت، ناپ تول سمیت کے الفاظ جمع کے موقع پر بھی واحد ہی استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے یہ گھوڑا میں نے ایک ہزار روپے میں خریدا اس کی قیمت سو اشرفی ہے، وہ تین مہینے سے غیر حاضر ہے، وہ چار ہفتے میں آجائے گا۔ وہ ساٹھ برس کا ہے۔ دو صدی سے یونہی چلا آتا ہے۔ اس پر چاروں طرف سے حملہ ہوا، میرے پاس کئی قسم کی کتابیں ہیں۔ ان کا کھیت چار بیگھے کا ہے۔

(۶) اسیطرح شمار کیلئے علاوہ گنتی کے اعداد کے خاص الخاص لفظ خاص اشیاء کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں، مگر وہ ہمیشہ واحد ہی رہتے ہیں، جیسے چار راس گھوڑے، دس زنجیر ہاتھی، پچاس قطار اونٹ۔ دس نفر مزدور۔ چار منزل مکان۔ مگر دانہ اور جلد فارسی ترکیب میں واحد اور اردو میں جمع استعمال ہوتے ہیں جیسے دانہ سیب

چار جلد کتب۔ ترکیب میں چار دانے سیب کے، پچاس جلدیں کتابوں کی، وغیرہ۔

۷۔ تعظیم یا عظمت کے لئے بجائے واحد کے جمع کے لفظ کا استعمال کرتے ہیں۔ جیسے حضرت ہمارے بڑے ہیں یا ہماری آنکھوں کے تارے ہیں۔ اسی طرح بزرگوں اور بڑوں کے لئے باوجود واحد کے تعظیماً فعل وغیرہ جمع استعمال ہوتا ہے، جیسے آپ کے والد کہاں ہیں، تمہارے استاد نہیں آئے۔

۸۔ بعض الفاظ اگرچہ واحد ہیں۔ مگر زبان کے روزمرہ محاورے میں جمع مستعمل ہیں۔ جیسے:

معنی	اس لفظ کے کیا معنی ہیں۔
دام (بمعنی قیمت)	اس کتاب کے کیا دام ہیں۔
بھاگ (بمعنی نصیب)	اس کے بھاگ کھل گئے۔
کرم (نصیب)	کرم پھوٹ گئے
نصیب	نصیب جاگ اٹھے (واحد بھی مستعمل ہے)
کوتک	اس کے کوتک اچھے نہیں۔
کرتوت	تمہارے کرتوت اچھے نہیں۔
درشن	آج ان کے درشن نہیں ہوئے۔
اوسان	اوسان خطا ہو گئے۔
مسیں	مسیں بھیگی ہیں۔

دستخط، پت اور ختنہ جمع اور واحد دونوں طرح مستعمل ہیں جیسے میرے دستخط اور میری دستخط، تم میں پت نکلے، تم میں پت نکلی اس کا ختنہ ہو گیا۔ اس کے ختنے ہو گئے۔

۹ - بعض لفظ اگرچہ اصل میں جمع ہیں لیکن واحد استعمال ہوتے ہیں جیسے اصول ، کرامات ، اخبار وغیرہ - میرا یہ اصول ہے - یہ حضرت کی کرامات ہے - یہ روزانہ اخبار ہے -

۱۰ - تعداد وغیرہ معین مثلاً دسوں ، بیسیوں ، یا بیسویں ، سینکڑوں ، ہزاروں ، لاکھوں ، کروڑوں ، صدہا - ہزارہا ، لکھو کھا کے ساتھ اکثر الفاظ واحد استعمال ہوتے ہیں اور معنی جمع کے دیتے ہیں اور انھیں معنوں میں یہ الفاظ جمع کی صورت میں بھی استعمال ہوتے ہیں یعنی دونوں استعمال جائز ہیں - جیسے -

ہزارہا مکان جل گیا	ہزارہا مکان جل گئے
ہزارہا روپیہ بگڑ گیا	ہزاروں روپے بگڑ گئے
صدہا تماشائی موجود تھا	صدہا تماشائی موجود تھے
قحط میں سینکڑوں جانور بھوکا مر گیا -	قحط میں سینکڑوں جانور بھوکے مر گئے

تعداد معین کے ساتھ بھی یہ استعمال جائز رکھا گیا ہے جیسے دس ہزار گورا پڑا ہے پانچ ہزار سوار اترا ہوا ہے ، پندرہ ہزار پیدل کھیت رہا ، پانسو آدمی کھڑا ہے - ایک ہزار کرسی پڑی ہے - اسی طرح انھیں جملوں میں یہ الفاظ جو واحد مستعمل ہوئے ہیں - جمع بھی مستعمل ہو سکتے ہیں دس ہزار گھوڑے پڑے ہیں وغیرہ وغیرہ

۱۱ - یہی حال مقدار کا ہے جیسے سیروں ، منوں غلہ پڑا ہے یا مقدار اور وقت کے لئے جیسے گھنٹوں ، پہروں ، برسوں وغیرہ -

۱۲ - بعض اسماء سوائے خاص صورتوں کے ہمیشہ واحد استعمال ہوتے ہیں

(ا) اسمائے کیفیت جیسے درد۔ بخار، مطالعہ، رفتار وغیرہ۔
(ب) اسمائے خواص، خواہ اشخاص کے ہوں یا اشیاء کے
(ج) اشیاء مادی۔
(د) دھاتوں اور دیگر معدنیات کے نام، جیسے سونا، چاندی، تانبا
رانگ۔ سیسا، جست، پیتل، پالی، اس میں چاندی مونث
ہے باقی سب مذکر۔
(ہ) پیداوار میں اکثر غلوں وغیرہ کے نام۔ جیسے
باجرا، جوار، مکئی، موٹھ، مونگ، مسور، ارہر، شکر، گڑ، کھانڈ وغیرہ
سونٹھ، اجوائن، گاؤزبان، عقرقرحا۔ اسی طرح اشیاء خوردنی
جیسے گھی، شہد، مرچی، آٹا، نمک، ہلدی، تمباکو چھالیا۔ مگر الائچی
پان کی جمع آتی ہے۔
جیسے ان پانوں میں وہ مزہ کہاں، کیونکہ یہ چیزیں گنتی میں آسکتی ہیں۔ لیکن
غلوں میں گیہوں، چنا، تل، جو واحد اور جمع دونوں صورتوں میں استعمال
ہوتے ہیں، جیسے آج کل گیہوں بہت اچھا آیا ہوا ہے یا اچھے آئے ہیں واحد
کے استعمال میں عموماً اس شئے کی قسم سے مراد ہوتی ہے یہ چنا اچھا ہے وغیرہ۔
ان میں بعض اشیاء ایسی ہیں کہ جب انکی مختلف قسمیں بیان کرتی ہوں تو
صورت جمع استعمال کرتے ہیں جیسے اس چورن میں ساتوں نمک ہیں، گیہوں
چنا جوار، ان تینوں کے آٹے ملا کر روٹی پکائی۔ سب دالیں ملا کر پکاؤ۔
(۱۳) فارسی ترکیب اضافی کا مضاف صورت واحد میں زبان فارسی کے
استعمال کے خلاف اردو میں، واحد اور جمع دونوں صورتوں میں واحد
ہی رہتا ہے، جیسے۔

ہمارے داغ عصیاں داغ کیا رنگ لائیں گے
گماں گذرے گا دوزخ پر بھی بہت کے گلستاں گا (داغ)

پیری میں ہووے نالۂ گرم دلا سرد!
معمول ہے چلتی ہے دم صبح ہوا سرد! (ناسخ)

قحط باراں نہیں، دے جلد شراب اے ساقی (امیر)
لکۂ ابر دھواں دھار چلے آتے ہیں!

وہ ان اٹکھیلیوں سے آتے ہیں!
فتنۂ خفتہ جاگ جاتے ہیں! (مجروح)

۴۔ دل بے آرزو جب سے ملا اے نظم حیران ہوں
کسی کے منہ، سے حرف آرزو کیونکر نکلتے ہیں! (نظم طباطبائی)

۴۔ محاورے میں بعض الفاظ جمع استعمال ہوتے، جیسے بھوکوں مرنا، انگلوں بڑھنا، جاڑوں مرنا، دردوں سے ہونا۔

حالت

حالت کی کیفیت عجیب اور پیچیدہ ہے کیونکہ ہر زبان میں اس کے متعلق اختلاف ہے قدیم زبانوں میں مثلاً لاطینی، سنسکرت، عربی قدیم، انگریزی، نیز ترکی میں اسم کی ہر حالت کے لئے آخر میں خاص علامت ہوتی ہے جو اسم کا جز ہوتی ہے۔ ہر حالت کے تغیر کے لئے اس کی ساخت ہی میں تغیر ہو جاتا ہے یعنی جس طرح گردان (تصریف) میں کسی اسم کے آخر حرف میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اسم کی حالتوں میں بھی آخری حرف کی صورت بدل جاتی ہے۔ مثلاً عربی میں فاعلی حالت کے لئے آخر حرف پر رفع (پیش) اور مفعولی حالت میں نصب (زبر) اور اضافی اور ظرفی میں کسرہ

(زیر) ہوتا ہے اسی طرح لاطینی، ترکی اور سنسکرت میں لفظ کے آخر میں، لاحقے یا علامتیں اسم کی حالت بتاتی ہیں۔ سنسکرت میں اسم کی حالتیں آٹھ ہیں۔ اور مختلف حالتوں کی صورت میں لفظ کے آخر حرف میں علامت یا حرف کے اضافے سے تبدیل ہو جاتی ہے اگرچہ سنسکرت کا اثر ہندی اور اردو پر ظاہر ہے لیکن ان کی صرف و نحو پر بہت کم یا بالکل نہیں ہوا۔ اردو اور ہندی میں اسماء کے آخری حرف میں جنس و تعداد کی وجہ سے یا بعض حروف کے آنے سے تبدیلی ہوتی ہے۔ جس کا ذکر صرف میں تفصیل سے ہو چکا ہے۔ اس لحاظ سے ہندی یا اردو میں کوئی اور حالت نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے۔ قدیم زبانوں یا دوسری زبانوں میں اسم کی حالت، حرف کی آخری علامت یا تبدیلی سے ہوتی ہے، اردو میں اس کے بجائے الگ حرف یا لفظ آتے ہیں، مثلاً نے، کو، کا، کے، کی وغیرہ اور ان کی ضرورت بھی بعض خاص صورتوں میں ہوتی ہے مگر لفظ کی صورت میں کوئی فرق نہیں آتا اور حالت کے مختلف ہونے پر بھی لفظ کی صورت وہی رہتی ہے۔ مثلاً احمد نے محمود کو کتاب دی۔ اگرچہ احمد اور محمود کی حالتیں مختلف ہیں مگر لفظوں کی صورت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ دوسری مثال لیجئے۔ احمد روٹی کھاتا ہے یہاں احمد اور روٹی کے ساتھ نہ کوئی علامت ہے نہ کوئی لفظ حالانکہ ان کی حالتیں مختلف ہیں البتہ ضمیر میں وہی صورت ہے جو بعض قدیم زبانوں یا ترکی میں پائی جاتی ہے۔ مجھے، تجھے، میرا، تمہارا وغیرہ اس لئے

کچھ تو ضمیر کے خیال سے اور کچھ بلحاظ معنی ہمیں اردو میں بھی اسم کی حالتیں قائم کرنی پڑتی ہیں۔ حالت جن چیزوں کو بتاتی ہے وہ یہ ہو سکتی ہیں۔

۱۔ کام کرنے والا (فاعلی)

۲۔ خطاب (ندائی)

۳۔ خبر (خبری)

۴۔ جس پر کام کا اثر ہوا (مفعولی)

۵۔ نسبت (اضافی)

۶۔ مقدار اور پیمائش، طور طریقہ، مکان و زمان وغیرہ (طوری)

اب ان تصورتوں کو پیش نظر رکھ کر حالتوں کے تین درجے قائم کئے جا سکتے ہیں

درجہ اول کی حالتیں جنھیں اولیت حاصل ہے۔

فاعلی حالت

ندائی حالت

خبری حالت

۲۔ الحاقی حالت یعنی اضافی

۳۔ تابع یا طوری حالت، جس میں مکان و زمان، طور و طریقہ ذریعہ وغیرہ سب آجاتے ہیں۔

فاعلی حالت

فاعل یا تو کام کرنے والا ہے، جیسے وہ کھاتا ہے: وہ پڑھ رہا ہے یا ہونے والا یعنی اس سے کام کا کرنا نہیں پایا جاتا بلکہ ہونا یا سہنا پایا جاتا ہے۔ جیسے وہ بیمار ہے۔ وہ مر گیا ہے وغیرہ۔

ایسے جملوں میں دونوں اسم ایک ہی حالت میں ہوتے ہیں اور ایک دوسرے

کے بجائے آتا ہے یا اس کا بدل ہوتا ہے۔
نے فاعل کی علامت ہے، یہ علامت فاعل کے ساتھ ہر جگہ ہی آتی ہے۔ اس کے استعمال کے موقعے مخصوص ہیں جن کا ذکر آگے کیا جاتا ہے۔

"نے" علامت فاعل

نے فاعل کی علامت کے طور پر قدیم ہندی میں کہیں استعمال نہیں ہوا، اور ہندی کی پوری شاخوں میں اس کا وجود نہیں تلسی داس تک کے کلام میں بھی کہیں اس کا استعمال نہیں پایا جاتا، اس کا استعمال اس طور پر غالباً اس وقت شروع ہوا جبکہ اردو نے اپنا سکہ جمالیا۔ البتہ مرہٹی میں اس کا استعمال اردو یا ہندی کی طرح ہوتا ہے، لیکن پہلے بطور علامت مفعول استعمال ہوتا تھا جس کا پتا پنجابی اور گجراتی سے ملتا ہے گجراتی میں نے فاعلی اور مفعولی دونوں حالتوں کے لئے آتا ہے مگر اردو میں صرف فاعلی حالت کیلئے مخصوص ہے۔ اس کے استعمال کے متعلق ذیل کے موقعوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

۱۔ نے علامت فاعل صرف فعل متعدی کے ماضی مطلق، تمام، احتمالی اور حال قریب کے ساتھ آتا ہے جیسے میں نے کھانا کھایا، اس نے احمد کو مارا، یہ کس نے لکھا؟ میں نے لکھا ہوگا۔ میں نے لکھا ہے۔

اگرچہ لانا، بھولنا، شرمانا، بخشنا، بولنا، متعدی افعال ہیں۔ مگر اس قاعدے سے مستثنیٰ ہیں جیسے میں کتاب لایا۔ وہ رقعہ لے گیا۔ میں تمہارا نام نہیں بھولا۔ وہ دیر تک مجھ سے بخشا۔ وہ اس حرکت سے شرمایا۔ وہ بولے چل دور ہو، لیکن بعض اوقات بولنے کے ساتھ جب کوئی لفظ بطور مفعول ہوتا ہے تو "نے" لگا دیتے ہیں۔ جیسے اس نے جھوٹ بولا

گر وہ جھوٹ بولا بھی صحیح ہے۔

۲۔ لیکن جب فعل متعدی کے ساتھ کوئی متعدی امدادی فعل آئے تو جب قاعدہ فاعل کے ساتھ "نے" آوے گا۔ مگر جب فعل امدادی لازم ہو تو پھر یہ علامت "نے" متعدی فعل کے ساتھ بھی آوے گا۔ اور پورا فعل لازم خیال کیا جائے گا۔ جیسے۔

میں نے رقعہ بھیجا	(فعل متعدی بلا فعل امدادی)
میں نے رقعہ بھیج دیا	(فعل متعدی مع فعل امدادی متعدی)
میں رقعہ بھیج چکا	(فعل متعدی مع فعل امدادی لازم)
میں رقعہ نہ بھیج سکا	(ایضاً)

اسی طرح اس نے مجھ سے دو روپے لئے وہ مجھ سے دو روپے لے گیا اس نے سارے آم کھا لئے۔ وہ سارے آم کھا گیا۔ اس نے ہنس دیا، اور وہ ہنس دیا، اس نے رو دیا اور وہ رو دیا۔ دونوں مستعمل ہیں لیکن بغیر نے کے زیادہ فصیح ہیں۔

فعل لازم کے ساتھ اگرچہ فعل امدادی متعدی ہو تو بھی علامت فاعل کا اظہار نہیں کیا جائے گا۔ جیسے وہ آلیا۔ وہ سو لیا، لیکن آلینا جب مرکب فعل ہو جو خاص محاورے کے معنوں میں آتا ہے تو "نے" آئے گا۔ جیسے اس نے مجھے آلیا۔

لیکن جب امدادی فعل کے آنے سے فعل لازم متعدی بن جائے تو "نے" آئے گا۔ جیسے اس نے مجھے آلیا۔ تم نے اسے کیوں ٹھہر نے دیا۔ اس لڑکے نے بیمار کو سونے نہ دیا۔ ایسی حالت میں اصل فعل کے معنوں میں بہت تغیر ہو جاتا ہے۔ اور فعل لازم نہیں رہتا۔

۳۔ بعض متعدی فعل ایسے ہیں کہ ان کے ساتھ "نے" کا استعمال ہوتا بھی اور نہیں بھی ہوتا جیسے۔

میں بازی جیتا، میں نے بازی جیتی — جب بطور لازم استعمال ہوتے ہیں تو "نے" مطلق نہیں آتا۔ جیسے تم جیتے میں ہارا۔

میں شرط ہارا، میں نے شرط ہاری

میں بات سمجھا، میں نے بات سمجھی

میں کام سیکھا، میں نے کام سیکھا۔

سیکھے ہیں مہ رخوں کے لئے ہم مصوری
تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہیئے (غالب)

یہ سبق بھی کوئی پڑھا کبھی، کسی نے یہ سبق بھی پڑھا۔

۴۔ بعض افعال لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتے ہیں متعدی ہونے کی صورت میں "نے" علامت فاعل فعل کے ساتھ استعمال ہوتی ہے لازم کی حالت میں نہیں۔

جیتنے اور ہارنے کا پہلے ذکر ہو چکا ہے، اس کی صورت مستثنیٰ ہے لازم اور متعدی دونوں ہیں۔ لازم ہونے کی صورت میں "نے" نہیں آتا مگر متعدی کی حالت میں "نے" آتا ہے۔ جیسے۔

پکارنا۔ اس نے مجھے پکارا۔	متعدی
" ــــ وہ پکارا	لازم
بھرنا۔ اس کا پیٹ بھرا	لازم
" میں نے پانی بھرا	متعدی
پلٹنا۔ خط میں جب آپ نے تحریر سراسر پلٹی	متعدی
پلٹنا۔ میں نے جانا مری تقدیر سراسر پلٹی	لازم

بدلنا۔ جب سے وہ بدلا ہے ساری دنیا بدل گئی (ظفر) (لازم)
میں نے کپڑے بدلے متعدی

"چاہنا" کے ساتھ ہمیشہ "نے" آتا ہے۔ جیسے ہم نے چاہا تھا کہ مر جائیں سو وہ بھی نہ ہوا۔ لیکن جب جی اور دل کے ساتھ استعمال ہوتا ہے تو نہیں آتا جیسے جی چاہا تو آؤں گا۔ اس کی کیا پوچھتے ہو۔ دل چاہا گیا دل چاہا نہ گیا۔

۵۔ تھوکنا، موتنا، ہگنا، افعال لازم ہیں مگر ان کے ساتھ نے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے میں نے تھوکا، اس نے موتا۔

تھوکنا اور موتنا کبھی متعدی بھی ہوتے ہیں جیسے

دوگانا جان کی بچی نے موتا بچھونا زی پر (جان صاحب) ب بچے نے نہالچے پر سوتا۔

اس نے مجھ پر تھوکا۔ اس کو ساری دنیا نے تھوکا۔ مگر بے غیرت اکی بلا دور، کچھ بھی اثر نہ ہوا۔

بعض افعال کے ساتھ جو خاص موقع پر متعدی استعمال ہوتے ہیں۔ "نے" علامت فاعل نہیں آتی۔ جیسے میں اسے رویا۔ وہ مجھ پر ہنسا۔ کتا بلی پر جھپٹا۔ وہ مجھ سے لڑا۔ یہ خیال رہے کہ یہاں "پر" اور "سے" علامت مفعول ہیں

۷۔ جب علامت فاعل وہ، جو اور کون کے ساتھ آتی ہے تو وہ اس سے، جو جس سے اور کون کس سے بدل جاتا ہے۔ جیسے اس نے مارا۔ کس نے مارا۔ جس نے کہا غلط کہا۔

۸۔ "نے" علامت فاعل ہے۔ اور مفعول کے ساتھ کبھی نہیں آتی۔ لیکن جب مجھ اور تجھ کے ساتھ کوئی صفت آتی ہے۔ تو "نے" استعمال ہوتا ہے جیسے مجھ کمبخت نے یہ کب کہا تھا کہ مجھ خاکسار نے ایسا نہیں کیا۔ تجھ

بدبخت نے ایسا کیا۔

اصل یہ ہے کہ مجھ اور تجھ پراکرت کے ضمائر اضافی مجھا اور تجھا سے نکلے ہیں چنانچہ اسی سے قدیم اردو میں مجھ اور تجھ بھی بطور اضافی کے استعمال ہوتے تھے مثلاً نصرتی ملک الشعرائے دربار عادل شاہ اپنی مثنوی گلشن عشق میں لکھتا ہے۔

کہا سن کر یوں ان کے اے دل کے یار
فدا ہے یہ تجھ بات پر جیو ہزار!

یہاں تجھ بات سے مطلب تیری بات ہے۔ غرض "تجھ" حالت اضافی سے حالت مفعولی میں آیا۔ اور صفت کے ساتھ اب بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے مجھ خاکسار کی حالت۔ صفت کے بیچ میں حائل ہو جانے سے یہ نظر انداز ہو گیا کہ مجھ کس حالت میں ہے اور اس لئے اضافی اور فاعلی حالتوں میں استعمال ہونے لگا۔ مجھا کے میم پر زبر ہے لیکن تجھا کے ساتھ ساتھ آنے سے مجھ کی میم پر پیش آگیا۔

"نے" کا ایک اور غلط استعمال رواج پا گیا ہے جس کا ارتکاب بعض قابل اور مستند ادیب (خاص کر پنجاب کے) کر بیٹھتے ہیں۔ مثلاً یہ میں نے دیکھا ہوا ہے۔ یہ تقریر میں نے سنی ہوئی ہے (یا میں سن چکا ہوں) یہ کتابیں میری پڑھی ہوئی ہیں (یا میں پڑھ چکا ہوں)

ندائی حالت

ندائی حالت کے متعلق کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں، بعض زبانوں مثلاً لاطینی سنسکرت وغیرہ میں اس کی صورت جدا ہوتی ہے اور اسی لئے

حالت بھی الگ مقرر کی گئی ہے لیکن اکثر زبانوں میں فاعلی اور ندائی حالتیں یکساں ہوتی ہیں اور الگ نام کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ندائی حالت میں اسم بطور مخاطب کے استعمال ہوتا ہے اور جملے سے الگ تھلگ نظر آتا ہے یا بذات خود ایک جملہ ہوتا ہے۔ اس میں اور امر میں بہت کچھ مشابہت پائی جاتی ہے۔ مثلاً التجا یا حکم کا اظہار جیسے سنو، دغیرہ۔

ندائی اور فاعلی حالت کا گہرا تعلق امر کی صورت سے ظاہر ہوتا ہے مثلاً ہم کہیں "تم ادھر آجاؤ" "تم" کی جگہ احمد ہو تو جملہ یوں ہوگا "احمد تم ادھر آجاؤ" اس مثال سے ان دونوں حالتوں کا تعلق صاف ظاہر ہوتا ہے۔

ندائی حالت اکثر حروف ندا کے ساتھ آتی ہے جیسے: اے دوست، او لڑکے۔ ادبے رحم، وغیرہ۔ مگر بعض اوقات حروف ندا نہیں بھی آتا جیسے صاحبو! لوگو! بیٹا! قبلہ! وغیرہ۔

شعرا اپنی نظموں میں خصوصاً مقطع میں اپنا تخلص لاتے ہیں جو اکثر ندائی حالت میں ہوتا ہے۔

ہوت، دور سے بلانے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

ارے، ابے، حقارت کے لئے اور ادنیٰ لوگوں کے لئے استعمال ہوتا ہے مگر ان کا استعمال فصیح خیال نہیں کیا جاتا۔

رے، اللہ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے تو اس کے معنی تعجب کے ہوتے ہیں، اللہ رے تیرا استغنا!

بے تکلفی میں "ارے" کا لفظ میاں کے ساتھ آتا ہے، جیسے ارے

میاں! یا اضطراب کے موقع پر جیسے ارے لوگو! یہ کیا غضب ہوا۔ بعض مقامات پر ارے صاحب! ارے جناب بھی بولتے ہیں۔ مگر یہ فصیح نہیں خیال کیا جاتا۔

مفعولی حالت

۱۔ مفعول وہ ہے جس پر فاعل کے فعل کا اثر پڑے۔ مفعول درحقیقت فعل متعدی کے ٹکنے کا کام دیتا ہے۔ جیسے احمد نے حامد کو مارا۔ ہاشم نے باقر کو انعام دیا۔ اس نے کھانا کھایا۔ رام کتاب پڑھتا ہے۔

(ا) جب فعل کا ایک ہی مفعول ہو اور ذی عقل ہو تو مفعول کے ساتھ "کو" آتا ہے، جیسے کہ اوپر کی مثالوں سے واضح ہے۔ لیکن اگر مفعول غیر ذی عقل ہو یا بے جان اشیاء میں سے ہے تو اس کے ساتھ "کو" علامت مفعول نہیں آتا۔ جیسے میں نے کھانا کھایا۔ بکری پانی پیتی ہے۔ احمد نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ذیل کی مثالوں سے دونوں طرح کے مفعولوں کے استعمال کی حالت معلوم ہوگی

میں نے احمد کو دیکھا	میں نے وہ نقشہ دیکھا
میں احمد کو جانتا ہوں	میں ریاضی جانتا ہوں
میں نے احمد کو مارا	میں نے سانپ مارا
اس نے سائیس کو پیٹا	اس نے ڈھول پیٹا۔

(ب) میں نے ایک آدمی دیکھا، صحیح ہے۔ لیکن جب آدمی کا نام لیں یا کوئی اور تخصیص اشارے یا اضافت وغیرہ سے پیدا کر دیں تو "کو" لانا ضروری ہے جیسے میں نے مسعود کو دیکھا۔ میں نے اس آدمی کو دیکھا۔ میں نے تمہارے بھائی کو دیکھا۔ لیکن اس کی چالیں میں ہی خوب سمجھتا ہوں اور اس کی چالوں کو میں ہی خوب سمجھتا

ہوں۔ دونوں صحیح ہیں۔ یا جیسے "میری فریاد کو پہنچو" یہاں محاورے کی رو سے بالکل صحیح اور فصیح ہے۔

(ج) ضمیریں فاعلی اور مفعولی حالتیں معین ہیں ان میں کوئی تغیر نہیں ہوتا جیسے میں نے اسے (یا اس کو) دیکھا۔ میں نے انھیں (یا ان کو) نکال دیا تمہیں کس نے بلایا تھا؟

(د) بعض محاورات میں جہاں مفعول مصدر کے ساتھ آتا ہے "کو" لانا غیر فصیح ہی نہیں بلکہ غلط ہے مثلاً منہ چڑانا، کان کھولنا، سر اٹھانا، جان دینا، تنکے چننا، تارے گننا وغیرہ مثلاً کس نے میری تباہی پر کمر باندھ رکھی ہے" یہاں "کمر کو باندھ رکھا ہے" کہنا صحیح نہ ہوگا۔
اسی طرح دوسری بے جان اشیاء اور کیفیت قلبی کے ساتھ بھی یہی عمل ہوتا ہے جیسے خط لکھا۔ شراب پی۔ پانی پیا۔ خربوزہ کھایا۔ رنج نہ کرو مہربانی رکھو۔

(ہ) یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ جب عمومیت ہوتی ہے تو "کو" نہیں آتا، لیکن جب خصوصیت کا اظہار کیا جاتا ہے یا توجہ دلانی مقصود ہے تو "کو" بولتے یا لکھتے ہیں لیکن یہ غیر ذی عقول اور بے جان اشیاء کے ساتھ مخصوص ہے ذوی العقول کے ساتھ بہت کم۔ نیچے لکھی ہوئی کو دیکھیے۔

میری فریاد کو پہنچو	اس بوجھ کو اٹھاؤ تو جانوں
مایا کو چھوڑ رام کو لے	اپنے دل کو دیکھ اور غور کر

ذیل کی مثالوں میں عمومیت پائی جاتی ہے آخری مثال میں باوجود خصوصیت کے "کو" استعمال نہیں ہوا۔ ذوی العقول میں یہ ضرور نہیں۔

میں نے سب پڑھ دیکھے کوئی کام کا نہ نکلا۔ جیتی لڑکی میں تمہیں دے دوں یہ ممکن نہیں، ہاں لاش کے تم مالک ہو۔ تم نے کیا بات دیکھی جو اسقدر ریجھے ہوئے ہو۔

(و) بعض افعال کے ساتھ فعل کے اسی مادے کا مفعول قریب استعمال ہوتا ہے۔ اسے عربی میں مفعول مطلق کہتے ہیں۔ جیسے تم کیسی چال چلتے ہو آدمیوں کی سی چال چلو، وہ بڑا بول بولتا ہے اس کے ساتھ "کو" کبھی نہیں آتا۔

۲۔ بعض افعال کے دو مفعول ہوتے ہیں۔

(ا) بعض افعال متعدی یا متعدی المتعدی کے دو مفعول ہوتے ہیں ان میں سے ایک شخص ہوتا ہے دوسرا شے، مفعول شخصی کے ساتھ ہمیشہ "کو" آتا ہے۔ جیسے میں نے فقیر کو روپیہ دیا۔ اس نے سب کو مٹھائی کھلائی۔

(ب) جو افعال بنانے، مقرر کرنے بلانے یا نام رکھنے کے معنوں میں ہوں یا جو افعال قلوب ہوں یعنی ان کے معنی سمجھنے، جاننے اور خیال کرنے کے ہوں تو ان کے ساتھ بھی دو مفعول ہوتے ہیں۔ مفعول اول کے ساتھ اکثر "کو" آتا ہے جیسے تم اس کو کیا خیال کرتے ہو، انہوں نے ہری کو اپنا راجہ بنایا میں اسے (اس کو) آدمی سمجھتا تھا۔ مگر وہ کچھ اور نکلا۔ وہ مجھے (مجھ کو) حکیم سمجھا۔ گورنر نے اسحاق کو کوتوال بنا دیا۔

(ج) ایسے افعال کے طور پر مجہول میں جن میں دو مفعول ہوتے ہیں مفعول قریب فاعل کا قائم مقام ہو (رہے) مگر حالت اس کی وہی رہتی یعنی "کو" اسی کے ساتھ آتا ہے۔ جیسے فقیروں کو کھانا کھلا دیا جائے۔ اس کو تنخواہ دے دی جائے۔

۳۔ اگرچہ "کو" عام طور پر علامت مفعول ہے لیکن بعض اوقات سے، کے اور پر، بھی "کو" بجائے علامت مفعول کے طور پر استعمال ہوتے ہیں جیسے

میں نے احمد کے تھپڑ مارا ۔ میں نے احمد کے کاجل لگایا ۔
محمود سے کہو میں خالد سے محبت کرتا ہوں ، اس پر رحم کرو ۔
اسی طرح روزمرہ میں بعض اوقات مجھ کو اور اس کو کی جگہ " میرے اور اس کے " استعمال ہوتے ہیں جیسے اس نے میرے ہاتھ جوڑے ۔ میں نے اس کے ہاتھ جوڑے ۔

۴ ۔ کبھی یہ علامت مفعول غرض اور معاوضے کو ظاہر کرتی ہے جیسے وہ کام سیکھنے کو آتا ہے ۔ بادشاہ سلامت سیر کو نکلے ۔ میں گرو کے درشن کو جاتا ہوں یہ کتاب کتنے کو دو گے ۔ میں نے دو سو روپے کو گھوڑا بیچا ۔

عربی میں اسے مفعول لہ کہتے ہیں یہاں " کو " واسطے اور لیے کے معنی میں آیا ہے عام طور پر یہ معنی زیادہ اضافی صورت میں ادا کئے جاتے ہیں جیسے وہ کام سیکھنے کے لیے آتا ہے وغیرہ

۵ ۔ بعض مصادر اردو میں ایسے ہیں کہ ان کے ساتھ فاعل مفعول کی صورت میں آتا ہے ۔ جیسے اسے کچھ نظر نہیں آتا ۔ مجھے وہ دکھائی نہیں دیتا مجھے جانا پڑا ۔ ہمیں وہاں جانا ہے ۔ اسے تن بدن کی سدھ نہیں ۔ ان جملوں میں سے میں اسے مجھے ہمیں بظاہر مفعول حالت میں ہیں اگرچہ حقیقت میں فاعل ہیں ۔ یہ زبان کا روزمرہ ہے اس میں کسی قاعدے کا دخل نہیں یہ استعمال عموماً پڑنا اور ہونا کے ساتھ آتا ہے جہاں ضرورت یا مجبوری کا اظہار مقصود ہوتا ہے ۔

۶ ۔ اس موقع پر " ملنا " کا ایک استعمال بھی قابل غور ہے اس میں جو شے ملتی ہے وہ فاعلی صورت میں ہوتی ہے اور پانے والا مفعولی حالت میں ہوتا ہے جیسے اسے انعام ملا ۔ ہمیں کچھ نہ ملا ۔

بالکل یہی استعمال لازم ہے ، مناسب ہے اور چاہیئے وغیرہ کے ساتھ

ہوتا ہے جیسے تم کو کچھ فکر تو کرنی چاہیئے - مجھے یہ بات جلد کہنی مناسب ہے آدمی کو چاہیئے کہ بھلائی کرے - اس کو لازم ہے کہ دفتر کی باتیں باہر نہ کہے -

۷ - کبھی علامت مفعول "کو" سن کر باہر کرنے کیلئے آتی ہے جیسے (ع)

ہم شکل مصطفےٰ کو کو اٹھارواں ہے سال - یعنی سترہ پورے ہو چکے ہیں اور اٹھارہواں شروع ہے -

(ص) کبھی لزوم کے معنوں میں آتا ہے - جیسے

مہر و وفا و راحت و آرام کو رقیب
جور و جفا و کاوشں و خونِ جگر کو میں (داغ)

بعض اوقات علامت مفعول محذوف ہوتی ہے جیسے وہ صبح سویرے چل دیا - میں گھر گیا - وہ کھانا کھانے گیا ہے -

خبری حالت

جو اسم جملے میں کسی فعل یا واقعے کی خبر دیتا ہے - وہ خبری حالت میں ہوگا جیسے وہ اس شہر کا حاکم ہے - وہ یہاں کا کوتوال مقرر ہوا ہے، یہ صاحب افغانستان کے ایلچی ہیں - کل جو گدڑ یا تھا، آج بادشاہ ہے - وہ مجھے صورت سے درزی معلوم ہوتا ہے - ہم نے اسے اپنا قائمقام کیا ہے - وہ گنوار دکھائی دیتا ہے -

اوپر کی مثالوں سے معلوم ہوگا کہ جو الفاظ فعل کے ساتھ خبری حالت میں آویں وہ فعل کے معنوں کی تکمیل کرتے ہیں بعض افعال اپنے مفہوم کے لحاظ سے خبری حالت کے لئے خاص طور پر موزوں ہوتے ہیں ان میں سب سے بڑھ کر فعل ناقص "ہونا" ہے جو اصل حالت میں کثرت سے استعمال ہوتا ہے - بعض دوسرے افعال ناقص بھی اسی طرح استعمال ہوتے ہیں اگرچہ ان میں یہ کیفیت نہیں پائی جاتی جو "ہونا" میں ہے مثلاً پڑنا، لگنا، دکھائی دینا وغیرہ

اگرچہ خبری حالت کے اسم کا تعلق جملے میں وہی ہوتا ہے جو اس اسم کا ہے جو فاعلی حالت میں ہے مگر اکثر صورتوں میں خبری حالت کا اسم زیادہ عام ہوتا ہے مثلاً فاختہ ایک پرندہ ہے یہاں ظاہر ہے کہ پرندہ بہ نسبت فاختہ کے زیادہ عام ہے ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ پرندہ فاختہ ہے یعنی فاختہ تو پرندہ ہے لیکن ہر پرندہ فاختہ نہیں ہوتا۔ بعض صورتوں میں دونوں میں دو اسم برابر کے یا قریب برابر کے ہوتے ہیں جیسے انسان اشرف المخلوقات ہے۔

۳
اضافی حالت

اضافت کے معنی نسبت کے ہیں اور کسی لفظ کی اضافی حالت اس لفظ کے تعلق کو دوسرے لفظ سے ظاہر کرتی ہے۔ اس لیے جس لفظ کی طرف نسبت کی جاتی ہے اسے مضاف الیہ کہتے ہیں اور جو لفظ کی نسبت کیا جاتا ہے اسے مضاف کہتے ہیں۔ مثلاً محمود کا گھوڑا، یہاں گھوڑا حالت اضافی میں ہے اور اپنا تعلق محمود (یعنی مضاف الیہ سے ظاہر کرتا ہے۔ درحقیقت اگر دیکھا جائے تو مضاف الیہ ایک قسم کی صفت ہے اور مضاف موصوف، اور یہ دونوں مل کر ایک خیال ظاہر کرتے ہیں۔

اردو میں اضافی حالت مختلف قسم کے تعلقات کو ظاہر کرتی ہے جس کی تفصیل ذیل میں کی جاتی ہے۔

۱۔ ملک یا قبضہ ظاہر کرنے کے لیے جیسے وہ راجا کی باندی ہے یہ اس کے گھوڑے ہیں۔ ان جملوں میں کہ اس کا کیا بگڑتا ہے اس کا کیا

جاتا ہے " دکیا، کو حالت اضافی میں سمجھنا چاہیئے جو اسم کا قائمقام ہے اور ملک کے ظاہر کرنے کے لئے آیا ہے یا یہ کہہ سکتے ہیں کہ (کیا) کے بعد مال، شے بات وغیرہ ہیں مگر پہلی صورت زیادہ صاف ہے۔

۲- رشتے یا قربت کے اظہار کے لیئے جیسے میرا بیٹا۔ مسعود کا باپ اس کا چچا۔

۳- مادی اشیاء کا بیان جیسے سونے کی انگوٹھی۔ صندل کا صندوقچہ بھیڑوں کا چھتا۔

۴- ظرف و مکان و زمان کے لئے جیسے متھرا کا باشندہ۔ ملک ملک کے بادشاہ۔ یہ ایک منٹ کا کام ہے۔ چار دن کی بات ہے۔ یہ اگلے وقتوں کے لوگ ہیں۔

۵- کیفیت یا قسم کے ظاہر کرنے کے لئے جیسے قسم قسم کی باتیں بڑے اچنبھے کی بات ہے۔ ایک من کا بوجھ

۶- سبب یا علت کے لئے جیسے راستے کا تھکا ماندہ۔ دھوپ کا جلا نیند کا ماتا۔ موذی کے مارنے میں کچھ گناہ نہیں۔

۷- اصل ماخذ کے اظہار کے لیئے جیسے پونڈروں کا امیر۔ چنبیلی کی خوشبو باجے کی آواز۔

۸- وضاحت کے لیئے جیسے جمعہ کا دن۔ مئی کا مہینہ

۹- عمر کے لیئے۔ چھ برس کا بچہ۔ ستر برس کا بڈھا۔

۱۰- استعمال کے معنوں میں جیسے پینے کا پانی۔ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور ہیں اور دکھانے کے اور۔ یہ چاقو کسی کام کا نہیں۔

۱۱- قیمت کے اظہار کے لئے جیسے ایک روپے کے آم دو۔ اس کپڑے

کے کیا دام ہیں۔ دو روپے کا گھی لے آؤ۔

۱۲۔ تشبیہ کے لئے۔ جیسے اس کی کلائی شیر کی کلائی ہے۔

۱۳۔ استعارے کے ساتھ (استعارے کے معنی ہیں مانگے لینا یعنی کسی شے میں کوئی خاص بات۔ یا صفت پائی جاتی ہے وہ اس سے مانگ کر کسی دوسرے سے منسوب کرنا، جیسے اس کے دل کا کنول کھل گیا۔

۱۴۔ ادنیٰ تعلق کے لئے۔ یعنی ذرا سے تعلق سے سب چیز کو اپنی طرف منسوب کر لینا، جیسے اس کا ملک۔ ہمارا شہر وغیرہ۔

۱۵۔ صفت کے لئے۔ جیسے غضب کی گرمی۔ قیامت کی دھوپ ہے آفت کا پرکالہ۔

اسی طرح صفات کے ساتھ بھی مستعمل ہے۔ قول کا سچا۔ دھن کا پکّا۔ قسمت کا دھنی۔

۱۶۔ کُل کے جز کے لئے۔ جیسے قصہ کا آغاز۔ پہاڑ کی چوٹی۔ پانی کی ایک بوند۔

۱۷۔ کُل کے لئے۔ اس سے کل یا مبالغہ کا اظہار ہوتا ہے۔ اس کا استعمال عموماً اسی طرح ہوتا ہے کہ مضاف اور مضاف الیہ دونوں ایک ہی لفظ ہوتے ہیں۔ اور ان کے درمیان اضافت کا حرف ہوتا ہے جیسے سب کے سب، ڈھیر کا ڈھیر، آوے کا آوا بگڑا ہوا ہے۔ ایک شعر کیا غزل کی غزل مرصع ہے، شہر کا شہر اسی میں مبتلا ہے۔ قوم کی قوم۔ خاندان کا خاندان وغیرہ۔ اضافت کے ساتھ لفظ کا تکرار اور معنی بھی دیتا ہے جس کا مفصل بیان الفاظ کی تکرار میں آئے گا۔

۱۸۔ فاعل یا مفعول کے اظہار کے لئے جیسے اس کے بھاگ جانے

کی خیر ہے، میں اس کی تکلیف نہ دیکھ سکا۔ یہ استعمال اکثر مصادر کے ساتھ ہی ہوتا ہے اور مصدر اپنے فاعل یا مفعول یا ظرف کا مضاف ہوتا ہے صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا (غالب) رات کا آنا قیامت کا آنا ہے۔ دل کا آنا جان کا جانا ہے۔ وہاں کا بیٹھنا اچھا نہیں وغیرہ وغیرہ۔

۱۹ - بعض صفات اور دوسرے الفاظ ہمیشہ اضافت کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں جیسے لائق، قابل، برابر، متعلق، موجب، موافق، نسبت، طرف مطابق، بابت۔ مشابہہ۔ اسی طرح قبل، بعد، پاس، آگے، پیچھے، اوپر نیچے، تئیں، ہاں، لئے، واسطے طرح کے ساتھ بھی اضافت کے حروف آتے ہیں مگر، قبل اور بعد بعض اوقات بغیر اضافت کے بھی مستعمل ہیں جیسے دو ماہ قبل، دو ماہ بعد۔

۲۰ - بعض اوقات اضافت کے حرف کے بعد کا اسم (یعنی مضاف) محذوف بھی ہوتا ہے۔ جیسے ایمان کی تو یہ ہے کہ ایمان تو گیا۔ (یعنی ایمان کی بات) اس نے میری ایک نہ سنی۔

دل کی دل ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی

ملے تھے آج تو ہم بھی جناب آصف سے

عجیب رنگ میں ہیں پوچھتے ہو کیا ان کی

ایسی حالتوں میں اکثر بات یا حالت کا لفظ محذوف ہوتا ہے مگر کبھی کبھی دوسرے الفاظ بھی محذوف کر دیئے جاتے ہیں یا تو اس لئے کہ ان کا بیان اکثر خلاف تہذیب ہوتا ہے یا یہ کہ ان کا سمجھنا سہل ہوتا ہے مثلاً۔

غرض یہ سرکار ہیں پیٹ بھر کے

آج وہ پھر حجام آیا تھا۔ ان کی بھلی کہی۔

۲۱۔ بعض اوقات اور خاص کر نظم میں مضاف الیہ اور مضاف کی ترتیب بدل جاتی ہے جیسے۔

یہی حال دنیا میں اس قوم کا ہے
بھنور میں جہاز آکے جس کا گھرا ہے

یا جیسے نام تو ان کا مجھے تو یاد نہیں البتہ صورت یاد ہے یا کوئی مزاج پوچھے تو جواب دیں، شکر خدا کا۔ اس موقع پر ایک بات خاص طور پر قابل ذکر ہے اور وہ یہ کہ بعض اوقات جب اضافی ترکیب اپنی اصل حالت پر نہیں ہوتی بلکہ اضافت کا حرف جو عموماً مضاف الیہ اور مضاف کے درمیان واقع ہوتا ہے آخر میں واقع ہوتا ہے۔ آخر میں واقع ہونے محاورے میں "کی" کے بجائے "کے" استعمال ہوجاتا ہے۔ جیسے مانند شیر کے۔ یہاں اندو رے محاورہ صحیح ہے حالانکہ قاعدے کی رو سے "کی" ہونی چاہیئے۔ کیونکہ مانند مونث ہے جیسے آتش کا شعر ہے۔

معرفت میں اس خدائے پاک کے
اڑتے ہیں ہوش و حواس ادراک کے

یا میرانیس فرماتے ہیں" میدان میں تھا حشر بپا چال سے اس کی"۔ اسی طرح میر تقی فرماتے ہیں:" آنکھوں میں ہیں حقیر جس تس کے"، حالانکہ معرفت، چال، آنکھوں مونث ہیں، مگر ان کے ساتھ "کے"، استعمال ہوا ہے زبان کا محاورہ یہی ہے۔ اور اسی لئے اعتراض کی گنجائش نہیں۔ اگرچہ عام قاعدہ اس کے خلاف ہے۔ یہ استعمال اکثر نظم میں ہوتا ہے۔

۲۲۔ یہاں ایک اور نکتہ بھی قابل ذکر ہے جس کا تعلق زبان کے محاورے سے ہوتا ہے۔

ذیل کے فقروں میں " کے " کے استعمال پر غور کیجئے۔

احمد نے اس کے تھپیڑ مارا۔
اس کے سرمہ لگایا۔
گھوڑے نے اس کے لات ماری
میں نے اس کے چٹکی لی
اس کے اُبٹنا ملو
اس کے بیٹا ہوا
گدھے کے دم نہ تھی
اس کے چوٹ لگی وغیرہ وغیرہ

بعض حضرات کا اس کے متعلق یہ خیال ہے کر " کے " بعد کوئی ایک لفظ محذوف ہے مثلاً جب ہم کہتے ہیں کہ " اس کے تھپیڑ مارا " تو اصل میں ہے اس کے منہ پر تھپیڑ مارا۔ اسی طرح اس کے سرمہ لگایا۔ اس میں آنکھوں کا لفظ محذوف ہے " اس کے بیٹا ہوا " اس میں ہاں یا گھر محذوف ہے گدھے کے دم نہ تھی اصل میں یہ ہے کہ گدھے کے پاس دم نہ تھی " اس کے چوٹ لگی " یعنی اس کے بدن میں یا جسم میں وغیرہ۔

لیکن مجھے اس رائے سے اتفاق نہیں ہے " کے " اور " کو " دونوں کی اصل ایک ہے یعنی یہ سنسکرت کے حالیہ کرنا سے نکلے ہیں۔ قنوجی، میواڑی گڑھوالی، کماؤنی اور نیپالی میں " کو " " کے " حالت ب کے لئے آتا ہے اور بھوجپوری، ماگدھی اور میتھلی میں " کے " اور " کی " بھی مفعول کی علامت ہیں میری رائے میں اوپر کی مثالوں میں جو " کے " آیا ہے وہ بجائے " کو " کے ہے چنانچہ اب بھی دکن نیز دیگر مقامات میں ایسے موقعوں پر " کے " کی بجائے " کو " ہی استعمال

کرتے ہیں۔ یعنی "اس کے بیٹا ہوا" "اس کے دو بیٹے ہیں" کی بجائے اس کو بیٹا ہوا یا اس کے دو بیٹے ہیں کہتے ہیں۔ جو، اگرچہ اردو محاورے کی رو سے غلط ہیں۔ مگر اصل کا پتہ ضرور دیتے ہیں۔

۳۔ ظروی حالت

ظروی حالت کی کئی قسمیں ہیں۔ اس میں زمان اور مکان (ظرف) پیمائش وزن، قیمت، طریقہ، مقابلہ، ذریعہ یا آلہ وغیرہ کی تمام حالتیں آجاتی ہیں۔

۱۔ مکان یا مقام کی حالت عموماً میں، پر، سے کے ساتھ آتی ہے جیسے، دنیا جہان میں، شہر میں، گھر میں وغیرہ، وہ مدرسے سے گھر آیا۔ نکل شہر سے راہ جنگل کی لی۔ مسند سے اٹھا اور پلنگ پر آ بیٹھا، کبھی، میں، اور سے، دونوں مل کر آتے ہیں۔ جیسے۔ گھر میں سے بولا۔ چھت پر سے اترے۔

محاورے میں اس کا استعمال بکثرت ہوتا ہے۔ جیسے کانوں میں تیل ڈالے بیٹھے ہیں، اس کام میں میرا دل نہیں لگتا۔ وہ ہوش میں آیا وہ قدموں پر گر پڑا۔ کشن لال گدی پر بیٹھا ہے۔ وہ چھت پر چڑھ گیا۔ وہ گھوڑے پر سوار ہے۔ خدا کا دیا سر پر۔ بنارس گنگا پر واقع ہے۔

کبھی اس صورت میں جز کا تعلق کل سے ظاہر ہوتا ہے۔ جیسے خاندان بھر میں ایک ہی شخص ہے۔ ساری کتاب میں ایک صفحہ بھی پڑھنے کے قابل نہیں، وہ ہمارے دفتر میں منشی ہے۔ وہ ہم میں نہیں ہے۔ یہ شخص شرفائے شہر سے ہے۔ یہ حیوانات کی قسم سے ہے۔

کبھی چسپاں یا ملا ہوا ہونا کے معنی پائے جاتے ہیں، انگوٹھی

میں ہیرا جڑا ہے۔ ایک تولے سونے میں اتنا بڑا جھومر نہیں بن سکتا۔ جھالر میں موتی ٹکے ہیں۔

۲۔ زمانے کے اظہار کے لئے، جیسے یہ کام کتنے دنوں میں ہو جائے گا۔ وہ ایک مہینہ میں واپس آجائے گا۔ عین وقت پر آیا۔ پانچ بج کے دس منٹ پر آیا۔

۳۔ پیمائش کے لئے جیسے یہ درخت طول میں پانچ گز ہے۔ یہ تختہ چوڑائی میں چار فٹ ہے۔

۴۔ وزن کے لئے جیسے، تول میں کم ہے، سیر میں چار چڑھتے ہیں۔

۵۔ قیمت کے اظہار کے لئے، یہ کتاب کتنے میں پڑی۔

جب ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ مال کتنے کا ہے؟ تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کی اصل اور قطعی قیمت کیا ہے جب یہ پوچھتے ہیں کہ "یہ کتنے کو یا کتنے میں دو گے یا "یہ کتنے کو لیا یا کتنے میں لیا؟" تو اس کے معنی ہیں وہ قیمت جتنے میں یہ شے بکتی ہے۔ لیکن جب ہم یہ کہتے ہیں کہ "میں نے یہ لیمپ چار روپے میں لیا، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ قیمت خرید ہے یا اتنے میں پڑا ہے۔ ممکن ہے کہ اصلی قیمت یا قیمت فروخت کم و بیش ہو۔

۶۔ طریقہ۔ جیسے، اس نے بڑی محنت سے کام کیا۔ وہ بڑی محبت سے ملا۔ غور سے ملاحظہ فرمائیے۔ وہ بہت خاطر مدارات سے پیش آیا۔

۷۔ مقابلہ یا فوقیت، جیسے، وہ مجھ سے اچھا ہے، میں اس سے کس چیز میں کم ہوں، لیاقت میں، عزت میں، مال و دولت میں۔ ان دونوں میں کون بہتر ہے مجھ میں اس میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ وہ مجھ سے عمر میں بڑا ہے۔ لاکھ میں ایک ہے۔ وہ حسن میں یکتا ہے۔ وہ سب سے پہلے جا پہنچا۔ سخی سے سوم بھلا

اسے مجھ پر ترجیح ہے۔ اسے تم پر تقدم حاصل ہے۔ اس پر بس نہیں چلتا۔

۸۔ ذریعہ یا آلہ جیسے، یہ قفل دوسری کنجی سے نہیں کھلنے کا۔ میں نے اسے اپنی آنکھ سے دیکھا۔ ایک ہی ہاتھ میں کام تمام کر دیا۔ دو ہی باتوں میں پرچالیا۔ دو ہی کشوں میں حقہ جلا دیا۔

۹۔ معیت۔ جیسے، وہ بڑے ساز و سامان سے آیا۔ میں نے روٹی سالن سے کھائی۔

۱۰۔ جدائی یا علاحدگی، مادی ہو خیالی۔ جیسے وہ مجھ سے جدا ہو گیا۔ میں نے اسے غلامی سے آزاد کر دیا۔ اس نے مجھے آگ سے بچایا۔ تم مجھے وہاں جانے سے کیوں منع کرتے ہو۔ وہ کام سے جی چراتا ہے۔ یہ عقل سے بعید ہے۔

۱۱۔ مصروفیت، جیسے، دن رات مطالعہ میں رہتا ہے۔ اسے فرصت کہاں وہ تو شب و روز ناچ رنگ میں مشغول رہتا ہے۔ اپنے کام میں ہے۔

۱۲۔ حالت یا کیفیت۔ جیسے، اسی سوچ میں آنکھ لگ گئی۔ پینگ میں ہے نشے میں ہے۔ وہ اپنے ہوش و حواس میں نہیں۔ وہ نیند میں ہے۔ مصیبت میں ہے، کس عذاب میں جان ہے۔ ہاتھ میں شفا ہے، زبان میں اثر ہے۔

۱۳۔ علت و سبب۔ جیسے، وہ اپنے کئے سے (یا کئے پر) بہت نادم ہے آپ کے خوف سے پڑھتا ہے۔ فساد سے ضرر پیدا ہوتا ہے۔ اتنی ہی بات پر آگ بگولا ہو گیا۔

۱۴۔ واسطے اور خاطر۔ کے لئے، جیسے، کام پر گیا ہے۔ نام پر مرتا ہے۔ روٹی پر جان دیتا ہے

۱۵۔ تعلق خاطر۔ جیسے، ہمارے حال پر رحم کرو۔ اس بات پر غور کرو میرا دل اس پر آ گیا۔

۱۶ - انحصار - جیسے، میری زندگی اسی پر ہے - ایک مجھی پر کیا سب کا یہی حال ہے - میرا جانا ان پر موقوف ہے -

۱۷ - طرف جانب - جیسے، اس کی باتوں پر نہ جانا - اس پر نہ جانا - یہ سب دیکھنے کے ہیں -

تر دامنی پہ شیخ ہماری نہ جائیو
دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

اس پر کوئی خیال نہیں کرنا چاہیئے - ہر چیز اپنی اصل پر جاتی ہے -

غرض اس قسم کے جتنے تعلقات حرف ربط کے ذریعے سے ظاہر کئے جاتے ہیں اور جن میں کام کا کسی طور سے واقع ہونا پایا جاتا ہے تو ایسے اسماء جو اس طرح استعمال ہوتے ہیں - وہ طوری حالت میں ہوں گے - ان مثالوں کے علاوہ جو اوپر بیان کی گئی ہیں اور بھی بہت سی مثالیں پائی جاتی ہیں جن سے کام کا طور معلوم ہوتا ہے - جیسے نکھ سکھ سے درست - آنکھوں سے اندھا کانوں سے بہرا لیکن دین میں ہوشیار - باتوں میں تیز کام میں سست اس نے دشمن پر حملہ کیا - شیر پر جھپٹا، وہ مجھ پر غصے ہوا، اس کے مال پر قبضہ کر لیا وہ اپنے طریقہ پر ہے میں اپنے طریقہ پر ہوں - ان قواعد کی پابندی مجھ پر لازم نہیں - خدا کی اطاعت سب پر واجب ہے وہ اپنے قول و قرار پر قائم نہیں یہ سب مثالیں طور کو بتاتی ہیں اور اسی لئے ہم نے اس قسم کے تمام اسماء کو طوری حالت میں رکھا ہے -

صفت

صفات کی ساخت اور تغیر و تبدل کے متعلق پہلے حصے میں کافی طور سے

بیان ہو چکا ہے لہٰذا یہاں اس کا اعادہ غیر ضروری ہے۔

۱۔ صفت جب کبھی اسم کی کیفیت یا حالت بیان کرتی ہے تو اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔

۱۔ توصیفی اور (۲) خبری۔

توصیفی جیسے خوبصورت جوان، نازک کلائی۔ نیلا آسمان وغیرہ۔

خبری جیسے وہ گھوڑا خوب صورت ہے۔ یہ پانی تو گرم ہے۔ میں نے اسے ہوشیار پایا وغیرہ۔

۲۔ اردو میں صفات اکثر اسماء کی طرح استعمال ہوتی ہیں اور جس طرح اسماء کی آخری علامت میں تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ ان میں بھی ہوتی ہے جیسے

تم کیا؟ اچھے اچھے مارے پھرتے ہیں اور کوئی نہیں پوچھتا۔

چاہیئے اچھوں کو جتنا چاہیئے
وہ اگر چاہیں تو پھر کیا چاہیئے

بروں کی صحبت سے بچو۔ بے حیا کی بلا دور۔ یہاں سب طرح کے لوگ موجود ہیں اچھے سے اچھا اور برے سے برا۔ عقلمندوں کی صحبت میں بیٹھو۔ جاہلوں سے احتراز کرو۔ بڑوں کا ادب کرو اور چھوٹوں پر شفقت۔

۳۔ کبھی کبھی بعض اسم بھی صفت کے معنوں میں استعمال ہوتے ہیں جیسے

آگے جاتا نہیں ہے اب لولا
ہو گئی ہے زبان بھی اولا

یہاں اولے کے معنی ٹھنڈے کے ہیں۔ یا مثلاً یوں کہیں۔ اس کے ہاتھ پاؤں برف ہو رہے ہیں۔ اسے اس زور کا بخار چڑھا کہ سارا جسم آگ تھا۔ مثلاً خفا ہو کر کہیں، تم بڑے الو ہو یا بڑے گدھے ہو۔ یہاں الو اور گدھے

سے معنے بیوقوف اور احمق کے ہیں یا، وہ تو انرا بیل ہے۔

۴۔ صفات لبعض اوقات تمیز کا کام دیتی ہیں جیسے وہ خوب بولتا ہے اسے کچھ نہیں آتا۔

۵۔ لبعض اوقات تکرار صفت سے صفت میں بیشی یا ترقی ہو جاتی ہے جیسے دور کے لوگ، مشہور مشہور شخص، میٹھے میٹھے پھل۔ اونچے اونچے مکان گرم گرم چائے۔ مگر خاص خاص حالتوں میں اس کے خلاف کمی ظاہر ہوتی ہے مثلاً دال میں کچھ کالا کالا نظر آتا ہے (یعنی کوئی چیز جو کالی سی ہے) یہ سالن میٹھا میٹھا معلوم ہوتا ہے۔ (یعنی کسی قدر میٹھا) لیکن اس آخری صورت میں صفت کا کام دیتی ہے۔

۶۔ جب اس میں اور ترقی یا مبالغہ مقصود ہوتا ہے تو دونوں کے درمیان " سے "، بڑھا دیتے ہیں۔ جیسے بڑے سے بڑا کام اونچے سے اونچا پہاڑ بھاری سے بھاری بوجھ۔ اچھے سے اچھا کام وغیرہ۔

۷۔(۱) سا کا لفظ بھی صفات کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے اس سے مشابہت پائی جاتی ہے، مگر ساتھ ہی صفت میں کمی کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ جیسے لال کپڑا، کالا سا رنگ، وہ تو مجھے بیوقوف سا معلوم ہوتا ہے۔

محبت ہے یا ہے کوئی جی کا روگ
سدا میں تو رہتا ہوں بیمار سا

(ب) یہی حرف لبعض اوقات اسم یا ضمیر کے ساتھ استعمال ہوتا ہے اور اس سے مل کر صفت کا کام دیتا ہے، اور اس سے مشابہت ظاہر ہوتی ہے جیسے بادل سا سائبان۔ مجھ سا گناہ گار، تم سا عقل مند۔

(ج) لبعض اوقات یہ حرف اسم اور ضمیر کی اضافی حالت کے ساتھ بھی

آتا ہے اس وقت جو شخص یا شے سے مشابہت ظاہر نہیں ہوتی بلکہ کسی ایسی بات سے مشابہت ہوتی ہے جو اس شخص یا شے میں پائی جاتی ہے۔ جیسے آدمی کی سی بولی۔ ہاتھی کی سی سونڈ۔ گھوڑے کا سا منہ، شیر کے سے دانت، بکرے کی سی ڈاڑھی۔

یہاں حرف اضافت کے بعد اسم محذوف سمجھا گیا ہے۔ یعنی آدمی کی سی بولی، ہاتھی کی سی سونڈ۔

(د) بعض اوقات موصوف محذوف ہوتا ہے۔ جیسے پھول سا نظر آتا ہے، پہاڑ کی سی معلوم ہوتی ہے۔ یہاں وہ شے (جسے ہم دیکھ رہے ہیں) محذوف ہے۔

(ہ) جس طرح یہ صفت کے ساتھ آ کر اسم کی تعریف کرتا ہے۔ جیسے پہلے بیان ہو چکا ہو (لال سا کپڑا) اسی طرح یہ اسم کے ساتھ آ کر صفت کی مشابہت ظاہر کرتا ہے، جیسے پھول سا ہلکا، پتھر سا سخت۔

(و) اس قسم کی ترکیب میں سے کبھی (سا) کو اڑا کر بہت، پاکیزہ مبالغہ ظاہر کیا جاتا ہے۔ جیسے ہلکا پھول، میٹھا شہد۔ اگرچہ بظاہر اس کی ترکیب ہو گی کہ پھول سا ہلکا یا شہد سے میٹھا۔ لیکن اس کے معنے بہت ہلکے اور میٹھے کے لئے جاتے ہیں اس قسم کی ترکیبی صفات کی چند مثالیں دی جاتی ہیں۔

ہلکا پھول، میٹھا شہد، لال انگارا، لال بھبوکا، کالا بھجنگ، کھٹا چوک، کھٹا چونا، کڑوا زہر، کڑوا نیم، کڑوا کریلا، سوکھا کھڑنک، پھیکا پانی، موٹا پھپس، لمبا اونٹ۔ سوکھا کانٹا۔ دبلا قاق، سیدھا تک، سیدھا تیر، سفید جھاگ، سفید و گرم آگ، ٹھنڈا برف، ٹھنڈا اولا، اندھیر گھپ، نیلا کانچ، میلا چکٹ، بڈھا کھوسٹ۔

۸۔ (سا) کا استعمال صفت کی زیادتی کیلئے اسطرح بھی آتا ہے جیسے بہت سا

اُتنا بڑا سا گھر۔ اونچا پہاڑ۔ "سا" ان معنوں میں سنسکرت کے لفظ شِش، سے نکلا ہے۔ جس کے معنی گنت کے ہیں (برج بھاشا سو) سا، جس کے معنی مشابہت کے ہیں وہ سنسکرت کے لفظ سا (مانند) سے آیا ہے (برج بھاشا، ثموں)

۹۔ (ہر) حرف تخصیص ہے اور ہمیشہ واحد کے ساتھ استعمال ہوتا ہے لیکن (ایک) اور کوئی کے ساتھ مرکب ہو کر بھی آتا ہے جیسے، ہر ایک آدمی کا یہ کام نہیں ہے کہ ہر کوئی اسے کر لے یہ دشوار ہے۔

۱۰۔ بھر، اگرچہ صفت ہے لیکن کبھی تنہا استعمال نہیں ہوتا بلکہ کسی نہ کسی اسم کے بعد مل کر آتا ہے (یہ بھرنے سے ہے اور اس کے معنے پورے یا تمام کے ہیں) اسمائے مقدار وغیرہ کے ساتھ جیسے، چلو بھر، مٹھی بھر، پاؤ بھر، گز بھر، ہاتھ بھر
اسمائے مسافت کے ساتھ، جیسے، کوس بھر۔
اسمائے زماں کے ساتھ جیسے، عمر بھر، دن بھر، سال بھر،
اس کے علاوہ مقدور بھر بھی استعمال ہوتا ہے۔
بعض اوقات بھر برس، یا، بھر نیند سونا، یا بھر نظر دیکھنا، بھی بول جاتے ہیں ورنہ یہ لفظ ہمیشہ اسم کے بعد آتا ہے۔

صفات عددی

۱۔ قدیم اردو (دکنی) میں ایک کی جمع ایکاں آتی ہے، جس کے معنے کچھ اور بعض کے ہوتے ہیں۔

۲۔ کبھی (ایک) "کسی" کے معنوں میں آتا ہے، جیسے، ایک دن ایسا واقع ہوا ایک شخص نے مجھ سے یہ کہا۔ ایک نے بھی میرا ساتھ نہ دیا۔ ان فقروں میں ایک شمار کے لئے نہیں آیا بلکہ اس کے معنے کسی دن اور شخص کے ہیں۔

۳۔ اسی طرح ایک معین اعداد کے ساتھ آکر غیر معین کے معنی دیتا ہے

جیسے بیس ایک آدمی بیٹھے تھے۔ یعنی تخمیناً بیس۔ اس کا ذکر صرف میں ہو چکا ہے۔

۴۔ (ا) جب بہ تکرار آتا ہے تو اس کے معنی فرداً فرداً کے ہوتے ہیں۔ جیسے، ایک ایک آؤ۔ ایک ایک دو۔

(ب) ہر ایک کے معنوں میں جیسے، اس نے آپ کا پیغام ایک ایک کو پہنچا دیا قریب قریب انہیں معنوں میں ایک ایک کر کے بھی استعمال ہوتا ہے۔

(۵) لیکن جب پہلا 'ایک'، فاعلی حالت میں ہوتا ہے اور دوسرا مفعولی یا اضافی حالت میں تو وہاں یا ہم یا ایک دوسرے معنی ہوتے ہیں جیسے ایک ایک سے لڑ رہا تھا۔ ایک ایک سے جٹ گیا۔ ایک ایک کے خون کا پیاسا ہو رہا تھا۔ ایک ایک کا دشمن ہے۔

۶۔ جب ایک ہی جملے کے دونوں فقروں میں آتا ہے تو دوسرے ایک کے معنے دوسرے کے ہوتے ہیں، جیسے، ایک کو سائی ایک کو بدھائی۔

ایک سب آگے ایک سب پانی
دیدہ دل عذاب ہیں دونوں

اور اکثر ایک کے جواب میں دوسرا یا اس پر آتا ہے جیسے، ایک تو بیوقوف دوسرے مفلس۔ ایک تو میں غمزدہ اس پر آپ کی غفلت غضب ہے۔
کبھی تحسین کلام کے لئے آتا ہے۔ جیسے، ایک تمہارا ہی ذکر کیا کم ہے۔
ایک درد سا دل میں رہتا ہے۔

یہ صدا جب کہ کان میں آئی
جان اک میری جان میں آئی

۷۔ کبھی کُل یا سارے کے معنوں میں آتا ہے جیسے، ایک زمانہ یہی کہتا ہے۔ ایک عالم میں یہی چرچا ہے۔

۸۔ کبھی یکساں کے معنی دیتا ہے جیسے، وہ بھائی بہن ایک ہیں۔

ایک ہے تیری نگہ میری آہ

کہیں ایسوں سے رہا جاتا ہے (داغ)

۹۔ کبھی مبالغے کے لئے جیسے، وہ ایک چھٹا ہوا ہے۔

۱۰۔ کبھی بے نظیر کے معنوں میں جیسے؛ سارے خاندان میں ایک ہے۔ اپنے رنگ میں ایک ہے۔

۱۱۔ کبھی اکیلے اور تنہا کے معنوں میں جیسے، کیا تمہارے ستانے کو ایک میں ہی رہ گیا ہوں۔

۱۲۔ کبھی زور ایا ادنیٰ کے معنوں میں آتا ہے جیسے۔

اک کھیل ہے اورنگ سلیماں مرے آگے

اک بات ہے اعجاز مسیحا مرے آگے

۱۳۔ ایک نہ ایک، محاورے میں کوئی نہ کوئی کے معنوں میں آتا ہے جیسے آئے دن ایک نہ ایک فکر لگا رہتا ہے۔ جب کبھی میں وہاں جاتا ہوں وہ ایک نہ ایک فرمائش ضرور کر دیتے ہیں۔

۱۴۔ حرف میں بیان ہو چکا ہے کہ کلیّت کے اظہار کے لئے اعداد معین کے آگے (ون) بڑھا دیتے ہیں جیسے، آٹھوں پہر وہیں بیٹھا رہتا ہے۔ دونوں جہاں میں بھلا ہوگا۔

اور جب زور مقصود ہوتا ہے تو عدد حروف اضافت کے ساتھ بہ تکرار استعمال ہوتا ہے جیسے، آٹھوں کے آٹھوں آگئے۔ دسوں کے دسوں دے دیئے۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اس آخری صورت میں عدد کے ساتھ اسم اکثر محذوف ہوتا ہے۔

ضمائر

۱۔ ضمیر جنس و تعداد میں اس اسم سے مطابق ہوتی ہے جس کے لئے وہ استعمال کی گئی ہے جیسے، میں نے کریم کو ہر چند سمجھایا مگر وہ نہ سمجھا۔ وہ شخص جو کل آپ سے ملا تھا چلا گیا۔

لیکن تعظیم کے موقع پر اگرچہ اسم واحد ہوتا ہے لیکن جو ضمیر کہ اس کے بجائے استعمال ہوتی ہے جمع آتی ہے جیسے، آپ کے بلانے پر مولوی صاحب آئے تو سہی مگر انہوں نے اس مسئلے کے متعلق کچھ نہ فرمایا۔ وہ صاحب جنہیں آپ نے بلایا تھا تشریف لائے ہیں۔

۲۔ جب ضمائر شخصی فعل کے فاعل ہوتے ہیں تو بعض اوقات محذوف ہوتی ہیں جیسے، کل آؤں گا۔ یہاں میں، محذوف ہے۔ امر کے ساتھ خصوصاً ضمیر فاعلی ظاہر نہیں کی جاتی۔ جیسے، فوراً چلے جاؤ۔

۳۔ جب ایک ہی جملے میں ایک مفعول شے دوسرا مفعول شخصی ہو یعنی قریب و بعید اور دونوں ضمیریں ہوں تو (کو) مفعول شخصی کے ساتھ آئے گا جیسے، وہ تو میں اس کو دوں گا۔

۴۔ مجھ اور تجھ کے ساتھ جب کوئی صفت آتی ہے تو اس کی صورت تو مفعولی ہوتی ہے لیکن وہ فاعلی، مفعولی، اضافی، طوری حالتوں میں برابر استعمال ہوتی ہے۔ اور ایسی صورت میں علامات فاعل و مفعول و اضافی و طوری صفت کے بعد آتی ہیں۔ جیسے، مجھ کم بخت نے کہا تھا۔ مجھ خاکسار کو یہ واقعہ پیش آیا۔ مجھ عاجز سے یہ خطا ہوئی۔ تجھ بد نصیب کی یہ حالت ہے، مجھ اور تجھ الگ استعمال نہیں ہوتے۔ مفعولی حالت مجھے اور مجھ کو ہے۔ فاعلی حالت میں یہ استعمال نہیں ہوتے۔

۵۔ اسی طرح جب ضمیر شخصی کے بعد (ہی) آتا ہے تو علامات فاعل و مفعول و اضافی و طوری عموماً (ہی) کے بعد آتی ہیں جیسے مجھی سے مانگا تھا۔ ہمیں نے دیا تھا۔ اسی کا ہے۔ البتہ علامت فاعلی مستثنیٰ ہے، وہ دونوں طرح استعمال ہوتی ہے مگر واحد متکلم میں (ہی) ہمیشہ (نے) کے بعد آتا ہے۔ جیسے۔ میں نے ہی کہا تھا۔

۶۔ بعض ضمائر شخصی و دیگر ضمائر کے ساتھ (پاس) کا استعمال بلا اضافت بھی آتا ہے جیسے، اس پاس، مجھ پاس۔ جس پاس۔ کس پاس۔

جس پاس روزہ کھول کے کھانے کو کچھ نہ ہو
روزہ اگر نہ کھائے تو ناچار کیا کرے (غالب)

کون آتا ہے برے وقت کسی پاس اے داغ
لوگ دیوانہ بناتے ہیں کہ وہ آتے ہیں

لیکن یہ استعمال اب متروک ہو جاتا ہے۔

۷۔ آپ بجائے ضمیر مخاطب تعظیماً آتا ہے اور کبھی تعظیم کے خیال سے غائب کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جس کا ذکر حصہ صرف میں ہو چکا ہے لیکن آپ مخاطب کے لئے آئے یا غائب کے لئے فعل اس کے لئے ہمیشہ جمع غائب آتا ہے جیسے، آپ تشریف لے چلیں۔ آپ آئے تھے۔ آپ کب جائیں گے۔

۸۔ اپنا ضمیر کے موقع پر جس طرح استعمال ہوتا ہے اس کا ذکر صرف میں ہو چکا ہے علاوہ اس کے وہ بلا تعلق مرجع اور کبھی کئی طرح استعمال ہوتا ہے۔

۹۔ بعض وقت ضمیر متکلم کے معنوں میں آتا ہے۔ جیسے اپنا اُلو کہیں نہیں گیا۔

غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخ
آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں

ناصحوں سے کلام کون کرے!
اپنی ایسوں سے گفتگو ہی نہیں! (داغ)

(ب) بعض اوقات صفت کے معنی دیتا ہے۔ جیسے، اپنی گرہ سے دینا۔ اپنی نیند سونا اور اپنی بھوک کھانا۔

(ج) جب مکرر آتا ہے تو اس کے معنی ہوتے ہیں ہر ایک کا الگ الگ جیسے اپنا اپنا کمانا اپنا اپنا کھانا۔ اپنا اپنا کام کرو۔ اپنے اپنے گھر جاؤ۔ وہ سب چھوٹے بچے اٹھے اور اپنا اپنا کام کرنے لگے۔

(د) کبھی بطور اسم استعمال ہوتا ہے جیسے، اپنا اپنا ہے پرایا پرایا ہے مجھے اپنا پرایا سب ایک ہے۔ جب وہ اپنوں سے یہ سلوک کرتا ہے تو غیروں سے کیا کچھ نہ کرے گا۔ (یہاں اپنے کے معنے عزیز اور رشتہ دار کے ہیں اور ان معنوں میں یہ لفظ عموماً جمع میں استعمال ہوتا ہے) اسی سے اپنا بیت اسم کیفیت ہے جس کے معنے یگانگت کے ہیں۔

(ہ) کبھی خصوصیت کے لئے جیسے، اپنی گلی میں کتا بھی شیر ہے، دوسرے کاموں سے فرصت ملے تو اپنا کام بھی کردوں۔

(و) اس محاورے میں کہ "ہر ایک کو اپنی اپنی پڑی ہے" اسم محذوف ہے اسی طرح ان محاورات میں، اپنی گانا، اپنی کہنا، اسے اپنی پڑی ہے جب دیکھو وہ اپنی ہی گاتا ہے، اسم محذوف ہے اور اس لئے بجائے اسم سمجھا جائے گا۔

(ز) کبھی آپ بھی اپنے یا اپنی کے بجائے آتا ہے جیسے آپ بیتی۔ آپ کاج۔ مہا کاج

(خ) آپ سے آپ اور آپ ہی آپ اور آپ سے، خود بخود کے معنی میں آتے ہیں۔

تیغ تو اوچھی پڑی تھی گر پڑے ہم آپ سے
دل کو قاتل کے بڑھانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

(۸) کبھی آپ کے بجائے "آپے" کا لفظ بھی محاورے میں استعمال ہوتا ہے جیسے آپے سے باہر ہو جانا۔ آپے میں آنا۔

(۹) بعض اوقات ہم تم اور آپ کے ساتھ دوسرے اسم جمع مثل لوگ صاحب اور حضرات کے استعمال ہوتے ہیں جیسے، ہم لوگ، تم لوگ، آپ صاحب، آپ حضرات وغیرہ۔

۱۰- "ہی" حرف تخصیص ہے وہ ہم، تم اور وہ یہ کے ساتھ آتا ہے تو ان کی صورت وہی، یہی (جمع میں) انہیں، ہمیں، تمہیں) ہو جاتی ہے جیسے، وہی آئے گا تو دوں گا۔ یہ غلطی ہمیں سے ہوئی۔ یہ تمہیں تو تھے۔

۱۱- ضمیر کبھی اسم سے پہلے بھی آجاتی ہے۔ مگر یہ اکثر نظم میں ہوتا ہے۔

۱۲- یہ بیان ہو چکا ہے کہ "یہ" ضمیر اشارہ قریب کے لیے اور "وہ" بعید کے لئے ہے لیکن بعض اوقات "یہ" کا اشارہ پورے جملے کی طرف ہوتا ہے جو اس کے بعد آتا ہے جیسے۔

یہ میں نے مانا کہ آج خنجر! میرا گلو بھی نہیں رہے گا۔
مگر میں ظالم کے او ستم گر! ہمیشہ تو بھی نہیں رہے گا۔

۱۳- یہ اور وہ کبھی "ایسا" کے معنوں میں بطور صفت کے آتے ہیں۔ جیسے،
روشنی کا یہ عالم تھا کہ رات میں اس کے سامنے چاندنی گرد تھی۔

۱۴- حروف ربط کے اثر سے یہ اس سے اور "وہ" اس سے بدل جاتا ہے جیسے

اس میں، اس پر وغیرہ۔

علاوہ حرف ربط کے "پاس" جگہ، گھر، طرف، سمت، جانب، رات دن، مہینہ، سال، گھڑی، طرح، قدر وغیرہ کے ساتھ آنے سے بھی یہی تبدیلی ہو جاتی ہے۔

۱۵ - جمع میں 'یہ' اِن اور 'وہ' اُن ہو جاتا ہے۔

۱۶ - کبھی "یوں" بھی ضمیر اشارہ (قریب) کے لئے مستعمل ہوتا ہے

مہندی ملنے کے بہانے ہیں عبث یوں کہئے

آج اغیار سے پیماں کئے بیٹھے ہیں (داغ)

۱۷ - ضمائر استفہامیہ دو ہیں (کیا) اشیا کے لئے اور (کون) اشخاص کے لئے ان کا مفصل ذکر صرف میں آچکا ہے۔ کیا، حالت فاعلی اور مفعولی میں یکساں طور سے استعمال ہوتا ہے مثلاً تمہیں کیا چاہیئے۔ تم کیا کر رہے ہو لیکن کیا جب تعجب اور حیرت کے لئے آتا ہے تو اشخاص کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے وہ بھی کیا آدمی ہے۔ کیا بیوقوف ہے (لیکن ان موقعوں پر یا تو وہ صفت کا کام دیتا ہے یا تمیز کا۔

۱۸ - استفہام کی مختلف قسمیں ہیں اور وہ مختلف معنوں کا اظہار کیا کرتا ہے مثلاً

(۱) محض استفسار کے لئے جیسے، یہ کون ہے؟ یہ کیا ہے؟ اسے استخباری بھی کہتے ہیں جیسے اس شعر کے دوسرے مصرعے میں۔

دل ناداں تجھے ہوا کیا ہے؟

آخر اس درد کی دوا کیا ہے؟

(ب) اقراری جیسے، یہ تمہارا قصور نہیں تو اور کس کا ہے؟ (یعنی تمہارا ہی ہے) یہ حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔

(ج) انکاری جیسے

گر کیا ناصح نے ہم کو قید اچھا یوں سہی
یہ جنون عشق کے انداز چھٹ جائیں گے کیا (غالب)

کیا انداز چھٹ جائیں گے، معنے نہیں چھٹیں گے یا اس شعر کے دوسرے مصرع میں۔

دوست غم خواری میں میری سعی فرمائیں گے کیا
زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھ آئیں گے کیا

(د) تجاہل، یعنے جان بوجھ کر پوچھنا جیسے، کسی کو لکھتے ہوئے دیکھ کر پوچھنا کہ کیا کر رہے ہو؟

پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے؟
کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا؟

یا شاعر ممدوح کے متعلق تجاہل سے سوال کرتا ہے حالاں کہ خوب جانتا ہے کہ وہ کون ہے۔

کون ہے جس کے در پہ ناصیہ سا
ہیں مہ و مہر و زہرہ و بہرام

اور پھر خود ہی اس کا جواب دیتا ہے۔

تو نہیں جانتا تو مجھ سے سُن — نام شاہنشہ بلند مقام
قبلۂ چشم و دل بہادر شاہ — مظہر ذوالجلال والاکرام

یا اسی طرح ایک مقرر زور دینے کے لئے سوال پر سوال کرتا ہے حالانکہ خود بھی جانتا ہے اور دوسرے بھی جانتے ہیں۔

(ہ) زجر و ملامت کے لئے۔ جیسے، اس شعر کے پہلے مصرع میں دلِ ناداں

تجھے ہوا کیا ہے آخر اس درد کی دوا کیا ہے

یا ہم بگڑ کر کسی سے کہیں کیا کرتے ہو ؟

(د) تحقیر و توہین کے لیے جیسے،

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے؟

تمہیں کہو کہ یہ انداز گفتگو کیا ہے؟

(ز) حیرت و استعجاب کے لیے جیسے، اِبی! یہ کیا ہوا!

جب کہ تجھ بن نہیں کوئی موجود

پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے

(ح) انکسار کے لئے، ہم کیا ہیں کوئی کام جو ہم سے ہو گا۔

(ط) نفی کے لئے جیسے، میں کیا جانوں؟

(ی) استغنا کے لئے جیسے، اسے لے کر کیا کروں گا!

۱۹۔ اس کے علاوہ "کیا" بطور صفت بھی آتا ہے جس کا ذکر دوسرے موقع پر کیا جائے گا۔

۲۰۔ "کیا کیا" بہ تکرار بھی آتا ہے جس کے معنے کثرت کے ہوتے ہیں جیسے کیا کیا کہوں؟ کیا کیا لکھوں؟ کیا کیا سنوں!۔

۲۱۔ کون اور کون سا کا فرق پہلے بیان ہو چکا ہے، کون سا ہمیشہ ایسی جگہ استعمال ہوتا ہے۔ جہاں کئی میں سے ایک مقصود ہو۔ مثلاً کئی کتابیں ہوں اور پوچھیں کون سی چاہیئے

۲۱۔ کون اور کیا بعض اوقات تنکیری معنوں میں آتے ہیں۔ جیسے، مجھے معلوم نہیں کہ کون آیا اور کون گیا؟ یہاں استفہامی معنی نہیں ہیں۔ اسی طرح کچھ معلوم نہیں اس نے مجھے کیا کہا تھا۔ میں کیوں کر وعدہ کروں۔ خدا جانے وہ کیا

مانگ بیٹھے۔ اسے معلوم نہ تھا کہ اس مکان میں کون رہتا ہے۔

۲۳۔ ضمائر تنکیری کچھ اور کوئی ہیں۔ ان کا معمولی استعمال اور فرق کا بیان حرف میں ہو چکا ہے۔

۲۴۔ کوئی بطور ضمیر ہمیشہ جاندار کے لئے استعمال ہوتا ہے اور واحد آتا ہے جمع میں نہیں آتا۔ بعض اوقات کچھ جانداروں کے لئے بھی آتا ہے، جیسے وہاں بہت سے لوگ بیٹھے تھے۔ کچھ یہاں کچھ وہاں۔ یہ استعمال مخصوص ہے اور صرف اس وقت استعمال ہوتا ہے جب مجموعی تعداد ہو۔

۲۵۔ ایک ہی جملے کے دو حصوں میں کوئی اور کچھ الگ الگ بطور جواب کے استعمال ہوتے ہیں۔ کرے کوئی بھرے کوئی۔ کوئی کچھ کہتا ہے کوئی کچھ۔ کوئی مرے اور کوئی ملہار گائے۔ کچھ ہم سمجھے کچھ تم سمجھے۔ ایسے جملوں میں کوئی اور کچھ کے معنے ایک جگہ ایک اور دوسری جگہ دوسرے کے ہیں۔

۲۶۔ کوئی اور کچھ تکرار کے ساتھ قلت کے معنوں میں آتے ہیں جیسے، کوئی" کوئی اب بھی مل جاتا ہے۔ کچھ کچھ باقی ہے۔

۲۷۔ کوئی نہ کوئی اور کچھ نہ کچھ بھی قلت کے معنوں میں آتے ہیں اور اس میں زیادہ زور ہوتا ہے۔ کوئی نہ کوئی اب بھی نظر آجاتا ہے۔ اچھوں کی صحبت میں کچھ نہ کچھ ضرور حاصل ہو جاتا ہے۔

۲۸۔ کوئی کا استعمال استفہام کے ساتھ روزمرہ میں بڑے لطف سے ہوتا ہے جیسے،

عمر دوزہ عیش روزہ نہیں ہے تو
میں چھوڑ جاتا ہوں کوئی غم جاوداں تجھے (داغ)

کاوش دل دور ہو میرے دل ویراں سے کیا
خار جاتے ہیں کوئی صحرا کا دامن چھوڑ کر

۲۹۔ کچھ کا کچھ اور کچھ سے کچھ ایسے موقع پر بولتے ہیں جہاں ایک حالت سے دوسری حالت ہو جائے اور تغیر یا انقلاب پیدا ہو جائے۔ جیسے، کچھ کا کچھ ہو گیا یا کچھ ہو گیا یا کچھ سے کچھ ہو گیا۔ لیکن بعض اوقات کچھ کا کچھ اصل کے خلاف معنوں میں آتا ہے، جیسے، کچھ کا کچھ کہہ دیا یا کچھ کا کچھ سمجھا دیا۔ یہاں بھی وہی معنے تغیر کے ہیں یعنی اصل کے خلاف یا اسے بدل کر کچھ اور کہنا یا سمجھانا۔

۳۰۔ کوئی کے بعد بعض اوقات سا بھی استعمال ہوتا ہے جیسے، کوئی سا دے دو۔ کوئی سا لے لو۔ یہ عموماً اس وقت استعمال ہوتا ہے جب کئی میں سے ایک مقصود ہو یہ استعمال بے جان اور جان دار دونوں کے لئے یکساں ہوتا ہے بغیر (سا) کے بھی کوئی ان معنوں میں آتا ہے۔ کوئی دے دو۔ کوئی بھی دے دو۔

۳۱۔ بعض اوقات کچھ، جیسا اور ضمائر موصولہ کے ساتھ مل کر بھی آتا ہے اور اس میں زیادہ تنکیر پائی جاتی ہے۔ جیسے، جیسا کچھ ہو گا دیکھا جائے گا۔ اور جو کچھ کہو گے کروں گا۔

۳۲۔ اسی طرح کوئی کے ساتھ کیسا مل کر تنکیری معنوں میں اور زور پیدا کر دیتا ہے جیسے، کوئی کیسا ہی ہو۔ نفی میں زور اور تاکید ہوتی ہے۔ جیسے، کوئی کیسا ہی کیوں نہ ہو۔

۳۳۔ جتنا، اتنا، اُتنا۔ ایسا، ویسا، کیسا جو الفاظ ضمیری ہیں۔ اور بطور صفت مستعمل ہیں تمیز بھی واقع ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان کا ذکر تمیز فعل میں کیا جائے گا

۳۴۔ ضمائر موصولہ، استفہامیہ، تنکیری جب بہ تکرار آتی ہیں تو معنی کثرت کے دیتی ہیں مگر ان معنوں کا اطلاق کل پر فرداً فرداً ہوتا ہے۔ سوائے ضمائر تنکیری کے جو کے معنی دیتی ہیں جیسے، اس نے جو جو کہا میں نے مان لیا۔ جس جس کے پاس گیا۔ اس نے یہی جواب دیا۔ جس جس سے تعلق تھا، کون کون آئے ہیں

کس کس سے کہوں؟ کس کس کے پاس جاؤں؟ کیا کیا کہا؟ کوئی کوئی اب بھی ہے کچھ کچھ اب بھی نظر آ جاتے ہیں۔

۳۵۔ ضمائر موصولہ، استفہامیہ اور تنکیری جب اسما کے ساتھ آتی ہیں تو صفت کا کام دیتی ہیں جیسے، جو شخص آئے فوراً میرے پاس بھیج دو۔ جس شخص کو کہو بھیج دوں۔ جن لوگوں نے ایسا کہا غلطی کی۔ یہ کون آدمی ہے؟ یہ کس شخص کی ملک ہے؟ کیا چیز چاہیئے؟ کوئی آدمی کام کا نہیں تھا۔

کچھ لوگ وہاں بیٹھے، جون سا (جون سی، جون سے) اور کون سا (کون سی، کون سے) بھی بطور صفت استعمال ہوتے ہیں، جون سی کتاب کہو منگوا دوں کون سے کام پر جا رہے ہو۔ آج کون سی تاریخ ہے۔

ضمائر شخصی کبھی کبھی صفت کا کام دیتی ہیں خصوصاً جب "ہی" کے ساتھ مل کر آتی ہیں جیسے، یہ وہی شخص ہے۔ یہی بات میں نے کہی تھی۔

کوئی نہ کوئی اور کچھ نہ کچھ بھی کبھی بطور صفت استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے کچھ نہ کچھ کام ضرور کرتے رہا کرو۔ روز کوئی نہ کوئی مہمان آ جاتا ہے۔

فعل

فعل زبان کی جان ہے اور جملے کے بنانے میں بہت کار آمد ہوتا ہے
تقریباً ہر جملے میں فعل آتا ہے اور ایسی شاذ ہوتی ہیں جہاں جملہ بغیر فعل کے پورا
ہوتا ہے البتہ کہاوتوں اور نظم میں یا اخبارات اور مضامین کے عنوانات میں
جملے بغیر فعل کے بھی آتے ہیں جیسے، کہاں راجا بھوج کہاں گنگا تیلی۔ نا گھر ترا نہ
گھر میرا۔ چڑیا دین بسیرا رے وغیرہ وغیرہ۔

مصدر اور حالیہ کا شمار بھی افعال میں ہے لیکن یہ تکمیل فعل کا کام نہیں
دیتے۔ مصدر اکثر اسم کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ اور حالیہ بطور
صفت۔

ا۔ مصدر کے استعمال مختلف ہیں جن کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے۔

ا۔ اکثر بطور اسم، کے جس کی تفصیل یہ ہے۔

(ا) فاعل۔ جیسے، کھیلنا ناگوار نہیں گزرتا پڑھنا ناگوار ہوتا ہے۔

(ب) مفعول جیسے وہ کھیلنا پسند کرتا ہے۔

(ج) ضرورت اور مجبوری کے معنوں میں جیسے، ہم سب کو ایک روز مرنا
ہے۔ انہیں معنوں اور ایسی فاعلی حالت میں پڑنا کے ساتھ بھی استعمال
ہوتا ہے۔ جیسے آخر مجھے وہاں جانا پڑا۔

دل اب محبت سے کوسوں بھاگتا ہے
ہمیں یاروں سے شرمانا پڑے گا (حالی)

بعض اوقات اسی طرح مجبوری کے معنوں میں مصدر کے ساتھ "ہوگا" کا استعمال ہوتا ہے جیسے، انہیں جانا ہوگا۔ اسے کھانا ہوگا۔

کیوں کر اب نگہ ناز سے جینا ہوگا
زہر دے اس پہ یہ تاکید کہ پینا ہوگا

(۵) حرف اضافت (کا) کے ساتھ نفی کی صورت میں مستقبل کے معنی دیتا ہے اور اس میں عزم اور یقین پایا جاتا ہے، جیسے، میں نہیں جانے کا۔

یہ "کا" مؤنث میں "کی" اور جمع میں "کے" ہو جاتا ہے۔

(۵) "کو" کے ساتھ جب کہ فعل "ہے، ہیں، تھا یا تھے ہوں" ایسے کام کو ظاہر کرتا ہے جو ابھی فوراً ہونے والا ہے جیسے، وہ جانے کو ہے، ہم کچھ کہنے کو تھے۔

(۶) بعض اوقات ایک فعل کا دوسرے فعل کے ساتھ ایک ہی وقت میں واقع ہونا ظاہر کرتا ہے جیسے، اس کا نظر بھر دیکھنا تھا کہ وہ غش کھا کر گر پڑا۔ اس کا چوکی پر پاؤں دھرنا تھا کہ تختہ نکل گیا۔

(۲) امر کے معنوں میں بھی آتا ہے اور معمولی امر میں کسی قدر زور اور تاکید پائی جاتی ہے۔ جیسے، دیکھو بھول نہ جانا، کل ضرور آنا (یہ استعمال یا تو بے تکلفی کے موقع پر ہوتا ہے یا ملازمین وغیرہ کے ساتھ بڑوں یا برابر والوں کے ساتھ کبھی استعمال نہیں ہوتا)

(۳) مصدر کی تذکیر و تانیث اس اسم کے لحاظ سے ہوتی ہے جس سے اس کا تعلق ہے، جیسے

بات کرنی مجھے مشکل کبھی ایسی تو نہ تھی

بات کرنی اور بات کرنا دونوں درست ہیں۔ اہلِ لکھنؤ اکثر مذکر ہی لکھنا بولنا پسند کرتے ہیں۔

لیکن جب اسم اور مصدر کے "کا" واقع ہوتا ہے تو مصدر ہمیشہ مذکر ہوگا جیسے، خط کا لکھنا، ہل کا چلانا۔ نظم کا پڑھنا وغیرہ۔

۴۔ بعض اوقات جب مصدر کے بعد کوئی حرف ربط آجاتا ہے تو علامت مصدر حذف ہوجاتی ہے اور اس کی جگہ یائے مجہول لے لیتی ہے۔ جیسے

اس کے آئے سے جو آجاتی ہے منہ پر رونق

یعنی اس کے آنے سے۔ اس کے کہے سے کیا ہوتا ہے۔ یعنی اس کے کہنے سے ان کے بہکاوے میں آگیا۔ یعنی بہکانے میں۔

حالیہ

۱۔ حالیہ کی تین قسمیں ہیں۔ ایک تمام دوسری ناتمام تیسری حالیہ معطوفہ تمام سے فعل کا ہونا پایا جاتا ہے۔ جیسے، مرا ہوا جانور، ناتمام میں فعل ختم نہیں ہوتا۔ جیسے روتی ہوئی عورت۔ بہتا ہوا پانی

۲۔ بلحاظ استعمال کے بھی اس کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک تو بطور صفت دوسری بطور خبر۔ صفت کی مثالیں اوپر لکھی گئیں ہیں۔ بعض اوقات اِحوالہ محذوف بھی ہوتا ہے۔ جیسے اجڑا گاؤں، روتی صورت وغیرہ۔

۳۔ اب ہم دوسری قسم کا ذکر کرتے ہیں جو بطور خبر کے استعمال ہوتی ہے یہ بھی صفت ہے، لیکن اسم کے ساتھ ساتھ نہیں آتی۔ جیسے، وہ ہنستا ہوا آیا۔ میں نے اسے مرا ہوا پایا۔

جملے میں استعمال کے وقت اس کی صورت میں جو تبدیلیاں واقع ہوتی

ہیں اس کی تفصیل یہ ہے۔

(ا) جب اصل فعل لازم یا متعدی بطور مجہول ہو تو حالیہ جنس و تعداد میں فاعل کے مطابق ہوگا۔ جیسے، وہ اکڑتا ہوا چلا۔ وہ دوڑتی ہوئی آئی۔ وہ روتے ہوئے آئے۔ وہ دوڑتی ہوئی پکڑی گئی۔ وہ ہنستا ہوا چلا گیا۔ وہ لٹا ہوا آیا، وہ لٹی ہوئی آئی۔

(ب) اگر افعل متعدی طور پر معروف میں ہے تو حالیہ ناتمام یائے مجہول کے ساتھ آئے گا۔ خواہ تعداد جنس کچھ بھی ہو، جیسے، ہم نے اسے ناچتے ہوئے دیکھا اس نے ہمیں کھیلتے ہوئے پکڑا۔ میں نے رحیمن کو روتے ہوئے پکڑا۔ لیکن حالیہ ناتمام جب کہ اس کا تعلق اشیاء سے ہو جنس و تعداد کے مطابق ہوتا ہے جیسے، میں نے روٹی جلی ہوئی دیکھی۔ میں نے کپڑا دھویا ہوا دیکھا، مگر اشخاص کی حالت میں یائے مجہول یا الف کے ساتھ آئے گا۔ جیسے: میں نے رحیمن کو سوئے ہوئے یا سویا ہوا دیکھا تھا۔ میں نے ان کو سویا ہوا پایا۔

(ج) اگر وہ فعل جس سے حالیہ بنا ہے، متعدی ہے اور اس کے ساتھ کوئی اسم مفعول کی حالت میں ہے تو حالیہ تمام بلالحاظ جنس و تعداد یائے مجہول کے ساتھ آئے گا۔ جیسے، ملکہ سر پکڑے کھڑی ہے۔ وہ سر جھکائے ہوئے آیا۔ لٹھ لئے چلا آرہا ہے۔

(د) جب حالیہ دہرایا جائے یا اس تابع دوسرا حالیہ اس کے ساتھ آئے تو فعل لازم کی صورت میں الف اور ی، دونوں کے ساتھ آسکتا ہے (یے کے ساتھ زیادہ فصیح ہے) مگر فعل متعدی کے ساتھ بغیر تبدیلی صرف ے کے ساتھ آئے گا جیسے، وہ ڈرتے ڈرتے یہاں آیا یا ڈرتا ڈرتا

یہاں آیا یا ڈرتی ڈرتی آئی) میں کہتے کہتے بیزار ہوگیا یا ہوگئی) وہ پڑے پڑے بیمار ہوگیا (یا پڑا پڑا بیمار ہوگا) وہ لڑتے جھگڑتے یہاں تک پہنچ گیا (یا وہ لڑتا جھگڑتا یہاں تک پہنچ گیا یا وہ لڑتی جھگڑتی یہاں تک پہنچ گئی) وہ بیٹھے بیٹھے بے کار ہوگیا۔ (یا وہ بیٹھا بیٹھا بے کار ہوگیا) اس نے بیٹھے بٹھائے مجھے بدنام کردیا۔ اس نے لکھتے لکھتے کاغذ پھینک دیا۔

دن گزارے عمر کے انسان ہنستے بولتے

تکرار حالیہ سے فعل کی کثرت ظاہر ہوتی ہے جیسے پڑے پڑے بیمار ہوگیا یعنی زیادہ تر پڑے رہنے سے، کہتے کہتے بےزار ہوگیا، یعنی بار بار کہنے سے بتدریج کے معنی بھی دیتا ہے۔ جیسے "وہ کہ آتی ہے اردو زبان آتے آتے" یا جیسے "سیکھتے سیکھتے ہی سیکھے گا۔"

کوئی دن طبیعت کو ہوگا قلق!
سنبھلتے سنبھلتے سنبھل جائے گا!

بعض اوقات اس قسم کا حالیہ بغیر اسم کے آتا ہے۔ جیسے، ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ گئے۔ روتے روتے ہچکی بندھ گئی۔ چلاتے چلاتے گلا بیٹھ گیا یہاں ہنستے ہنستے اور روتے روتے تمیز فعل ہیں۔

(ح) بعض اوقات حالیہ مطلقاً استعمال ہوتا ہے یعنی اصل فعل کا فاعل ایک اسم ہوتا ہے اور حالیہ کا دوسرا اور گو دونوں اسم ایک جملے میں ہوتے ہیں مگر بلحاظ فعل ایک دوسرے سے تعلق نہیں رکھتے جیسے صبح ہوتے چل دیا۔ رات گھر آیا دن نکلتے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔ دن چڑھے اٹھا۔ اس قسم کے حالیہ مع اپنے اسم کے تمیز فعل (یا متعلق فعل) ہوتے ہیں۔

۴۔ بعض اوقات حالیہ بالکل بطور اسم کے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے سوتے کو جگانا آسان ہے مگر جاگتے کو جگانا مشکل ہے۔ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بہت ہے، اپنے کئے کی سزا پائی۔ میرا کہا نہ مانا۔ آزمائے ہوئے کو کیا آزمانا۔ وہ بے کہے چل دیا۔ اسے سوتے سے کیوں جگایا وغیرہ وغیرہ

۵۔ بعض اوقات حالیہ بطور تمیز فعل کے استعمال ہوتے ہیں جیسے، ساری رات جاگتے ہی جاگتے کٹی۔ وہ سنتے ہی چل دیا۔ اس کا ذکر تمیز فعل میں کیا جائے گا۔

۶۔ اس جگہ حالیہ کے استعمال میں ایک نازک فرق بیان کرنا بھی ضروری ہوتا ہے مثلاً جب ہم کہتے ہیں کہ میں نے اسے تیرتے دیکھا۔ تو اس کے کیا معنے ہیں؟ آیا جس وقت تیر رہا تھا میں نے اسے دیکھا اس حالت میں دیکھا جب وہ تیر رہا تھا۔ عام بول چال میں اس قسم کے فقروں میں کچھ فرق نہیں کیا جاتا اور حسب موقع کوئی ایک معنے لے لئے جاتے ہیں ہماری رائے میں اس میں یوں فرق کرنا چاہیئے کہ جب حالیہ فاعل کے متصل ہو تو فاعل کے متعلق سمجھا جائے اور مفعول سے متصل ہو تو مفعول کے متعلق۔ مثلاً جب ہم یہ کہیں کہ "میں نے تیرتے ہوئے اسے دیکھا"، تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ جب میں نے اسے دیکھا تو میں تیر رہا تھا اور جب یہ کہیں کہ "میں نے اسے تیرتے ہوئے دیکھا" اس کے یہ معنی ہوں گے کہ جب میں نے اسے دیکھا تو وہ تیر رہا تھا۔ اسی طرح سے میں نے آتے اسے دیکھا۔ اور میں نے اسے آتے ہوئے دیکھا وغیرہ وغیرہ۔

حالیہ معطوفہ

اردو میں حالیہ معطوفہ کا استعمال بکثرت ہوتا ہے۔ اس کا تعلق ہمیشہ جملے

کے اصل فعل سے ہوتا ہے چوں کہ اس میں حرف عطف کا بچاؤ ہے اور حرف کے معنی اس میں شریک ہوتے ہیں اس لئے حالیہ معطوفہ کہلاتا ہے۔

۱۔ یہ ہمیشہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ جملے کے اصل فعل سے جس کام کا اظہار ہوتا ہے اس سے پہلے ایک کام ہو چکا ہے۔ مادہ فعل کے ساتھ کر یا کرکے زیادہ کرنے سے بنتا ہے، جیسے، وہ نہا کر سو گیا۔ کان دھر کر سنو وغیرہ۔

ایسے جملوں میں دو فعل ہوتے ہیں ایک تقدیمی، دوسرا خاص۔

۲۔ ان جملوں کے اگر دو حصے کئے جائیں تو اس میں اکثر حرف عطف واقع ہوگا مثلاً وہ نہا کر سو گیا یعنی وہ نہایا اور سو گیا، مگر ایسی صورتوں میں فعل معطوف کا استعمال زیادہ فصیح ہے کیونکہ پہلا فعل دوسرے فعل کا مقدمہ ہے لیکن ہر ایسے جملے کے جس میں فعل معطوف ہوتا ہے دو حصے نہیں ہو سکتے، کیوں کہ بعض اوقات تقدیمی بطور تمیز کے آتا ہے، جیسے، کان دھر کے سنو جہاں ہر دو فعل ایک رتبے کے اور آزادانہ حیثیت رکھتے ہوں، وہاں حرف عطف لانا ضروری اور فصیح ہے۔ جیسے۔

خیر کفارہ عصیاں ہے پیڑ اور پلاؤ!

ایسے موقع پر کبھی حرف عطف حذف ہو جاتا ہے۔ جیسے وہ لکھنا پڑھنا ہے بعض اوقات محاورے میں (کر، یا کے بھی حذف ہو جاتا ہے جیسے، وہ اسے بلا لایا۔ برج بھاشا میں بلا لے لایا کہیں گے (یہاں نے بجائے کے یا کر کے آیا ہے) اسے بھاگتے دیکھ کر وہ بھی بھاگ گیا۔

۳۔ کبھی فعل تقدیمی سے فعل خاص کا سبب ظاہر ہوتا ہے جیسے، پولیس سے ڈر کر بھاگ گیا۔ شہر کو جلتا دیکھ کر بھاگ نکلا۔ لڑکا چلا گیا۔

۴۔ کبھی ذریعہ ظاہر کرتا ہے۔ جیسے، دیکھ کر فریفتہ ہو گیا۔ دُرود پڑھ کر پاک

کر دیا۔

کچھ کہہ کے اس نے پھر مجھے دیوانہ کر دیا
اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا!

۵۔ کبھی اعتراف یا فرضی صورت ظاہر کرتا ہے، لیکن یہ عموماً "ہوکر" کی صورت میں آتا ہے جیسے، شرم نہیں آتی۔ ایسے بڑے سورما ہوکر عورت ذات پر ہاتھ اٹھاتے ہو۔ بڑے بوڑھے ہوکر بچوں کی سی باتیں کرتے ہو۔

۶۔ راہ سے، کے معنوں میں جیسے، یہ نالی چوک سے ہوکر گئی ہے۔ لکھنؤ سے ہوکر دہلی جاؤں گا۔ (یہ استعمال بھی عموماً ہوکر کے ساتھ ہوتا ہے)

۷۔ محاورے میں اعداد کے ساتھ یہ استعمال صرف "کرکے" سے مخصوص ہے ایک ایک کر کے آؤ، چار چار کر کے گنو (ایسی صورت میں اعداد تکرار کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں۔

۸۔ بعض اوقات صفت کے معنوں میں آتا ہے، جیسے، یہ اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔

کبھی تمیز کا کام دیتا ہے۔ جیسے وہ مقام اس سے آگے بڑھ کر ہے یعنی اور آگے ہے۔

۹۔ یہاں اس امر کا بیان کرنا ضروری ہے کہ بعض اوقات حالیہ ناتمام اور حالیہ معطوفہ کے معنوں میں ذرا سا فرق ہوتا ہے جو قابل لحاظ ہے جیسے۔

۱۔ وہ گھر میں سے شراب پیئے (یا پیئے ہوئے) نکلا
۲۔ وہ گھر میں سے شراب پیتا (یا پیتا ہوا) نکلا
۳ وہ گھر میں سے شراب پی کر نکلا

۴۔ پہلے جملے کے یہ معنی ہیں کہ جس وقت وہ گھر سے باہر آیا تو وہ حالت نشہ

میں تھا۔

دوسرے جملے کے یہ معنی ہیں کہ شراب گھر میں پینی شروع کی اور باہر آتے وقت بھی پی رہا تھا۔

تیسرے جملے کے یہ معنی ہیں کہ پہلے اس نے گھر میں شراب پی اور اس کے بعد باہر نکلا۔

۱۰۔ اسی طرح دو جملوں میں بھی باریک فرق ہے۔

۱۔ جاکر کہو۔ ۲۔ کہہ کر آؤ۔

۱۔ وہ لاہور ہو کر آیا ہے یعنی لاہور گیا اور واپس آیا۔

۲۔ وہ لاہور سے ہوتا (ہوا) آیا ہے۔ یعنی کسی اور جگہ سے آیا اور لاہور ٹھہر کر آیا ہے۔

۱۱۔ عموماً حالیہ معطوفہ کا تعلق فاعل سے ہوتا ہے اور بطور صفت کے آتا ہے۔ لیکن بعض اوقات تمیز فعل بھی ہوتا ہے، جس کا ذکر مع استعمال کے تمیز کے بیان میں آئے گا۔

۱۲۔ کر اور کے، حالیہ معطوفہ کے لئے جدید فصیح ہندی اور اردو، دونوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ قدیم ہندی میں ان کا استعمال نہیں ہوا۔ وہاں صرف مادہ فعل یہ کام دیتا تھا جس کا استعمال اب بھی باقی ہے جیسے، وہ یہ دیکھ بھاگ نکلا۔ نظم یہ استعمال اب بھی ہے۔

دیکھ عادت کا تسلط یں لئے عادت سے کہا۔

ان دونوں میں (یعنی کر اور کے میں) کچھ فرق نہیں ہے اب رہا یہ امر کہ کر کہاں استعمال کرنا چاہیئے اور کے کہاں، اس کا انحصار حسن صوت یا حسن سماعت پر ہے۔

اسم فاعل

یہ وہ اسم ہے جو فعل سے بنتا ہے اسم فاعل ہے اور اس کے معنی کام کرنے والے کے ہوتے ہیں۔

عموماً مصدر کے بعد والا یا ہار (ہارا) بڑھانے سے بنتا ہے۔ والا کے ساتھ ہمیشہ مصدر کا الف یائے مجہول سے بدل جاتا ہے۔ ہار کے ساتھ مصدر کا الف گر جاتا ہے۔ جیسے مرنے والا۔ ڈرنے والا۔ جانے والا، مگر مؤنث میں اس کا الف یائے معروف سے بدل جاتا ہے۔ جیسے مرنے والی وغیرہ

چلن ہار۔ ہون ہار۔

پنہارا (مذکر) پنہاری (مؤنث) اسی طرح پنہارا، پنہاری۔

بعض اوقات حرف اسم کے ساتھ والا آتا ہے اور فعل محذوف ہوتا ہے جیسے محبت والا۔ دولت والا یعنی محبت کرنے والا اور دولت رکھنے والا۔

عموماً یہ ایسے اسم کے ساتھ آتا ہے جو اضافی یا مفعولی حالت میں ہوتا ہے جیسے دلوں کا پھیرنے والا۔ اپنے پرائے کا غم کھانے والا۔ رحم کرنیوالا وغیرہ

کبھی یہ صورت زمانہ مستقبل کے ظاہر کرنے کے لئے بھی آتی ہے جیسے وہ آئندہ سال ولایت جانے والا ہے۔ میں بھی جانے والا ہوں۔

کبھی زمانہ ماضی کے ساتھ مستقبل کے ذکر کے لئے بھی آتا ہے جیسے میں تمہیں خط لکھنے والا ہی تھا کہ اتنے میں تم آ گئے۔

زمانہ

یہ پہلے بیان ہو چکا ہے زمانہ تین ہیں گزشتہ جسے ماضی کہتے ہیں، موجودہ جو حال کہلاتا ہے آئندہ جس کا نام مستقبل ہے۔ ہر فعل کے لئے ضروری ہے کہ ان تینوں میں سے ایک زمانہ میں واقع ہو۔ لیکن بہ لحاظ معانی و تکوین فعل

کی تین حالتیں ہوں گی۔

(۱) کام جو ابھی شروع نہیں ہوا یعنی مستقبل یا

(۲) کام جو شروع تو ہوا لیکن ختم نہیں ہوا۔ یعنی افعال ناتمام۔

(۳) کام جو ختم ہو چکا یعنی افعال تمام۔

اس تقسیم کے لحاظ سے ایک قواعد نویس جو فلسفی دماغ رکھتا ہے مضارع اور امر کو شق اول یعنی مستقبل کے تحت میں رکھے گا۔ کیوں کہ ان دونوں میں فعل زمانہ حال میں شروع نہیں ہوتا بلکہ زمانہ آئندہ میں ہوتا ہے۔ لیکن جب زبان کی ساخت اور نشو نما پر نظر کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ فعل کی دو بلکہ تین قسمیں ہیں۔ اول سادہ، دوم وہ جو محض حالیہ سے بنتے ہیں یا حالیہ کے ساتھ کسی قدیم فعل کا کوئی جز لگا ہوتا ہے جو مل کر جز و فعل ہو جاتا ہے۔ سوم مرکب افعال۔

مضارع

یہ تقسیم زیادہ صحیح اور نیچرل ہے اور اس لحاظ سے سادہ افعال میں سب سے پہلا نمبر سنسکرت کے قدیم فعل حال کا ہے جس میں اب تک اصل کی جھلک پائی جاتی ہے۔ موجودہ حالت میں وہ صریح طور سے حال کے معنی نہیں دیتا بلکہ اس کے معنوں میں کئی قسم کا ابہام پایا جاتا ہے۔ اور خاص کر زمانہ مستقبل شرطیہ کے لئے مخصوص ہے یہی وجہ ہے کہ ہم نے اسے عربی نام مضارع دیا ہے اور ان معنوں کے لحاظ سے زیادہ موزوں ہے قدیم ہندی میں نہ صرف شرط و استقبال بلکہ حال کے معنی دیتا ہے۔ جو ہندی ضرب الامثال اور بے تکلف بول چال کے فقروں سے صاف ہے۔ یہ حال ہی سے تعلق رکھتا ہے اسی لئے ہم نے سادہ افعال میں اسے سب سے اول رکھا ہے اب ہم اس کے مختلف استعمالوں

کا ذکر کریں گے۔

مضارع کا استعمال دو قسم کا ہے ایک تو شرطیہ اور احتمالی جو اکثر مستقبل کے معنی دیتا ہے اور دوسرا خبریہ۔

۱۔ معروف امثال اور روزمرہ کے فقروں میں عموماً حال کے معنے دیتا ہے جیسے۔ کرے کوئی اور بھرے کوئی۔ گرے موچھوں والا پکڑا جائے داڑھی والا، کچھ ہم سمجھے کچھ تم سمجھے۔ خدا جانے کیا ہوگا کیا جانے کیا ہوا۔

یہ استعمال مضارع کا اصل استعمال ہے۔

۲۔ امکان، جیسے، کوئی پوچھے کہ آپ کو اس سے کیا غرض۔

۳۔ اجازت۔ جیسے، آپ فرمائیں تو آؤں۔ اجازت ہو تو عرض کروں کیا وہ جائے۔

۴۔ اگر شرط اور جزا دونوں کے جملوں میں شک، امکان یا ابہام پایا جائے تو مضارع دونوں میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسے، مینھ برسے تو کھیتی ہری ہو۔ وہ آئے تو میں جاؤں۔ اگر وہ فرمائیں تو ڈھونڈ نکالوں۔

ہم پکاریں اور کھلے، یوں کون جائے   یار کا دروازہ گر چاہیں کھلا!

بعض اوقات جب احتمال یا امکان صرف جملہ شرط میں ہوتا ہے تو مضارع شرط کے ساتھ آتا ہے اور جزا میں فعل مستقبل یا حال ہوتا ہے اگر وہ نہ آئے تو میں چلا جاتا ہوں (یا چلا جاؤں گا) اگر مل جائے تو بڑی بڑی بات ہے۔ اگر وہ یہ قبول کرے تو میرا ہزاروں کا فائدہ ہو جائے گا۔

۵۔ جب جملہ تابع کاف بیانیہ بشرطیکہ، شاید وغیرہ کے ساتھ شروع ہوتا اور مقصد یا غرض و غایت، نتیجہ، ارادہ، خواہش، ضرورت، مشورہ، حکم وغیرہ ظاہر کرتا ہے یا کبھی چاہیئے اور لازم ہے وغیرہ کے ساتھ آ کر ان معنوں

کا اظہار کرے تو اس میں اکثر مضارع استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے، میں نے کہا کر وہ آئے تو بہتر ہے، میں نے ارادہ کیا کہ تمہارے پاس آؤں۔ مناسب یہ ہے کہ وہاں نہ جائے۔ بادشاہ کو چاہیئے کہ رعایا سے ایسا برتاؤ نہ کرے مجھے ڈر ہے کہ کہیں گر نہ پڑے۔ میں اس پر عمل کرنے کو تیار ہوں۔ بشرطیکہ اس میں جھوٹ نہ ہو شاید اس کا کہا سچ نکلے۔ بہتر تو یہ ہے کہ ہم سب ساتھ چلیں یہ۔ نے یہ اس غرض سے کہا کہ ان کا شبہ جاتا رہے۔

۶۔ دعایا تمنا کے لئے جیسے خدا تجھے برکت دے۔ عمر دراز ہو۔ عمر و اقبال بڑھے۔ خدا کرے کہ وہ کامیاب ہو جائے۔ جو ایسا کرے وہ ہمیں پیٹے یا ہمارا حلوا کھائے۔

۷۔ شبہے اور اضطراب کے لئے جیسے گیا کروں کیا نہ کروں، کہوں یا نہ کہوں۔

ہائے میں کیا کروں کہاں جاؤں

یہ خط کسے دوں۔

۸۔ کبھی مستقبل کا ایسا زمانہ ظاہر کرتا ہے جو غیر محدود ہوتا ہے جیسے جب بلائیں تب آنا۔ جب کہیں تو لانا۔

۹۔ تعجب اور افسوس کے لئے۔

جیسے :۔

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے

کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

افسوس وہ اتنی دور آئے اور ناکام واپس چلا جائے۔ وہ اور ایسا کرے، میں اور شراب پیوں۔

یوں پھرے اہل کمال آشفتہ حال افسوس ہے
اے کمال افسوس ہے تجھ پر کمال افسوس ہے

(۱۰) تشبیہ و مقابلہ کے لئے، جب کہ وہ تشبیہ حقیقی نہ ہو بلکہ احتمالی یا فرضی ہو جیسے اس نے اپنے حریف کو اس طرح پھینک دیا جیسے کوئی تنکا توڑ مروڑ کے پھینک دے، وہ اس طرح وحشت زدہ کھڑا تھا۔ جیسے کوئی کسی مجمع میں برہنہ کو کھڑا کر دے۔

(۱۱) اظہار توقع کے لئے جیسے، اگر آپ آئیں تو عین عنایت ہوگی۔ آپ رک جائیں تو میں بھی ہمراہ ہو لوں۔ وہ آئے تو میں بھی ساتھ چلوں۔

(۱۲) کیسا، کتنا وغیرہ الفاظ تمیز کے ساتھ جب تک کہ یہ الفاظ تاکیدی معنوں میں ہوں۔ ایسی صورت میں جملہ اکثر منفی ہوتا ہے۔ جیسے، کوئی کتنا ہی شور مچائے اسے خبر تک نہیں ہوتی۔ کوئی کیسی ہی خوشامد کرے وہ خاطر ہی میں نہیں لاتا۔ آپ ہزار کہیں، وہ سنتا ہی نہیں۔

(۱۳) ایک صورت اپنی عاجزی کے اعتراف کی ہے، جیسے، نہ میں شعر کہوں نہ شاعر کہلاؤں، نہ مجھے نوکری کی خواہش ہو نہ خوشامدی کہلاؤں، نہ وہ آئیں اور نہ میں ان سے اظہار مطلب کر سکوں۔

(۱۴) مضارع کا ایک اور استعمال ہے جس میں ایک قسم کا مشورہ اپنے دل سے ہوتا ہے۔

رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو

(۱۵) چاہیے کبھی مضارع سے جس کے معنے مناسب ہے یا لازم ہے کہ ہیں اس میں کبھی اخلاقی فرض کے ادا کرنے کی تاکید ہوتی ہے، جیسے ہمیں کہنا

اس سے ملنا چاہیئے۔ ان سے ادب کے ساتھ پیش آنا چاہیئے وغیرہ

امر

مضارع کے بعد دوسرا فعل جو دراصل مادۂ فعل ہے وہ امر ہے، اور یوں بھی مضارع سے بہت مشابہ ہے۔ کیونکہ سوائے حاضر کے صیغوں کے باقی تمام صیغے وہی ہیں جو مضارع کے ہیں۔

۱۔ حکم اور ممانعت کے لئے عام طور پر استعمال ہوتا ہے۔

۲۔ امتناعی صورت میں امر کے ساتھ نہ اور مت آتا ہے۔ نہ میں نفی اور کبھی امتناع بھی پایا جاتا ہے۔ لیکن مت سے ہمیشہ نہی یا امتناع تاکیدی ظاہر ہوتا ہے یہ لفظ خاص اسی لئے مخصوص ہے اور اس میں نہ سے زیادہ زور ہوتا ہے "نہیں" یوں تو امر کے ساتھ استعمال نہیں ہوتا لیکن کبھی کبھی آخر میں استعمال ہوتا۔ جیسے ڈرو نہیں۔ گھبراؤ نہیں۔

۳۔ غائب اور متکلم کے صیغے صرف مشورے اور اجازت کے لئے آتے ہیں جیسے ہم جائیں اور وہ جائے۔ اور یہ حالت مضارع کی ہے جیسے۔ ذرا میں بھی تو سنوں۔ کوئی میرے پاس نہ آئے۔ وہ اپنی بات پر قائم رہے

۴۔ ادب اور تعظیم کے لحاظ سے امر کی کئی صورتیں ہیں۔

علاوہ معمولی صورت کے ایک یہ ہے جائیو۔ آئیو۔ مگر یہ صورت معمولی درجے کے لوگوں یا خدمت گاروں وغیرہ سے گفتگو کرنے میں استعمال کی جاتی ہے البتہ ہوجیو، رہیو وغیرہ دعا کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے دولت و اقبال میں ترقی ہوجیو۔ مگر اس کا استعمال بھی اب کم ہوتا جاتا ہے۔

دوسری صورت ہے آیئے، جایئے، لایئے، یہ ادب اور تعظیم کیلئے بڑے لوگوں سے گفتگو کرتے وقت استعمال ہوتی ہے۔

بظاہر یہی صورت بعض اوقات خصوصاً نظم میں مضارع کے لیئے استعمال ہوتی ہے۔ ایسے امر نہ سمجھا جائے، رہیئے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو۔

حاضر کے ساتھ غائب کا صیغہ استعمال کرنے سے بھی تعظیم کا پہلو نکلتا ہے جیسے، آپ جائیں، آپ فرمائیں۔

۵۔ حالیہ ناتمام کے بعد (رہ) کے آنے سے امر مدامی کی صورت پیدا ہوتی ہے یعنی اس فعل کے ہمیشہ جاری رہنے کے معنے ہوتے ہیں جیسے جیتا رہ کھاتا رہ۔ پھولتا پھلتا رہ۔

۶۔ امر کے بعد کبھی نہ، آتا ہے۔ جس میں نفی کے معنی نہیں ہوتے بلکہ بخلاف اس کے اثبات میں اور تاکید ہوتی ہے۔ آؤ نہ ہم بھی چلیں، بیٹھو نہ،

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب
آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہ طور کی !

کبھی، تو، بھی انہیں تاکیدی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسے سنو تو، بیٹھو تو وغیرہ۔

مستقبل

۱۔ مستقبل مطلق میں زمانۂ آئندہ کا علم حقیقی ہوتا ہے یا ایسا سمجھ لیا جاتا ہے حالانکہ مضارع میں احتمالی یا شرطی ہوتا ہے اور امر میں امکانی۔

۲۔ تمہیں پھر ایسا آدمی نہیں ملے گا۔ جہاں جاؤ گے میں تمہارے ساتھ رہوں گا۔ یہ مثالیں ایسی ہیں جن میں حقیقی اور یقینی طور پر ایک امر کا بیان کیا گیا ہے مگر بعض اوقات صرف ایسا سمجھ لیا جاتا ہے گو حقیقت میں یوں نہ ہو مثلاً اگر میں نے وعدہ پورا نہ کیا تو لوگ کیا کہیں گے؟ وہ نہ آیا تو بڑی مشکل

پڑے گی، تم امتحان میں کامیاب نہ ہوئے تو نوکری مشکل سے ملے گی۔

مستقبل کے متعلق باقی حال صرف میں بیان ہو چکا ہے۔

فعل حال

(۱) حال مطلق اصل میں تو یہ فعل حالات موجودہ کو ظاہر کرتا ہے یا کسی ایسے کام کو جو اس وقت ہو رہا ہے، لیکن ضمناً زمانہ حال کے متعلق دوسرے معانی بھی پیدا ہوتے ہیں مثلاً۔

(۱) عادت یا تکرار فعل۔ جیسے، جب وہ آتا ہے یہی شکایت کرتا ہے شام کے کھانے کے بعد وہ روزانہ باغ کی سیر کو جاتا ہے یہ دونوں بھائی ہر جگہ ساتھ آتے اور ساتھ جاتے ہیں۔

(۲) عام امور صداقت جو کبھی باطل نہ ہوں گے یا جن کی نسبت ایسا خیال کیا جاتا ہے۔ جیسے دو اور دو چار ہوتے ہیں جو خلق اللہ کی خدمت کرتا ہے خدا کے نزدیک بڑا وہی ہوتا ہے۔ ہزار جتن کرو قسمت کا لکھا پورا ہوتا ہے۔

(۳) مستقبل قریب بلکہ ادب کے لئے جیسے، میں ابھی جاتا ہوں۔ ابھی حاضر ہوتا ہوں۔ حال ناتمام بھی بعض اوقات ان معنوں میں آتا ہے جیسے میں شہر جا رہا ہوں۔

(۴) زمانہ گزشتہ کے لئے جسے حال حکائی کہتے ہیں۔ جیسے، بابر ہندوستان پر حملہ کرتا اور افغانوں اور راجپوتوں کو شکست دیتا ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں۔ میں جو اندر گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ بے چاری معصوم لڑکی زمین پر پڑی تڑپ رہی ہے۔

۵ - بعض اوقات ایسے فعل کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جو زمانہ گذشتہ میں شروع ہوا اور حال میں بھی جاری ہے جیسے، میں چند روز سے دیکھتا ہوں، یا دیکھ رہا ہوں، کہ یہ لوگ اپنا فرض پورے طور پر ادا نہیں کرتے۔

(ب) حال تمام ایسے فعل کے لئے آتا ہے جو بلحاظ زمانۂ حال پورا ہو چکا ہے لیکن بعض اوقات اس کے سوا اور بھی معنی دیتا ہے مثلاً۔

(۱) کبھی ایسی جگہ استعمال ہوتا ہے جہاں فعل تمام نہیں ہوتا لیکن محاورے میں حال تمام ہی لکھا اور بولا جاتا ہے۔ جیسے، تم کیسے بے فکر بیٹھے ہو؟

(۲) بعض اوقات ایسے موقع پر جہاں از روئے قیاس ماضی میں ہونی چاہئے تھی مثلاً یہ لوگ کسی زمانے میں بڑے نامور گزرے ہیں پچھلے زمانے میں وہ بھی اپنا نام کر گیا ہے۔

(۳) بجائے ماضی مطلق، جیسے مجھے کل ہی بادشاہ نے خلعت عطا فرمایا ہے۔

(۴) گذشتہ زمانۂ بعید کو ظاہر کرنے کو۔ جیسے حدیث میں آیا ہے۔ خدا نے فرمایا ہے۔ قرآن میں لکھا ہے۔

ماضی

(۱) ماضی مطلق۔ ایسے فعل کو ظاہر کرتی ہے جو زمانہ گزشتہ میں بلا تعین وقت ہوا مگر علاوہ اس کے محاورے میں بعض دوسرے مقامات پر بھی استعمال ہوتی ہے۔ مثلاً۔

(۱) بعض اوقات حال بجائے۔ جیسے، آپ یہاں بہت دنوں رہے (یعنی بہت دنوں سے ہیں)

یا حال تمام کے بجائے، جیسے، آپ بہت دنوں تک بچے رہے، یعنی

بہت دنوں سے بچے ہوئے ہیں، اب یہاں تنکا تک نہیں بچا، نہیں بچا ہے۔

(۲) بجائے حال مطلق۔ جیسے اس شہر میں جو آپ سے نہ ملا اس کا آنا یہاں بیکار ہوا، یعنی جو آپ سے نہیں ملتا اس کا آنا یہاں بے کار ہوتا ہے۔

(۳) بجائے مستقبل۔ وہ آیا اور میں چلا۔ (جس وقت وہ آئے گا میں چل دوں گا یعنی اس کے آتے ہی چلا جاؤں گا، یا بول چال میں نوکر کو آواز دیتے ہیں۔

"یہاں آؤ"، وہ جواب دیتا ہے، "آیا"، یا اس سے کہتے ہیں "پانی پلاؤ" وہ کہتا ہے "لایا"۔ ان میں مستقبل کے معنے ہیں۔

(۴) ماضی ناتمام، جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کسی خاص زمانہ گزشتہ میں کام جاری تھا۔ اس کا اظہار مختلف صورتوں سے ہوتا ہے۔

(ا) وہ کالج میں پڑھتا تھا۔

(ب) وہ کالج میں پڑھ رہا تھا۔

(ج) وہ ایک مدت تک کالج میں پڑھتا رہا۔

(د) وہ مدت تک کالج میں پڑھا کیا۔

صورت اول فعل جاریہ بلا تعین (بے تعین وقت) ہے۔ صورت دوم اس وقت استعمال ہوتی ہے جب ہم کسی وقت خاص یا مدت کا ذکر کرتے ہیں مثلاً جب میں وہاں گیا تو وہ کالج میں پڑھ رہا تھا۔ صورت سوم ایسی حالت میں استعمال ہوتی ہے جب کہ زیادہ مدت کا اظہار کرنا مقصود ہو یا جب اس کے ساتھ دوسرے فقرے ہوں اس سے کوئی نتیجہ نکالا جائے، مثلاً وہ ایک مدت کالج میں پڑھتا رہا، مگر کچھ حاصل نہ کیا۔

صورت چہارم ، صورت سوم کے مثل ہے یا بعض اوقات ایسے موقع پر استعمال ہوتی ہے کہ دو ایسے فعل متواتر جاری ہوں جن کا باہم تعلق ہے ہیں کہا گیا اور وہ سنا گیا۔

صورت سوم بھی اسی طرح استعمال ہوتی ہے۔

ماضی ناتمام :- بعض اوقات خاص زمانے میں فعل کا تکرار واقع ہونا بھی ظاہر ہوتا ہے۔ مثلاً جہاں کہیں وہ پہونچے تھے لوگ ان کا گرم جوشی سے استقبال کرتے تھے۔

بعض اوقات فعل امدادی حذف بھی ہو جاتا ہے۔ جیسے جہاں کہیں وہ جاتے لوگ ان کا گرم جوشی سے استقبال کرتے۔

(۲) ماضی تمام ، جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کام کو ختم ہوئے ایک مدت گزر چکی جیسے میں اس سے ملنے گیا تھا۔

کبھی ماضی تمام ایک فعل گزشتہ کے فعل ماقبل کے لئے بھی استعمال ہوتی ہے جیسے وہ اس وقت آیا جب کہ میں کھانا کھا چکا تھا۔

افعال احتمالی و شرطیہ

حال احتمالی۔ اس سے پہلے حصہ صرف حال احتمالی کی دو صورتیں بتائی گئی ہیں۔ یعنی آتا ہوگا یا آرہا ہوگا۔ ان دونوں کے مفہوم میں جو فرق ہے وہ بھی بیان ہو چکا ہے لیکن ان دونوں سے فعل کے متعلق گمان غالب کا ہونا پایا جاتا ہے یعنی گمان غالب ہے یا اغلب ہے کہ وہ آتا ہو، لیکن ایک صورت ان کے علاوہ حال احتمالی کی اور ہے جس میں گا آخر میں نہیں ہوتا۔ یعنی وہ آتا ہو۔ یہ صورت امکانی احتمالی صورت ہوتی ہے اور اغلبیت کا خیال مطلق نہیں ہوتا مثلاً شاید وہ ایسا سمجھتا ہو۔ ممکن ہے کہ وہ صبح کو وہ گھر سے نہ نکلتا ہو وہاں لے چلو جہاں وہ سوتے ہوں، اسی

طرح دوسری حالت بھی بغیر "گا" کے استعمال ہوتی ہے جیسے، شاید وہ آرہا ہے۔ اس کھیت میں شاید اسی کے مویشی چر رہے ہوں۔

حال احتمالی کی یہ آخری صورت ایسے موقع پر تشبیہ کے لئے استعمال ہوتی ہے کہ جہاں واقعی اور حقیقی حالت نہ ہو بلکہ فرضی ہو جیسے وہ اس طرح سے چلا آرہا ہے، جیسے کوئی تجار آتا ہو، درختوں پر سے آم ایسے پٹ پٹ گر رہے ہیں۔ جیسے اولے برس رہے ہوں۔

بعض اوقات حال احتمالی ماضی کے معنی بھی دیتا ہے۔ مثلاً کسی سے پوچھیں کہ تم نے اسے کبھی ایسا کرتے دیکھا تو جواب دے کہ کرتا ہوگا۔ مگر اس کے استعمال کے ساتھ ہمیشہ زمانۂ گزشتہ کی عادت کا اظہار ہوتا ہے۔

حال شرطیہ۔ حال شرطیہ درحقیقت مضارع ہے لیکن مضارع میں اور حال میں فرق ہوتا ہے۔ یہ فرق پہلے بیان بھی ہو چکا ہے یعنی مضارع سے امکانی حالت معلوم ہوتی ہے اور حال سے واقعی جیسے۔

(۱) مینھ برسے تو کھیت پنپے — مضارع

مینھ برستا ہے تو کھیت پنپتا ہے — (حال)

(۲) اگر وہ آئے تو آنے دو — (مضارع)

اگر وہ آتا ہے تو آنے دو — (حال)

دوسری مثال میں بھی مضارع سے وہی امکانی حالت معلوم ہوتی ہے مگر حال سے فاعل کی آمادگی ظاہر ہوتی ہے۔

ماضی احتمالی

(۱) اس میں احتمال پایا جاتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی فعل کی تکمیل کے متعلق گمان غالب ہوتا ہے جیسے، آپ نے خبر سنی ہوگی۔ اب تو اس

نے کھانا کھالیا ہوگا۔

(۲) بعض اوقات اس سے تشویش بھی پائی جاتی ہے مثلاً اتنی رات گئے جو سوار آیا ہے تو نہ معلوم کیا خبر لایا ہوگا۔

(۳) بعض اوقات علامت آخر گا، حذف ہو جاتی ہے مگر اس کے ساتھ ہی معنوں میں بھی فرق ہو جاتا ہے۔ عموماً ذیل کے معنی ظاہر ہوتے ہیں۔

(ا) شرطیہ جملوں میں شرط میں واقعیت نہیں ہوتی بلکہ فرضی صورت ہوتی ہے جیسے اگر اس نے کوئی حرکت کی ہو۔

(ب) امکان۔ جیسے، ان لڑکوں میں کوئی ایسا نہیں ہے جس نے امتحان دیا ہو اور کامیاب نہ ہوا ہو۔

(ج) شک، جیسے، شاید اس نے یوں ہی کہہ دیا ہو۔ ممکن ہے اس نے دل لگی کی ہو۔

(د) تشبیہ، کے لئے، جیسے، وہ اس سے ایسا جلتا ہے جیسے اس نے اس کا باپ مارا ہو۔

(ہ) آزادی۔ جو کچھ بھی اس نے کہا ہو اور جو کچھ بھی اس نے کیا ہو سب معاف ہے۔

ماضی شرطیہ

(۱) اس سے شرط کے ساتھ ایک ایسے فعل کا اظہار ہوتا ہے جو وقوع میں نہیں آیا۔ جیسے اگر تم اس سے اس کا ذکر کر دیتے تو یہ نوبت نہ آتی علاوہ اس کے اس سے اور بھی چند معنی پیدا ہوتے ہیں۔

(۲) اکثر اس سے زمانہ گزشتہ میں فعل کا بالمرہ واقع ہونا بھی ظاہر ہوتا ہے جیسے، جہاں کہیں وہ بیٹھتا تھا، کو گلزار بنا دیتا۔ جب کبھی وہ ملنے آتا

اپنا دکھڑا روتا۔

(۳) اس ماضی میں عموماً دو جملے ہوتے ہیں، ایک شرط دوسرا اجزا۔ جزا یہ بتاتی ہے کہ اگر شرط پوری ہو جاتی تو کیا ہوتا۔ جیسے، اگر مجھے یہ معلوم ہوتا تو میں یہاں کبھی نہ آتا، اگر وقت پر نہ پہنچ جاتے ایک بھی نہ بچتا۔ اگر میں یہاں ہوتا اس کی مجال تھی کہ وہ ایسا کرتا۔

کبھی مفرد جملے میں شرط کے بھی استعمال ہوتا ہے، جیسے، میں اسے کیوں نہ پیار کرتا۔ وہ اس سے کیوں نہ ملتا۔

(۴) بعض اوقات آرزو کے اظہار کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے کاش وہ آج میرے ساتھ ہوتا۔

ایسے جملوں میں جملۂ آرزو کو جو محذوف ہوتا ہے شرط کی جزا سمجھنا چاہیئے یعنی تو کیا اچھا ہوتا۔

۵ اس فعل سے عموماً تمنا بھی ظاہر ہوتی ہے اور اسی لئے بعض قواعد نویسوں نے اسے ماضی تمنائی بھی لکھا ہے۔ جیسے، میں اب بوڑھا ہو گیا ہوں ورنہ تمہاری کچھ خدمت کرتا۔ وہ آجاتا تو میں بھی اس سے مل لیتا۔

(۶) ایک صورت اور اس ماضی کی ہے۔ جیسے۔ اگر میں وہاں نہ گیا ہوتا تو اچھا ہوتا۔ جاتا، کی بجائے گیا ہوتا۔ استعمال ہوا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اس میں فعل ختم ہو چکا ہے، باقی شرطیہ صورت وہی ہے لیکن اب ایسے واقعے کا اظہار ہے جس کا ہونا گزشتہ زمانے میں ممکن تھا لیکن وقوع میں نہ آیا اور یہ حالت ماضی شرطیہ کی دوسری صورتوں میں بھی پائی جاتی لیکن جب تک فعل (فرضی) کی اہمیت کا زیادہ خیال ہو تو آخری صورت استعمال کی جاتی ہے۔

افعال مجہول

طور مجہول اس وقت استعمال کیا جاتا ہے جب کہ فاعل نامعلوم ہو یا خاص طور پر اس کا ذکر نہ کیا جائے۔

اگرچہ یہ اکثر فعل متعدی سے مخصوص ہے مگر بعض اوقات یہ صورت فعل لازم کے ساتھ بھی آتی ہے۔ مثلاً اس سے جا کر آیا نہ گیا۔ مجھ سے چلا نہیں جاتا طور متعدی کے ساتھ یہ صورت عام طور پر مستعمل ہے

خدا مرا پھینک دیا یہ کہہ کر

ہم سے وفتر نہیں دیکھا جاتا

ان مثالوں میں جانا، معنے سکنا ہیں اگرچہ اوپر کے جملوں میں فعل کی صورت طور مجہول کی سی ہے مگر وہ درحقیقت طور لازم میں ہیں یہ استعمال ہمیشہ نفی کی حالت میں ہوتا ہے۔

یہاں، جانا، بطور معروف میں فعل امدادی کے آیا ہے۔ اس میں اور طور مجہول میں فرق کرنا ضروری ہے۔ اس کی تشریح ہم پہلے کر چکے ہیں اس موقع پر یہ ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ افعال مجہول کی نفی نہیں اور نہ دونوں کے ساتھ آتی ہے اور نفی افعال کے متعلق جو قواعد ہم پہلے بیان کر چکے ہیں وہی اس پر عائد ہوتے ہیں۔ لیکن حرف نفی فعل کی ابتدا یا اصل فعل اور امدادی فعل جانا۔ کے درمیان دونوں طرح آتا ہے، جیسے وہ آج نہیں نکالا جائے گا۔ وہ آج نکالا نہیں جائے گا۔ وہ نہیں پکڑا گیا۔ وہ پکڑا نہیں گیا۔

تعدیہ افعال

تعدیہ افعال کی مفصل بحث حصہ صرف میں ہو چکی ہے یہاں کسی

امر کے خاص طور پر بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

افعال مرکب

افعال امدادی میں چند امور خاص طور پر یاد رکھنے کے قابل ہیں۔

۱۔ افعال مرکب تاکیدی میں جب امدادی فعل لازم اور خواہ اصل فعل متعدی کیوں نہ ہو، مرکب فعل کی صورت زمانہ تمام میں لازم کی سی ہوگی اور فاعل کے ساتھ "نے" استعمال نہ ہوگا، جیسے۔ اس نے مٹھائی کھائی لیکن وہ مٹھائی کھا گیا یا کھا چکا، یہاں "گیا" اور "چکا" افعال امدادی لازم ہیں اس لئے باوجود اس کے کہ اصل فعل متعدی ہے مگر فاعل کے ساتھ "نے" استعمال نہیں ہوا۔

لیکن جہاں فعل امدادی متعدی ہے وہاں "نے" برابر استعمال ہوتا ہے۔ جیسے، اس نے پرندے کو مار ڈالا۔

لیکن لینا، دینا کی حالت مستثنیٰ ہے یعنی جب یہ فعل متعدی کے ساتھ آتے ہیں تو "نے" استعمال ہوتا ہے اور جب لازم کے ساتھ آتے ہیں تو "نے" نہیں آتا اور صورت لازم کی ہوتی ہے۔ جیسے وہ میرے ساتھ ہو لیا وہ چل دیا، میں نے کھانا کھا لیا۔ اس نے بات سن لی، وہ نہیں دکھائی دیا۔ اس مرکب فعل میں اگرچہ دونوں جز متعدی ہیں مگر مرکب حالت میں لازم ہیں، اسی طرح آواز سنائی دی۔

۲۔ سکتا، الگ استعمال نہیں ہوتا۔ ہمیشہ کسی دوسرے فعل کے ساتھ آتا ہے چکنا، البتہ الگ استعمال ہوتا ہے۔ جیسے میرا جھگڑا چک گیا۔ اس کا متعدی "چکانا" ہے۔ جیسے جھگڑا یا قرض چکا دیا۔

۳۔ چاہیئے۔ اکثر افعال کے ساتھ فرض و واجبیت کے اظہار کیلئے استعمال

ہوتا ہے جیسے، اسے وہاں جانا چاہیئے۔ تمہیں یہ کتاب پڑھنی چاہیئے بعض اوقات بجائے مصدر کے حالیہ تمام کے (جو ماضی مطلق کی صورت میں ہوتا ہے) ساتھ استعمال ہوتا ہے، جیسے۔

میر نہیں پیر تم کا بلی اللہ دے
نام خدا ہو جواں کچھ تو کیا چاہیئے

یہ استعمال قدیم ہے، جواب کم ہو جاتا ہے اور اس کی جگہ مصدر نے لے لی ہے۔

۵۔ بعض امدادی افعال آخر میں آنے کے بجائے اصل فعل کی ابتداء میں آتے ہیں، جیسے دے مارا۔ دے پٹکا۔ یہاں تانیث و تذکیر کا اثر اصل فعل پر ہوگا، میں نے کتاب دے پٹکی، اس نے گھڑا دے پٹکا۔ اسی طرح آ، اور جا بھی ابتدا میں آتے ہیں جیسے آپہنچا، جالیا، آلیا، نیز، لے، کا استعمال بھی اسی طرح ہوتا ہے، جیسے، لے بھاگا، لے دوڑا۔

۶۔ مرکب افعال کا باقی ذکر صرف میں مفصل ہو چکا ہے، البتہ ان مرکب افعال کے متعلق جو اسماء صفات وغیرہ کی ترکیب سے بنتے ہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ ان اسماء و صفات کا اثر فعل کی تذکیر و تانیث پر کچھ نہیں پڑتا مثلاً۔ وہ میرے کام کو برا کہتی ہے۔ وہ میرے کام کو برا کہتا ہے۔ وہ اس حرکت سے باز رہا۔ وہ اس حرکت سے باز رہی۔ اس نے فوج کا شمار کیا۔ اس نے تسبیح کے دانے شمار کیئے۔ اس نے کرسیاں شمار کیں۔

لیکن اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ قاعدہ صرف انہیں اسما کے ساتھ برتا جائے گا جو جزو فعل ہو کر مفرد فعل کا کام دیتے ہیں۔ جیسے شمار کرنا، یاد کرنا، شروع کرنا وغیرہ، مگر جہاں ایسے اسم مفعول واقع

ہوتے ہیں تو فعل جنس و تعداد میں ان کے مطابق ہوتا ہے مثلاً، دلاسا دیا تسلی دی۔ اطلاع دی وغیرہ میں اسم کا اثر برابر فعل پڑتا ہے۔ البتہ صفات کا اثر ہرگز فعل پر نہیں پڑتا کیوں کہ وہ تمیز کے طور پر استعمال ہوتی ہیں۔

ہندی مرکب افعال کا بھی یہی حال ہے مثلاً نام دھرنا۔ میں نام کا اثر فعل پر نہیں پڑے گا، وہ میرے کام پر نام دھرتا ہے، وہ میرے کام پر نام دھرتی ہے اس نے فضول میری راہ دیکھی۔ اس نے فضول میرا راستہ دیکھا یہاں اسم کا اثر فعل پر ہوا کیونکہ یہاں اسم مفعول واقع ہوا ہے مگر نام دھرنا۔ ادھار دینا یا لینا، ہاتھ آنا، ہاتھ لگنا، وغیرہ میں اسم جزء فعل ہے اور اس کا کوئی اثر فعل پر نہیں پڑتا۔

مرکب افعال میں انہیں اسماء کا اثر فعل پر نہیں پڑتا جو اول تو جزء فعل ہو گئے ہیں، دوسرے جب کہ یہ اسم خود مفعول واقع نہ ہوئے ہوں۔

۷۔ افعال مرکب کے متعلق ایک امر یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اکثر اوقات بغرض تعظیم و ادب استعمال کیے جاتے ہیں۔ مثلاً اس نے کہا۔ اس سے زیادہ تعظیم مقصود ہوتی تو کہیں گے۔ انھوں نے فرمایا اور اس سے بڑھ کر، ارشاد فرمایا وہ آئے اور تشریف لائے۔

بعض اوقات متانت و ثقاہت کے لئے مرکب فعل استعمال ہوتے ہیں مثلاً پوچھنے کی جگہ دریافت کیا یا استفسار کیا۔ مانگنے کی جگہ طلب کیا، اسی طرح تناول فرمانا، نوش فرمانا، ایسی صورتوں میں عربی اور فارسی الفاظ ہندی کے سادہ مصادر کے ساتھ آتے ہیں۔

تمیز

حرف میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ بعض الفاظ تمیز حروف ربط سے مل کر مرکب صورت میں آتے ہیں شلاً کب سے، جب سے، اب تک، جب تک، کہاں تک، جہاں تک، وغیرہ اسی طرح تاکیدی صورتوں کے ساتھ بھی یہ استعمال ہوتا ہے۔ جیسے یہیں سے۔ کہیں سے وغیرہ لیکن بعض اوقات تمیز زمانی ومکانی حروف اضافت کے ساتھ مل کر صفت کا کام دیتی ہے جیسے اب کے سال کس کا روزہ کہاں کی نماز۔ وہ کہاں کا باشندہ ہے۔ وہ ایسا کہاں کا امیر ہے

ا۔ کہاں علاوہ استفہام کے جب ایک جملے میں بہ تکرار الگ الگ فقروں کے ساتھ آتا ہے تو اس سے تعجب یا فرق عظیم ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے۔ جیسے کہاں وہ۔ کہاں میں، کہاں ذرہ، کہاں آفتاب، کہاں راجا بھوج، کہاں گنگا تیلی۔

کہاں کہاں جب ایک ہی ساتھ آتے ہیں تو اس کے معنے جگہ جگہ کس کس جگہ کے ہوتے ہیں جیسے

اذان دی کعبے میں، ناقوس دیر میں پھونکا۔

کہاں کہاں ترا عاشق تجھے پکار آیا۔

کہاں کہاں گیا اور کیا کیا دیکھا ایک طویل داستان ہے۔

(سنسکرت میں اسی طرح کواکو استعمال ہے۔

جہاں تہاں - ہر جگہ، جگہ جگہ، ہر کہیں کے معنوں میں جیسے جہاں تہاں یہی رونا ہے۔

۲- کہیں کے معنی کسی جگہ کے ہیں لیکن بعض اوقات محاورے میں اظہار شک یا اندیشے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے کہیں وہی نہ ہوں مجھے ڈر ہے کہ کہیں اس نے راز ظاہر نہ کر دیا ہو۔ کہیں وہی نہ ہوں۔ مجھے ڈر ہے کہیں اس نے راز ظاہر نہ کر دیا ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ چلا جائے کہیں وہ آگیا تو غضب ہو جائے گا۔

کبھی یہ صفات کے ساتھ آتا ہے اور صفاتی معنوں کے بڑھانے کے لئے استعمال ہوتا ہے جیسے وہ اس سے کہیں بڑا ہے یہ درخت اس سے کہیں اونچا ہے۔

کہیں کہیں، کسی کسی جگہ کے معنوں میں آتا ہے بعض اوقات اس میں حرف نفی میں بھی داخل ہوتا ہے لیکن اس سے نفی مقصود نہیں ہوتی بلکہ اس سے اثبات میں زیادہ زور پیدا ہو جاتا ہے جیسے کہیں نہ کہیں ضرور مل جائے گا۔ یعنی کسی نہ کسی جگہ۔ ان دونوں کے معنی میں تھوڑا سا فرق ہے کہیں کہیں کے معنی ہیں۔ کسی جگہ یعنی بہت کم۔ مثلاً کوئی کہے " اس ملک میں اکثر پھرا نیم کا درخت کہیں کہیں نظر آتا ہے " یا کوئی کہے میں اس ملک کے اکثر مقامات میں پھرا مگر نیم کا درخت کہیں ضرور نظر آئیگا ضرورت معنی میں زیادہ زور دینا ہے جیسے ..... جائے گا کہیں نہ کہیں "

۳- ..... جہاں جہاں جس جس جگہ معنوں میں آتا ہے جیسے جہاں جہاں گیا یہی افتاد پڑی۔

۴- ادھر ادھر ایک ساتھ مل کر بھی آتے ہیں اور بالمقابل الگ الگ فقروں

میں استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے، کبھوں ادھر اُدھر پھر رہے ہو ادھر یہ چلا رہا ہے۔ ادھر وہ کھڑا ارو رہا ہے۔

۵۔ یوں۔ جیسے، یوں کہو۔ یوں تو یہ کبھی برا نہیں۔

کہنے تھے کہ یوں کہتے جو وہ آتا۔
سب کہنے کی باتیں ہیں کچھ بھی نہ کہا جاتا

یہاں اس طرح، کے معنی ہیں، لیکن کبھی ویسے، اس خیال یا اس لحاظ کے معنوں میں آتا ہے (مگر تو کے ساتھ) جیسے

یوں تو مجنوں سے کبھی چھپا ہیں ہم (میر)

یوں تو ہر شخص اپنی رائے کا مختار ہے۔

کبھی یہ کے معنوں میں جیسے

یوں کیوں نہیں کہتے کہ مجھے جانا ہی منظور نہیں۔

۶۔ پرے ہمت کے ساتھ فاصلے کو بھی بتاتا ہے جیسے، وہ کھیت اس سے پرے ہے میرے جا یا پرے ہٹ کے معنی دور ہو کے ہیں۔

اہل لکھنؤ اس لفظ کو استعمال نہیں کرتے لیکن مشکل یہ ہے کہ ان معنوں میں کوئی دوسرا لفظ بھی نہیں ان کی طرف سے ادھر کا لفظ پیش کیا جاتا ہے لیکن اہل ذوق جانتے ہیں کہ ادھر اور پرے میں بہت فرق ہے درے قریب کے لئے انھیں معنوں میں مستعمل ہے۔

۷۔ ویسے قریب قریب یوں کے معنوں میں آتا ہے جیسے، ویسے تو یہ بھی اچھا ہے یعنی معمولی حالت میں کیسا اکیڈی، کیسے بھی تعجب کے اظہار کے لئے کس قدر کے معنوں میں آتے ہیں جیسے بادل آسمان پر کیسے دوڑے دوڑے پھرتے ہیں، کیسی تملاتی ہوئی پھر رہی ہے اور کبھی کیوں کر کے معنوں

میں بھی آتا ہے۔ جیسے پہاڑسی رات کیسے کٹے گی یہاں کیسے آنا ہوا۔

اتنا میں کے ساتھ مل کر تمیز زماں کا کام دیتا ہے جیسے، اتنے میں وہ آگیا بعض اوقات قیمت کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے، یہ چیز اتنے میں آئے گی۔

۸۔ ہی تاکید اور حصر کے لئے آتا ہے جیسے، یہ تو ہے ہی مگر تلاش اس سے اچھی کی ہے وہ جانتا ہی نہ تھا بڑی مشکل سے سمجھا ہے۔ میں تو آ ہی چکا تھا، بلانے کی ضرورت نہ تھی، وہ جانتا ہی نہیں۔ وہ اس کے دم میں آ ہی گیا۔

۹۔ سہی (اس کی اصل صحیح بتائی جاتی ہے۔ اور اردو قدیم اردو میں اس لفظ کو صحیح ہی لکھتے تھے) جیسے، سن تو سہی، کہہ تو سہی، اکثر تو، کے ساتھ مل کر آتا ہے، بعض اوقات اپنے اصل معنوں کی طرف رجوع کرتا ہے۔

جیسے
جھڑکی سہی ادا سہی چین جبیں سہی
سب کچھ سہی پر ایک نہیں کی نہیں سہی

کبھی دھمکی کے معنی دیتا ہے جیسے آؤ تو سہی، کھاؤ تو سہی ان معنوں میں ہمیشہ تو کے ساتھ آتا ہے۔

کبھی آمادگی ظاہر کرتا ہے جیسے تم جاؤ تو سہی پھر دیکھا جائے گا۔ کبھی استغنا ظاہر کرتا ہے لیکن حرف نفی کے ساتھ۔

نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پروا
نہ سہی گر مرے اشعار میں معنی نہ سہی

نہ ہوئی گر مرے مرنے سے تسلی نہ سہی
امتحاں اور بھی باقی ہو تو یہ بھی نہ سہی

۱۰۔ تو تمیز کے لئے آتا ہے جیسے، دیکھوں تو۔ بیٹھو تو

۱۱۔ کہ، بعض اوقات محاورے میں ایسے موقع پر بولتے ہیں کہ جب کہ ایک فعل کے وقوع میں آنے سے پہلے کوئی دوسرا فعل واقع ہو جیسے میں آواز دینے ہی کو تھا کہ وہ آگیا، وہ بولنے ہی کو تھا کہ میں نے روک دیا۔ ان جملوں میں "کہ، تمیز زماں ہے اور جب یا اتنے میں کے معنی دیتا ہے۔

۱۲۔ بھی، کبھی ذرا اور، تھوڑا اور کے معنوں میں آتا ہے۔ جیسے ٹھہرو بھی، چلے جانا۔
کبھی رفع تامل کے لئے جیسے، کھا بھی لو، لکھ بھی لو۔
کبھی اظہار اضطراب کے لئے جیسے چلو بھی (یعنی بہت بیٹھے اب چلو
اشتراک کے لئے۔ وہ بھی آئے تم بھی آؤ۔
یہ بھی جاری ہے، وہ بھی جاری ہے۔ داغ
رہا ہوں رند بھی اے شیخ پارسا بھی ہیں۔ حالی

۱۳۔ خیر (سے کے ساتھ) اچھی حالت کے ظاہر کرنے کے لئے جیسے خیر سے ہیں یا خیر سے پہونچ گئے۔
کبھی طنزاً جیسے خیر سے آپ ملک کے بڑے ہمدرد اور بہی خواہ ہیں۔ اکثر خیر کا لفظ ابتدائے کلام میں آتا ہے جس سے مقصود گفتگو ختم کرنے کا ہوتا ہے جیسے، خیر سے یہ سب کچھ ہوا۔ اب ارادہ کیا ہے۔ خیر اب تشریف لے جائیے پھر دیکھا جائے گا۔

کبھی استغنا کے معنی ظاہر کرنا ہے۔ جیسے، خیر کیا مضائقہ ہے۔
کبھی اچھا، یا بہتر، کی بجائے جیسے خیر یوں ہی سہی۔
کبھی دھمکی کے لئے۔ جیسے خیر دیکھا جائے گا۔

۱۴۔ اچھا، خیر کے تیسرے معنوں میں کبھی استعمال ہے جیسے، اچھا تو تم آ گئے کب؟ اچھا اب چلتے ہو یا نہیں؟

استدراک کے معنوں میں جیسے، اچھا تم خواہ مخواہ اس کے پیچھے کیوں پڑے ہو۔

ہم پیشہ و ہم مشرب و ہم راز ہے میرا غالب کو برا کیوں کہو اچھا مرے آگے

کبھی اظہار تعجب کے لئے خصوصاً جب کسی ایسے امر کی اطلاع ہو جو خلاف توقع ہے۔ اچھا یہ بات ہے، اچھا تو یہ معاملہ یوں تھا۔

مخاطب کے جواب میں کسی امر سے اتفاق ظاہر کرنے یا حکم کی تعمیل کے لئے جیسے، اچھا جاتا ہوں، اچھا ابھی حاضر ہوا۔

جملے کی ابتدا میں محض تزئین کلام کے لئے جیسے اچھا یہ تو کہو تمہارے والد کب تک یہاں ٹھہریں گے۔

دھمکی کے لئے۔ جیسے اچھا سمجھوں گا۔

۱۵۔ بھلا، جملے کی ابتداء میں محض حسن کلام کے لئے آتا ہے۔ جیسے بھلا اس کی کس کو خبر تھی، بھلا یہ کیوں کر ممکن تھا۔ اچھا کے معنوں میں جیسے

بھلا ہو اکہ تری سب برائیاں دیکھیں (میر)

کو، کے ساتھ محاورے میں اچھا ہوا خیر، سے کے معنوں میں بھلے کو وہاں موجود تھے۔

میخانے کے قریب تھی مسجد بھلے کو داغؔ
ہر ایک پوچھتا تھا کہ حضرت ادھر کہاں (داغؔ)

۱۶۔ بارے، ہیں مگر یا لیکن کے معنوں میں آتا ہے جیسے، یہ سب کچھ سہی بارے اسے کیا جواب دو گے۔

لیکن تمیز کی حالت میں اس کے معنی، آخر، یا بہر حال، کے ہوتے ہیں جیسے، بارے وہ تمہارے کہنے سے مان تو گیا۔ بارے گرتے پڑتے کچھ ہو تو گیا۔

بارے دنیا میں رہو غمزدہ یا شاد رہو
ایسا کچھ کر کے چلو یہاں کہ بہت یاد رہو (میرؔ)

مگر یہ استعمال کم ہوتا جاتا ہے۔

۱۷۔ کیوں، برائے استفہام جیسے، تم وہاں کیوں گئے؟ کبھی محض اظہار سبب کے لئے۔ یعنی کس لئے، کے معنی میں جیسے، میں وہاں کیوں جاؤں۔ جیسے ضرورت ہو گی آپ آ جائے گا۔

فعل، نہ ہو، کے ساتھ کئی طرح استعمال ہوتا ہے۔

کبھی مخاطب کے کلام کی تائید کے لئے جیسے، کیوں نہ ہو، جب آپ جیسے قدر دان ملک کے ہوں۔

۲۔ کبھی طنزاً بھی استعمال ہوتا ہے جیسے، کیوں نہ ہو، آپ ہی تو خاندان کے چراغ ہیں۔

۳۔ کبھی محض زور دینے کے لئے، جیسے

ہم انہیں انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو۔

کیسی ہی مشکل کتاب، کیوں نہ ہو وہ فر فر پڑھتا چلا جاتا ہے (یہ صورت

منفی، تاکید اثبات کے لئے استعمال ہوتی ہے۔

۱۸۔ مقرر، پہلے اکثر لکھا اور بولا جاتا تھا، اب صرف نظم میں رہ گیا ہے۔ اس کے معنی ضرور کے ہوتے ہیں، جیسے، آٹھوں کے میلے مقرر چلو میر انشاء اللہ خاں۔

مسخرہ بن کے کبھی آئے گا مقرر کوئی (شبلی)

۱۹۔ بلا سے، یہ فقرہ عموماً اظہار بے پروائی کے لئے استعمال ہوتا ہے جس کے معنی ہیں "ہماری طرف سے کچھ بھی ہو جائے گا۔

دنیا میں بادشاہ ہو کوئی یا وزیر ہو
اپنی بلا سے بیٹھا رہے جب فقیر ہو!

اس صورت میں ضمیر کی اضافی حالت کے ساتھ آتا ہے۔

کبھی اس کے معنی، کم سے کم بھی ہوتے ہیں جیسے بلا سے یہی ہو جائے۔

۲۰۔ آگے، مکان کے لئے جیسے، آگے آؤ۔

زماں کے لئے۔ بہ معنی زمانہ گزشتہ جیسے

آگے آتی تھی حال دل پہ ہنسی
اب کسی بات پر نہیں آتی

بہ معنی زمانہ مستقبل۔ آگے کا حال خدا جانے

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

۲۱۔ ہو نہ ہو، تاکید کے لئے استعمال ہوتا ہے، جس کے معنی ضرور کے ہوتے ہیں جیسے ہو نہ ہو تو دہی معلوم ہوتا ہے۔

۲۲۔ بعض اوقات حالیہ معطوف بھی تمیز کا کام دیتا ہے جیسے وہ کھلکھلا کر ہنس پڑا۔ وہ زندہ کھود کے نکالا گیا۔

نہیں کھیل اے داغ یاروں سے کہہ دو
کہ آتی ہے اردو زباں آتے آتے

....

جو مجرے میں بیٹھو تو اٹھو نہ جب تک
کہ اٹھ جائیں ساتھی سب ایک ایک کر کے

۲۳۔ بعض اوقات اسم بھی تمیز فعل کا کام دیتا ہے مگر ایسی صورت میں یہ عموماً جمع میں استعمال ہوتا ہے جیسے اس موسم میں اناج انگلوں بڑھتا ہے۔ وہ گھٹنیوں چلتا ہے خوشی کے مارے اس کا دل بانسوں اچھلنے لگا۔

۲۴۔ اسی طرح صفت بھی بعض اوقات تمیز کا کام دیتی ہے۔ جس کا بیان ہو چکا ہے جیسے ان کی بھلی کہی۔ وہ شعر خوب کہتا ہے۔ میں نے بہت سمجھایا۔

۲۵۔ اس کے علاوہ ہندی، فارسی، عربی کے چھوٹے چھوٹے فقروں جو حروف کے ساتھ دو دو تین تین الفاظ مل کر بنتے ہیں تمیز کا کام دیتے ہیں۔ جیسے کم سے کم، زیادہ سے زیادہ تا امکان، حتی الامکان بیٹھے بٹھائے، رفتہ رفتہ، جوں کا توں، ہو بہو وغیرہ وغیرہ۔

....

حروف

حروف ربط

حروف ربط میں سے حروف اضافت، حروف فاعل، حروف کا ذکر مفصل اپنی اپنی جگہ پر کر دیا گیا ہے نیز ہندی کے ماخذ واصل سے بھی بحث ہو چکی ہے، اب یہاں بعض حروف ربط کا صرف استعمال بتایا جائے گا، حروف ربط (جار) مفصلہ ذیل اسماء کے بعد آتے ہیں۔

۱۔ اسم کے بعد، جیسے احمد سے کہو۔

۲۔ صفت کے بعد (جب لبطور اسم مستعمل ہو) جیسے بد سے بچو نیک سے ملو۔

۳۔ ضمیر کے بعد۔ اس سے کہو۔

۴۔ فعل کے بعد، اس کے سننے میں فرق ہے۔

۵۔ تمیز کے بعد، آہستہ سے نکل جاؤ۔

میں

ظرف مکان کے ساتھ۔ جیسے

عالم میں تجھ سے لاکھ سہی تو مگر کہاں

وہ مجھے گلی میں ملا۔

جو دل میں ہے وہ زباں پر نہیں۔

ح خالی جیم کے پیٹ میں ایک نقطہ۔

منہ میں دانت نہ پیٹ میں آنت

مرد ہو تو میدان میں آؤ۔

سر پر ٹوپی نہ پاؤں میں جوتا۔

شیشے میں پری اتر آئی۔

صرف زمان کے ساتھ جیسے

آٹھ میں پانچ منٹ باقی ہے۔

دیر میں آنے سے نہ آنا اچھا۔

سیر کا مزا چاندنی رات میں ہے۔

سال میں ایک بار ہفتے میں چار بار

آن میں کچھ ہے آن میں کچھ۔

گھڑی میں تولہ گھڑی میں ماشہ

حالت یا کیفیت، طور یا طریقے کے لئے جیسے

وہ غصے میں ہے، رنج یا خوشی میں ہے، وہ مارے خوشی کے آپے میں نہیں سماتا۔ ہوش میں آؤ۔ اللہ کے نام میں برکت ہے حرکت میں برکت۔ بتیس دانتوں میں زبان نام میں کیا دھرا ہے، بات میں بات پیدا کرتا ہے۔ دم میں آگیا، اس کی زبان میں اثر ہے، ہاتھ میں شفا ہے، دل میں کھوٹ ہے۔

اظہار نسبت کے لئے جیسے عمر میں بڑا، اپنی گلی میں کتا بھی شیر ہے مقابلے کے لئے۔ جیسے مجھ میں اس میں زمین و آسمان کا فرق ہے لاکھ میں ایک ہے آدمی آدمی میں کیا فرق ہے۔

وزن کے لئے جیسے تول میں کم ہے سیر میں چار چڑھتے ہیں۔

تعداد کے ساتھ جیسے، دس آدمیوں میں تقسیم کرو. سو میں کہہ دوں لاکھ میں کہہ دوں۔ بیس میں کیسے گزر ہو گا۔ تین نہ تیرہ میں، ہم بھی ہیں پانچویں سواروں میں۔ تمیز کے لئے (کسی دوسرے اسم سے مل کر) جیسے حقیقت میں، آخر میں، باتوں باتوں میں، ہنسی ہنسی میں، خوشی میں وغیرہ۔

سے

کسی شے کی ابتدا یا ماخذ کو ظاہر کرتا ہے، کبھی ابتدا یہ بہ لحاظ مکان جیسے سر سے پاؤں تک۔ یہاں ایڑی تک پسینہ اس سرے سے اُس سرے تک زمین سے آسمان تک کہاں سے کہاں تک بہ لحاظ زمان جیسے "سے"

چھ بجے سے بیٹھا ہوں، صبح سے انتظار کر رہا ہوں کل سے یہی عالم ہے، برسوں سے اسی مخمصے میں گرفتار ہوں، مدت سے، قدیم سے وغیرہ۔

بہ لحاظ تعداد کے۔

چھ سے سات تک،

ماخذ یا اصل جیسے

وہ عالی خاندان سے ہے، یہ کہاں سے آیا ہے، زمین سے نکلا ہے، عین کی آواز حلق سے نکلتی ہے۔

نسبت یا علاقہ جیسے

مجھے کام سے کام ہے اس سے مجھے کیا تعلق اسے پڑھنے سے نفرت ہے، آنکھوں سے اندھا، کانوں سے بہرہ دل سے دل کو راہ ہوتی ہے

مقابلہ جیسے:۔

وہ اس سے کہیں بہتر ہے، سخی سے سوم بھلا۔

استعانت جیسے۔

تلوار سے فتح کیا۔ قلم سے لکھا۔ ڈنڈے سے خبر لی۔ شاہ صاحب کی دعا سے اچھا ہو گیا۔

انحراف جیسے:۔

قول سے، بات سے، وعدے سے پھر گیا۔ راستے سے لوٹ گیا

علیحدگی یا جدائی جیسے۔

وہ نوکری سے الگ ہو گیا۔ کام سے گھبراتا ہے، شہرت سے نکل گیا۔ کام سے جی چراتا ہے۔ دل سے اتر گیا۔

تمیز (کسی دوسرے اسم سے مل کر) جیسے

خبر سے، شوق سے، دل سے وغیرہ

(ف) بعض جملوں سے "اور" کے، کے استعمال سے بین فرق پیدا ہو جاتا ہے لہذا اس موقعہ پر اس کا فرق بتا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً۔

کمرے کے باہر اور کمرے سے باہر

میں فرق ہے، کمرے کے باہر کے معنی ہیں کمرے کے باہر کی طرف اور کمرے سے باہر یعنی کمرے کے اندر نہ ہونا جیسے کمرے کے باہر یعنی کمرے کے اندر نہ ہونا۔ جیسے کمرے کے باہر بیٹھو کمرے سے باہر جاؤ

اسی طرح کس لئے اور کس کے لئے۔

میں فرق ہے کس لئے کے معنی ہیں کیوں یا کس غرض سے اور کس کے لئے یعنی کس شخص وغیرہ کے واسطے۔

تک

انتہا کے لئے بہ لحاظ مکان جیسے
شہر تک، سر سے پاؤں تک
بہ لحاظ زمان جیسے
شام تک، مہینا بھر، سال کا سال بھر تک، چھ بجے تک
عام اشیا اور خیالات کے لحاظ سے جیسے
مجھ تک اس کا نام تک نہ لیا خبر تک نہ ہوئی سلام تک نہ لیا۔ اب یہاں تک نوبت پہونچ گئی ہے۔ خیال تک نہ آیا گمان تک نہ تھا۔

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن
خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

پر

اصل اس کی اوپر ہے۔ پر کا مخفف پہ بھی (اہل لکھنؤ زبر سے اور اہل دہلی زیر سے بولتے ہیں۔) انہیں معنوں میں آتا ہے۔
پر کسی شے کی اوپر سطح سے تعلق ظاہر کرتا ہے خواہ متصل ہو یا منفصل اس کے بعد قربت اور درمیان کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ بہ لحاظ مکان جیسے۔
خدا کا دیا سر پر۔ چھت پر بنارس گنگا پر واقع ہے، دروازے پر کھڑا ہے۔
بہ لحاظ زماں جیسے۔ وقت پر کام آیا۔
انحصار جیسے۔
میری زندگی اسی پر ہے، ایک مجھی پر کیا ہے، سب کا یہی حال

ہے خاطر کے معنوں میں جیسے

وہ نام پر مرتا ہے، روپے پر جان دیتا ہے۔

واسطے کے معنوں میں جیسے

کام پر گیا ہے مہم پر گیا ہے۔

طرف کے لئے جیسے

اس کی باتوں پر نہ جانا۔ اسی پر کسی کا خیال نہ گیا۔

تر دامنی پہ شیخ ہماری نہ جائیو

دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

آگے

مکان کے لئے آتا ہے جیسے:۔

گو ہاتھ میں جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے

رہنے دو ابھی ساغر و مینا میرے آگے

مقابلے کے لئے جیسے مرے آگے اس کی کیا حقیقت ہے یعنی میرے سامنے یا مقابلے میں۔

زماں کے لئے گزشتہ زمانہ جیسے

آگے آتی تھی حال دل پہ ہنسی

اب کسی بات پر نہیں آتی

آیندہ زمانے کے لئے جیسے

آگے کو کان ہوئے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔

ساتھ

ایک تو معیت کے عام معنوں میں ہے دوسرے جب ضمیر کے آتا ہے

تو باوجود اور باوصف کے معنی دیتا ہے جیسے اگر اس وقت اس نے صاف جواب دے دیا لیکن اسی کے ساتھ آئندہ کا وعدہ بھی کیا۔

حروف عطف

دو لفظوں یا جملوں کو ملانے کے لئے اور عام طور پر استعمال کیا جاتا ہے لیکن اکثر حالیہ معطوفہ اس کی ضرورت کو رفع کر دیتا ہے اور وہ فصیح بھی ہوتا ہے۔ مثلاً وہ کل ہی مجھ سے ملا۔ اور واپس گیا۔ کہنے کے بجائے وہ کل ہی مجھ سے مل کر واپس گیا کہنا زیادہ فصیح ہے۔

ایسے الفاظ میں جو دو دو ساتھ آتے ہیں اور مل کر ایک مفہوم پیدا کرتے ہیں۔ خواہ معنوں میں تضاد ہوں یا مترادف، کسی حرف عطف کا داخل نہ ہونا ہی درست ہے بلکہ حرف عطف کا لانا خلاف محاورہ اور فصیح ہوگا۔ جیسے۔

ہاتھ پاؤں میں سکت نہیں کھیل کود میں رہتا ہے، دن رات یہی مشغلہ ہے برے بھلے میں تمیز نہیں دکھ سکھ میں کام آنے والا چلنے پھرنے سے معذور ہے۔ کام کاج دوست ودشمن، اپنا پرایا آج کل کھانا پینا رونا چھینکنا، لنگڑا لولا، سینا پرونا۔ لین دین دکھ درد، سمجھا بجھا کر پھٹے پرانے کپڑے چھوٹے بڑے، امیر، غریب، ادنیٰ اعلیٰ وغیرہ وغیرہ

(فارسی میں بخلاف اس کے ایسے مقامات پر عموماً حرف عطف استعمال ہوتا ہے)

ہندی کا، اور فارسی کا و، دونوں ایک ہی معنوں میں آتے ہیں۔ لیکن استعمال میں فرق ہے کہ و، صرف فارسی عربی الفاظ کے ساتھ آتا

ہے۔ ہندی الفاظ کے ساتھ اس کا استعمال خلاف فصاحت خیال کیا جاتا ہے جیسے چیخ و پکار وغیرہ میں۔

ا۔ بعض اوقات اور، جن دو جملوں کو ملاتا ہے، ان کے افعال سے دو کاموں کا تقریباً ایک ساتھ ہونا ظاہر کرتا ہے جیسے تم آئے اور وہ چلا تم گئے اور آصف آئی تم اٹھے اور وہ بھاگا۔

ایسے جملوں میں ماضی، مستقبل کے معنی دیتی ہے۔

(ب) کبھی دھمکی کے معنی دیتا ہے جیسے، پھر تم اور میں ہوں اب تم جانو اور وہ جانے۔

(ج) کبھی لزوم کے لئے، یعنی ایسا تعلق ظاہر کرنے کے لئے جس میں جدائی یا علیحدگی ممکن نہ ہو جیسے تیرا دامن ہے اور میرا ہاتھ۔ میں ہوں اور تیرا در۔ یہ نیلا آسمان ہے اور میں ہوں۔

(د) ناممکن حالت یا تعجب کے اظہار کے لئے جیسے تم اور یہ کرتوت میں اور اس کی خوشامد کروں ؂

میں اور بزم مے سے یوں تشنہ کام آؤں
گر میں نے کی تھی توبہ ساقی کو کیا ہوا تھا (غالب)

۲۔ بعض اوقات "نیز، بھی اور کے معنوں میں آتا ہے جیسے اس سارا ساز و سامان نیز جائداد وغیرہ منقولہ اس کے حوالے کر دی گئی۔

۳۔ نہ، نہ ...... نہ، یا، یا ...... یا، خواہ چاہے اس کے علاوہ کبھی حرف تردید کا کام دیتا ہے جیسے کوئی ہے کہ نہیں۔

کیا شکایت کوئی تمہاری کرے
تم کو کیا ہے کوئی جیئے کہ مرے

"یہ حرف، کہ، سنسکرت کے لفظ کینوا یا کنیا بمعنے یا سے بنا ہے، مرہٹی میں بھی کینوا ہے، لیکن نیپالی میں مثل اردو یا ہندی کے کو ہی مستعمل ہے کہ ان معنوں میں اکثر استفہامیہ جملوں میں آتا ہے)

بعض اوقات حروف تردید محذوف بھی ہوتا ہے۔ جیسے ملو نہ ملو
وہاں اس کی پرسش نہیں۔
یہاں یا محذوف ہے۔

شرط

۴۔ جو، شرطیہ معنوں میں بھی کبھی کبھی آتا ہے۔ جیسے میں جو وہاں گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ بے ہوش پڑا ہے۔ یہ عموماً بول چال اور نظم میں زیادہ تر استعمال ہوتا ہے۔

حروف علامت شرطیہ بعض اوقات محذوف بھی ہوتے ہیں جیسے وہ نہیں مانتا تو میں کیا کروں۔

جب، اول بمعنے جس وقت جیسے، جب میں آؤں تو انہیں اطلاع کر دینا۔

دوسرے بمعنے اسی وقت (بطور تمیز)، جیسے یہ کام جب دیا جب ہی ہو سکتا ہے کہ وہ بھی مدد دے۔

اس صورت میں جب کے ساتھ ہی بھی آتا ہے اور جواب میں بجائے، تو، کے (کہ) استعمال ہوتا ہے۔

تیسرے بمعنے تب۔ جیسے، لکھنے میں بڑی سخت محنت کرتی

پڑتی ہے جب کچھ آتا ہے۔

جب اکثر تک سے مل کر آتا ہے اور شرطیہ معنے دیتا ہے، جیسے، جب تک میں نہ آؤں تم وہاں سے نہ ہلنا۔ یہ استعمال حرف نفی دنہ یا نہیں، کے ساتھ ہوتا ہے۔

بعض اوقات بغیر حرف نفی کے بھی استعمال ہوتا ہے اور اس وقت اس کے معنے جس وقت تک کے ہوتے ہیں جیسے، جب تک میں یہاں ہوں تمہیں کوئی اندیشہ نہیں۔

۵۔ تب اور تو شرطیہ جملوں میں شرط کے جواب میں آتے ہیں۔ اس لئے ان کو حرف جزا کہتے ہیں۔ تب کا استعمال جزا کے لئے بہت کم ہو گیا ہے۔

نہیں تو، وگرنہ اور ورنہ بھی شرطیہ معنوں میں آتے ہیں۔ جیسے آتے ہو تو آؤ نہیں تو میں جاتا ہوں وغیرہ

استدراک

۶۔ گو، اگرچہ، مگر، لیکن، بلکہ، پر، استدراک کی معنوں میں آتے ہیں۔ اس کی تین حالتیں ہوئی ہیں یا تو۔

(۱) قول ماقبل کی مخالفت یا۔

(۲) اس میں تغیر بوجہ توسیع معانی یا۔

(۳) قول ماقبل کے محدود کرنے کے لئے۔

حروف مندرجہ بالا میں سے مگر، لیکن و پر، عام طور سے گو اور اگرچہ کے جواب میں آتے ہیں۔ جیسے جانتے سب ہیں پر زبان سے کوئی نہیں نکالتا۔ اگرچہ تم ہر فن میں کمال رکھتے ہو لیکن قسمت کا لکھا کون مٹا سکتا ہے

اگرچہ وہ پشتینی امیر ہے، مگر مزاج فقیروں کا سا پایا ہے۔ گو وہ بظاہر خوش ہے لیکن دل کا مالک اللہ ہے۔

چکور اور شہباز سب اوج پر ہیں
مگر ایک ہم ہیں کہ بے بال و پر ہیں

کم تو کیا ہوتا بلکہ اور بڑھ گیا۔

وے، ولیک، لیک، بجائے، لیکن کے صرف نظم میں استعمال ہوتے ہیں۔

پر کا مخفف پہ بول چال کے فقروں اور نظم میں اکثر آتا ہے۔ جیسے

سمجھ ہم کو آئی پہ ناوقت آئی

اگرچہ اور گو کے جواب میں تو بھی اور تاہم کبھی استعمال ہوتے ہیں سو کبھی کبھی ان دونوں میں آتا ہے۔ جیسے

ہم نے چاہا تھا کہ مر جائیں سو وہ بھی نہ ہوا۔

استثنا

۷۔ حروف عطف جو استثنا کے لئے آتے ہیں یہ ہیں اِلا، مگر اور بعض اوقات لیکن۔ جیسے، سب آئے مگر احمد نہ آیا۔ سب نے حامی بھری الا اس بندے نے۔

علت

۸۔ حروف علت جو علت یعنی سبب کے ظاہر کرنے کے عموماً استعمال ہوتے ہیں یہ ہیں۔

کہ دیکھیوں کر، اس لئے کہ، اس واسطے کہ تاکہ، لہٰذا۔ جیسے کوشش کئے جاؤ کہ اسی میں کامیابی کا راز ہے۔ محبت پیدا کرو کیونکہ عالم اسی پر

قائم ہے۔ ان سے ضرور ملو اس لئے کہ ان سے ملنا باعث سعادت ہے۔ وہ خود گیا، تاکہ سارا معاملہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔

اس لئے اور لہذا، چوں کہ، کے جواب میں آیا کرتے ہیں جیسے

چوں کہ وہ ناراض ہیں لہذا میں کبھی ان سے نہیں ملتا۔

کبھی "جو" کبھی علت کے لئے آتا ہے۔ جیسے۔

فقیروں کے دل میں اس کی کچھ ایسی ہی محبت ہے جو ایسے وقت میں بھی اسی کا دم بھرتا ہے۔

مقابلہ

۹۔ جیسا، جیسے، اور گویا بعض وقت عطف کا کام دیتے اور حرف تشبیہ یا مقابلے کے لئے آتے ہیں جیسے، وہ لکڑی اس طرح رکھی تھی جیسے کوئی انسان کھڑا ہو، ہرگز ہوا اس کو نہیں لگتی گویا فانوس اس کی آسمان ہے "باغ و بہار"۔

"باغ و بہار"

۱۰۔ کہ حرف بیانیہ ہے، اور ہمیشہ دو جملوں کے ملانے کے لئے آتا ہے جیسے، میں سمجھا کہ اب وہ نہ آئے گا۔

یہ حرف عموماً منقولے کے بعد آتا ہے یا مقصد، ارادہ، امید، خواہش رجحان، حکم، نصیحت، یا مشورہ، ڈر، اجازت، کوشش ضرورت یا فرض کے اظہار کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے۔

میرا ارادہ ہے کہ اب یہاں سے چل دوں۔

میں نے کہا کہ تمہارے یہاں رہنے کی ضرورت نہیں۔

میں نے کہا کہ نرم ناز چاہیئے غیر سے ہی ہنس کے ستم ظریف نے مجھ کو اٹھا دیا کہ یوں

تم کو لازم ہے کہ اب وہاں نہ جاؤ۔ اسے چاہیئے کہ ایسا نہ کرے۔
اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ خانہ نشین ہو جائے مجھے ڈر ہے کہ وہ آنہ جائے
اس کی یہ آرزو ہے کہ اس بارے میں کامل تحقیق کرے تو کسی ماہر فن
سے ملنا چاہیئے۔ میری رائے یہ ہے کہ تم اب چل دو وغیرہ۔
کبھی ضمیر موصولہ کے بعد آتا ہے۔ جیسے، جو رائے کہ تم نے ظاہر کی وہ
صحیح نہیں ہے۔
اسی طرح جب کے ساتھ مل کر آتا ہے۔ جیسے، جب کہ وہ یہاں
نہیں ہے تو تمہیں ایسا کرنا لازم نہیں۔
ان دونوں صورتوں میں یہ حرف بیانیہ نہیں ہے۔

حروف تخصیص

حروف تخصیص یا حصر میں ہی، کا مفصل ذکر پہلے ہو چکا ہے، تو، کے
متعلق البتہ یہاں کسی قدر بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔
(۱) تاکید فعل جیسے، سنو تو، کہو تو وغیرہ۔
(۲) تکمیل مقصد جیسے، یہ کہہ کر وہ چلے تو گئے۔ سارا سامان مہیا کر کے
وہ تو الگ ہو گئے۔ یعنی جو کام ان کے ذمہ تھا اس کی تکمیل کر دی۔
(۳) خاص قسم کا زور ظاہر کرتا ہے۔ جیسے تم تلاش کرتے تھے وہ میں ہی
تو ہوں۔ جس کے سامنے ایک عالم سر جھکاتا ہے وہ یہی تو ہے۔
۴۔ دھمکی کے لئے، جیسے، دیکھوں تو وہ کیسے کرتا ہے۔
ان معنوں میں اکثر سہی کے ساتھ مل کر آتا ہے۔ جیسے، آئے تو سہی،
وہی، حرف تخصیص ہمیشہ ان الفاظ کے متصل آتا ہے جن کی تخصیص و تاکید مقصود
ہوتی ہے سوائے ضمیر متکلم، میں، کے جب کہ اس کے ساتھ علامت

فاعل دلنے، آئے۔ اس صورت میں نے، ان کے درمیان واقع ہوتا ہے جیسے، میں نے ہی کہا تھا۔ باقی حالتوں میں ہمیشہ متصل آتا ہے جیسے اسی نے کہا تھا وغیرہ۔

(تو، بھی ہمیشہ اسی لفظ کے ساتھ آتا ہے جس کی تخصیص کرتا ہے مگر جب فاعل و مفعول اور اضافت کی علامتیں یا حرف ربط آتے ہیں تو ان کے بعد آتا ہے۔ جیسے تم کو تو خبر تک ہوئی ہیں نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا۔ اس کا تو کام ہی تمام ہو گیا۔

جب تو اور ہی مل کر آتے ہیں۔ تو کلام میں مزید قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ جیسے، یہ میں ہی تو تھا۔ تم ہی تو تھے۔

فعل کی تکرار کے درمیان تو آئے اور جملے میں ہی بھی ہو تو خاص معنے پیدا ہو جاتے ہیں، یعنی کسی امر آخری چارہ کا انحصار بتانا مقصود ہوتا ہے جیسے، میں ہی کروں، وہی سمجھائیں تو سمجھائیں ورنہ دوسرے کی کیا مجال جو کچھ کہے۔

موت ہی ہے کچھ علاج درد فرقت ہو تو ہو
غسل میت ہی ہمارا غسل صحت ہو تو ہو

..............:..............

تکرار الفاظ

تکرار لفظی اردو زبان کی بڑی خصوصیات میں سے ہے اس لئے ہم نے یہ مناسب خیال کیا کہ اس خصوصیت کا ذکر مختصر طور پر علاحدہ کیا جائے۔ اردو میں تمام اجزائے کلام (یعنی اسم، صفت، ضمیر، فعل، تمیز سوائے حرف ربط عطف کے ایک ہی ساتھ مکرر استعمال ہو سکتے ہیں۔ الفاظ کے دہرانے سے اکثر ہر ایک کے معنے پیدا ہوتے ہیں نیز اختلاف، زور، تاکید یا مبالغے کا اظہار ہوتا ہے۔

۱۔ اسم کی تکرار سے، ہر ایک، کے معنی پیدا ہوتے ہیں، مگر وہ سب پر شامل ہوتا ہے۔

جیسے گھر گھر عید ہے۔ یعنی ہر گھر میں۔

کبھی یہ اضافت کے بعد آتا ہے یعنی وہ اسم جس کی تکرار ہوتی ہے وہ مضاف واقع ہوتا ہے۔ جیسے میرا رواں رواں اس کو دعا دے رہا ہے۔ یعنی ہر ایک رواں)

بعض وقت اضافت کے ساتھ بھی۔ ہر ایک، کے معنی میں آتا ہے مگر سب پر شامل نہیں ہوتا۔ مثلاً وہ برس کے برس آتا ہے یعنی ہر برس

۲۔ کبھی مختلف کے معنے نکلتے ہیں۔ جیسے، ملک ملک کا جانور وہاں جمع تھا یعنی مختلف ملکوں کے جانور، کبھی اسم کی تکرار سے زور مبالغہ یا تاکید نکلتی ہے۔ جیسے، دل ہی دل میں کڑھتا رہا۔ لیلیٰ ہی لیلیٰ پکارتا رہا۔

(ا) یہ استعمال جو اکثر دہی، کے ساتھ ہوتا ہے، لبعض اوقات جب پہلا اسم جمع ہو تو بغیر دہی، کے بھی آتا ہے۔ جیسے، ہاتھوں ہاتھ، راتوں رات

(ب) لبعض اوقات پہلے اسم کے بعد اضافت کا حرف آتا ہے یعنی دونوں کے بیچ میں حرف اضافت ہوتا ہے۔ جیسے، اتنا پڑھا مگر بیل کا بیل ہی رہا۔ جاہل کا جاہل ہی رہا۔ آدمی کیا ہے دیوار کا دیوار ہے یا ڈھو کا ڈھو ہے۔

(ج) لبعض اوقات اس قسم کے تکرار سے کل کے معنی پیدا ہوتے ہیں جیسے خاندان کا خاندان (کل خاندان) قوم کی قوم، شہر کا شہر اسی میں مبتلا ہے۔ آوے کا آوا بگڑا ہوا ہے ایک شعر کیا غزل کی غزل مرصع ہے۔

(د) کثرت کے معنی بھی آتے ہیں۔ جیسے درختوں کے جھنڈ کے جھنڈ کھڑے تھے۔ دیوان کے دیوان پڑھ ڈالے خم کے خم پی گیا ہرنوں کی قطاریں کھڑی تھیں۔

ھ۔ کبھی اس تکرار سے کام کا تسلسل پایا جاتا ہے۔ جیسے سڑک کے کنارے چلا جا رہا تھا آگے آگے جا رہا تھا۔ اور پھر پیچھے پیچھے۔

(د) لبعض اوقات تکرار لفظی سے اضافت کے ساتھ تقلیل ظاہر ہوتی ہے جیسے:۔

رات کی رات ملاقات رہی۔

جینے میں قلزم کو لے قطرے کا قطرہ رہا!

جل بے سمائی تری اوت رے سمندر کے چور

وہ بات کی بات میں بگڑ گیا۔ یعنی ذرا سی بات میں، وقت کے وقت یعنی فی الفور

(ز) کبھی ایک جملے میں دو لفظوں کا تکرار ہوتا ہے اور اس سے ہر دو کی شمولیت ظاہر ہوتی ہے۔ جیسے روپیہ کا روپیہ گیا اور عزت کی عزت (یعنی روپیہ اور عزت دونوں گئے)، وہ آدمی کا آدمی ہے اور بندر کا بندر (یعنی آدمی بھی ہے اور بندر بھی)۔ آم کے آم کھائے اور سیر کی سیر ہوئی۔

(ح) مثل ہے کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی، یعنی دودھ الگ اور پانی الگ (پورا انصاف، کھوٹے کھرے کی پوری پرکھ۔

کبھی ایک اسم کا تکرار اس طرح ہوتا ہے کہ اس کے بیچ میں (الف، بطور ربط کے آتا ہے اور معنی مبالغے یا زیادہ جاری رہنے کے ہوتے ہیں جیسے مارا ما۔ دوڑا دوڑا۔

۴۔ صفات کے تکرار سے بھی یہی معنی پیدا ہوتے ہیں یعنی اسم کی طرح کل کے معنی دیتے ہیں۔ جیسے، شہر کے بڑے بڑے لوگ موجود تھے چھوٹے چھوٹے ایک طرف ہو جائیں اور بڑے بڑے ایک طرف۔

(۱)۔ بعض اوقات اختلاف (یعنی مختلف ہونا۔ ظاہر ہوتا ہے۔ جیسے، نئے نئے کام یا طرح طرح کی انوکھی باتیں۔

(۲) اظہار مبالغہ یا امتیازی کے لئے۔ جیسے، میٹھی میٹھی باتیں۔ کھٹے کھٹے آم سفید سفید دانے، اجلے اجلے کپڑے۔ مثلاً اس کی میٹھی میٹھی باتوں نے دل موہ لیا۔ سفید سفید دانے ایک طرف کر دو اور کالے کالے ایک طرف۔ اجلے اجلے کپڑے الگ نکال لو۔

کبھی بیچ میں اضافت بھی آتی ہے۔ جیسے۔ ننگے کا ننگا، بھوکے کا بھوکا وغیرہ۔

(۳) تفصیل کیلئے۔ جیسے، دال میں کچھ کالا کالا ہے۔ اس میں مجھے کچھ سفید سفید دکھائی دیتا ہے۔

(۴) اسی طرح اعداد بھی بہ تکرار آتے ہیں۔

(ا) ہر ایک۔ کے معنے ہیں۔ جیسے ان کو چار چار روپے ملے۔ یہ استعمال جب حالیہ معطوفہ (کر کے) کے ساتھ ہوتا ہے تو اس کے معنے میں الگ الگ کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ جیسے دو دو کر کے گنئے۔ ایک ایک کر کے آئے چار چار کی ٹولی بن گئی۔

(ب) جب عدد مرکب ہو تو صرف آخری حصے کا تکرار ہوتا ہے جیسے ایک ایک روپیہ آٹھ آٹھ آنے دیئے۔

(ج) اٹھ روپیہ دے دو اور آٹھ آٹھ روپے دے دو۔ ان دونوں میں فرق ہے پہلے جملے کا مطلب ہے کہ کل روپے جو دینے ہیں آٹھ ہیں دوسرے جملے کے یہ معنے ہیں کہ فی کس آٹھ روپے دو۔ اسی طرح چار چار پہر بیٹھا رہنا ہے۔ یعنی ہر دفعہ جب وہ آتا ہے تو چار پہر گذار دیتا ہے تین تین گھنٹے کے بعد کھاؤ یعنی ہر تین گھنٹے کے بعد۔ آٹھ آنے کا ٹکٹ لاؤ۔ اور آٹھ آٹھ آنے کے ٹکٹ لاؤ۔ ان دو جملوں کے معنوں میں کیا فرق ہے پہلے کے یہ معنی ہیں کہ کل آٹھ آنے کے ٹکٹ لاؤ۔ دوسرے کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک ٹکٹ آٹھ آنے کا ہو۔ (۹) ضمائر بھی بہ تکرار آتی ہے۔

(ا) الگ الگ کے معنوں ہیں۔ جیسے، وہ اپنے اپنے گھر سدھارے۔

(ب) مختلف کے معنوں ہیں۔ جیسے، جو جو جس کا طالب ہو حاضر ہو جائے اس نے کیا کیا کہا اور میں نے کیا کیا نہ سنا۔

(ج) کوئی اور کچھ کی تکرار سے کمی یا تقلیل ظاہر ہوتی ہے۔ جیسے، اب بھی کوئی کوئی مل جاتا ہے۔ کچھ کچھ درد باقی ہے۔

کبھی بیچ میں "نہ" حائل ہوتا ہے۔ جیسے، کوئی نہ کوئی مل ہی رہے گا کچھ نہ کچھ ضرور کہتے رہتے ہیں۔

۷۔ افعال کا تکرار حالیہ تک محدود ہے اور اردو زبان کے محاورے میں اس کا استعمال بکثرت ہے۔

(۱) فعل کے تکرار سے فعل کا متواتر ہونا پایا جاتا ہے۔ جیسے یہ لکڑیاں بہہ بہہ کر آتی ہیں۔ وہ پوچھتے پوچھتے یہاں تک پہنچ گیا۔ مکھیاں پھولوں پر آ کر بیٹھتی ہیں۔

(۲) بعض اوقات تکرار سے مبالغہ یا کثرت ظاہر ہوتی ہے۔ جیسے میں کہتے کہتے تھک گیا، رونے رونے اس کی آنکھیں سوج گئیں رو رو کر اپنا حال کہنے لگا۔ ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ گئے پانی پیتے پیتے پیٹ اپھر گیا۔

مرے آشیاں کے تو تھے چار تنکے
مکاں اڑ گئے آندھیاں آتے آتے

تن تن کے بیٹھا تھا۔ پڑھتے پڑھتے اندھا ہو گیا۔

حالیہ تمام کبھی کبھی اسی طرح استعمال ہوتا ہے۔ جیسے، وہ دوڑا دوڑا اپھر رہا ہے۔ وہ مارا مارا اپھر رہا ہے۔

(۳) کبھی فعل کی مدت طوالت اور جاری رہنے کو بتاتا ہے۔ جیسے اسی طرح چلتے چلتے منزل مقصود کو پہنچ گئے، آم پڑے پڑے سڑ گئے، سیکھتے سیکھتے آ ہی جاتا ہے۔ لکھتے لکھتے خط اچھا ہو ہی جاتا ہے۔

(۴) کبھی مختلف یا کثرت کے معنی دیتا ہے۔ جیسے، وہ پیٹر ے بدل بدل کر آتا ہے یا نام بدل بدل کر آتا ہے۔ شعر یا قصے سُنا سُنا کر خوش کرتا ہے۔ کھانے کھلا کھلا کر ہلا لیا۔

(۵). بعض اوقات آہستہ آہستہ یا رفتہ رفتہ کے معنے ہوتے ہیں خاص کر "ہوتے ہوتے"، تو ان معنوں میں بہت آتا ہے۔ علاوہ اس کے دوسرے افعال بھی ان معنوں میں آتے ہیں۔ جیسے۔

نہیں کھیل اے داغؔ یاروں سے کہہ دو
کہ آتی ہے اُردو زباں آتے آتے

(۶)۔ دیکھتے دیکھتے، دفعتاً یا بہت کم عرصے کے معنوں میں آتا ہے۔ جیسے وہ دیکھتے دیکھتے بڑا آدمی ہو گیا، یعنے ہمارے دیکھتے دیکھتے یعنی بہت کم عرصے میں یکایک۔

(۷) کبھی تکرار سے یہ معنے پیدا ہوتے ہیں کہ ابھی ایک کام ہونے نہ پایا تھا کہ دفعتاً کوئی اور واقعہ ہو گیا۔ جیسے وہ کہتے کہتے رک گیا۔ وہ جاتے جاتے رہ گیا۔ سنبھلتے سنبھلتے گر پڑا۔

(۸) جب کسی کام کے اثنا میں رکاوٹ ہو جاتی ہے تو بھی حالیہ تکرار آتا ہے جیسے وہ پڑھتے پڑھتے سو گیا۔ وہ قصہ سناتے سناتے یکبارگی چپ ہو گیا۔ مرتے مرتے بچا۔

اجل مر رہی تو کہاں آتے آتے

(۹) بعض اوقات پہلا فعل مذکر ہوتا ہے اور دوسرا مونث، جیسے:۔

دیکھا دیکھی رواداری۔

(۱۰) بعض اوقات فعل لازم اور اس کے متعدی کا حالیہ محاورے میں مل کر

تے ہیں جیسے، خوامخواہ، بیٹھے بٹھائے مصیبت میں پھنس گئے مگر یہ سچائی ہے ہر فعل کا استعمال اسی طرح نہیں ہو سکتا۔

دونوں مل کر کبھی صفت کا کام بھی دیتے ہیں۔ جیسے، سنی سنائی باتوں پر نہ جاؤ۔ بنی بنائی عزت کو کیوں بگاڑتے ہو۔

(۱۱) بعض اوقات لازم یا متعدی کا حالیہ دوسرے فعل لازم کے ساتھ آتا ہے اور ان کے درمیان، نہ حرف نفی واقع ہوتا ہے۔ جیسے، مارے نہ مرے، مٹائے نہ مٹے اس سے بھی کلام میں زور پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے۔

(۱۲) کبھی زور اور تاکید کے لئے ماضی بھی مثبت اور منفی صورت میں بہ تکرار آتی ہے اور حرف «پر» بیچ میں آتا ہے۔ جیسے گیا پر گیا۔ نہ ہوا پر نہ ہوا۔

(۱۳) کبھی خاص طور پر متوجہ کرنے کے لئے امر کو بہ تکرار بولتے ہیں۔ جیسے دیکھو دیکھو یہ کیا ہو رہا ہے۔ سنو سنو کوئی گا رہا ہے۔ اسی طرح ہٹو، ہٹو، بچو بچو!

(۸) تمیز کے الفاظ بھی زور اور تاکید کے اظہار کے لئے بہ تکرار آتے ہیں جس کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے۔ جیسے، جہاں جہاں، جوں جوں، زور زور ہمیشہ ہمیشہ، کہیں کہیں کبھی نفی کے ساتھ جیسے کہیں نہ کہیں، کبھی نہ کبھی!

(۱) انہیں معنوں میں حرف اضافت کے ساتھ بہ تکرار آتے ہیں۔ جیسے وہاں کا وہیں رہ گیا۔ اسی طرح یہاں کا یہیں، یہاں کی یہیں۔ یا جہاں کا تہاں یہ سب تکرار زور پیدا کرنے کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔

اسی طرح جیسے جیسے، کیسے کیسے وغیرہ بھی مستعمل ہیں۔

(۸) مبالغے کے لئے جیسے، وہ مجھ سے دور دور رہتا ہے۔ وہ ہم سے الگ الگ پھرتا ہے۔

(۹) حروف ربط بھی اسی طور پر محاورے میں بہ تکرار آتے ہیں اور ان سے معنوں میں ایک خفیف سا تغیر پیدا ہو جاتا ہے۔ جیسے ادھر اُدھر وہ تھے اور بیچ بیچ میں ہم۔

کبھی زیادہ زور دینے کے لئے اور عین وسط کے ظاہر کرنے کی خاطر پہلا بیچ جمع میں لاتے ہیں۔ یعنی بیچوں بیچ۔ جیسے صحن کے بیچوں بیچ یا تالاب کے بیچوں بیچ۔

اسی طرح میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔ وہ آگے جا رہے تھے وہ ان کے ساتھ ساتھ تھے۔



نحو ترکیبی

جملوں کی ساخت کے باب میں

مفرد جملے

جملے کے اجزا

اُردو میں بھی دنیا کی اور زبانوں کی طرح جملے کے اصل عنصر دو ہیں ایک مبتدا دوسرا خبر۔ ان میں مبتدا، وہ شخص یا شے ہے جس کا ذکر کیا جاتا ہے۔

خبر، جو کچھ اس شخص یا شے کی نسبت ذکر کیا جائے۔ اردو میں مبتدا مفصلہ ذیل اجزائے کلام ہو سکتے ہیں۔

(۱) اسم یا ضمیر فاعلی حالت میں۔
(۲) دو یا دو سے زائد اسم یا ضمیریں فاعلی حالت میں۔
(۳) صفت یا اعداد بطور اسم کے فاعلی حالت میں
(۴) مصدر
(۵) کوئی فقرہ یا جملہ۔

مثالیں

(۱)۔ احمد آیا۔ وہ گیا۔
(۲) شیر اور بکری ایک گھاٹ پانی پیتے ہیں۔ ہم تم مل کر جائیں گے

(۳) دو وہاں ہیں چار یہاں۔ کوئی شریف ایسی بات نہ کہے گا۔
(۴) رونا اچھا نہیں۔ لکھنا پڑھنے سے مشکل ہے۔
(۵) دہلی پہنچنا آسان نہیں۔ اس سے معاملہ کرنا مشکل ہے۔ کامل جملہ جو بطور مبتدا کے استعمال ہوتا ہے اس کا ذکر مرکب جملے کے بیان میں آئے گا۔

بعض اوقات اسم خود تک، کے ساتھ آتا ہے مبتدا ہوتا ہے جیسے۔ تنکا تک نہ رہا۔ گھر تک جل گیا۔

بعض اوقات مبتدا محذوف ہے۔

(۱) جہاں قرینے سے آسانی کے ساتھ مبتدا معلوم ہو سکتا ہے مثلاً خطاب یا استفہام میں۔ جیسے کیا وہ آگیا، ہاں آگیا، بھائی جان! یہ کیا صورت بنائی ہے۔
(۲) جب کہ صورت فعل سے فاعل ظاہر ہو جیسے، حمید ہوں، مظلوم ہوں، میرے حال پر رحم کرو۔ جاؤ اپنا کام کرو۔
(۳) ضرب الامثال اور اسی قسم کے دوسرے جملوں میں اختصار کے خیال سے۔ جیسے ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا۔

خبر مفصلۂ ذیل اجزائے کلام ہو سکتے ہیں۔

(۱) فعل، جیسے، میں کہتا ہوں۔
(۲) اسم یا ضمیر فاعلی یا اضافی وغیرہ میں۔ جیسے، اس کا نام احمد ہے وہ ملکہ کا بیٹا ہے۔ وہ چھت پر ہے۔ یہ گھر کس کا ہے یہ رعب آداب کس میں نہیں۔
(۳) صفت۔ جیسے، وہ شخص بڑا جری اور دلبر ہے۔
(۴) عدد۔ جیسے، میرا نمبر سولہ ہے۔

(٥) کوئی لفظ یا فقرہ جو بطور اسم استعمال کیا جائے، جیسے، میں شاہ ایران کا بھیجا ہوا ہوں۔

بعض اوقات فعل جو بطور خبر کے آتا ہے، محذوف ہوتا ہے، وہ جہاں جہاں گیا لوگوں نے سر اور آنکھوں پر بٹھایا، کسی نے منہ بھی پھیرا سمجھ کر اور کسی نے محب وطن مان کر تیرے سر پر خاک ۔

فعل ناقص کبھی جیسے بعض قواعد نویسوں نے ربط سے بھی تعبیر کیا ہے، کبھی کبھی محذوف ہوتا ہے۔

(ا) مفرد بیاں میں جہاں اس کا حذف آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے جیسے اسے نہ کسی کے نفع سے غرض نہ ضرر سے کام۔ تیرے سر پر خاک۔ ایک کا نام احمد دوسرے کا محمود۔

(ب) مقابلے میں بھی اکثر محذوف ہوتا ہے۔ جیسے، ایسی بنی سنوری جیسے دلہن۔

(ج) منفی جملوں میں۔ جیسے اسے خبر نہیں۔

(د) ایسے جملوں فعل ناقص کا حذف صرف بظاہر ہے کیونکہ نہیں، جیسے پہلے بیان ہو چکا ہے، نہ اور فعل ناقص کی قدیم صورت آہیں سے مرکب ہے۔

ضرب الامثال وغیرہ میں عموماً محذوف ہوتا ہے۔ جیسے، غریب کی جورو سب کی بھابھی۔ چوری کا گڑ میٹھا۔

(ہ) نظم میں بھی عموماً محذوف ہوتا ہے۔

ہونا اگرچہ فعل ناقص ہے لیکن کبھی کبھی بطور فعل یعنی فعل صحیح بھی آتا ہے۔ جیسے، خدا ہے، اس فعل کا تمام زبانوں میں یہی حال ہے، اور اس لئے اس کا

ان صورتوں میں امتیاز کرنا ضروری ہے۔
جیساکہ اور زبانوں میں ہے اسی طرح اردو میں بھی مبتدا اور خبر کی توسیع مختلف الفاظ کے اضافے سے ہوتی ہے۔ یہ الفاظ از روئے قواعد ان کے متعلقات ہوتے ہیں جس طرح ان کی توسیع ہوتی ہے۔ اسی طرح الفاظ کے اضافے سے بعض اوقات کے معنی محدود ہو جاتے ہیں۔

مبتدا کی توسیع کسی اسم سے یا ایسے اسم سے جو بطور بدل کے آتا ہے، ہوتی ہے مثلاً

(ا) دہلی شہر بہت قدیم ہے۔ ڈاکٹر صدیقی پرنسپل کلیۂ جامعہ عثمانیہ تشریف لائے۔

(ب) سب گھر والے کیا چھوٹے کیا بڑے اس سے محبت کرتے ہیں۔
یہاں (کیا) محاورے میں توضیح و توسیع کے لئے استعمال ہوا ہے۔

(ج) میں آپ کا ادنیٰ غلام، ہر وقت آپ کی خدمت کے لئے حاضر ہوں،
یہاں میں کا بدل آپ کا ادنیٰ غلام، ہے۔

۲۔ مبتدا کی توسیع صفت سے بھی ہوتی ہے۔ اس صورت میں ہمیں صفت کی دونوں صورتیں (جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے) یعنی توصیفی اور خبری میں امتیاز کرنا ضروری ہے۔

(ا) توصیفی صورت میں صفت اسم کے قبل آتی ہے اور دونوں مل کر خیال قائم کرتے ہیں جیسے یہ خوبصورت تصویر کس کی ہے۔

(ب) خبری صورت میں صفت اسم کے بعد آتی ہے اور اسم سے الگ خیال کی جاتی ہے، گویا جملے کی خبر ہے جیسے وہ گمراہ ہو گیا ہے اس کا بھائی بڑا

طاقتور ہے۔

۳۔ مسند الیہ کی توسیع ایسی ضمیر سے بھی ہوتی ہے جو بطور صفت کے آتی ہے۔ جیسے یہ بچہ بڑا شریر ہے۔ جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی۔

۴۔ اعداد سے۔ جیسے، دو سو آدمی اکھڑے ہوئے۔ اتنے میں دونوں بھائی آپہنچے۔

۵۔ اضافی حالت سے۔ جیسے، اب میرے دل کا ارمان نکلا۔ مدرسے کے سارے لڑکے حاضر کئے گئے۔

بعض اوقات مضاف الیہ محذوف بھی ہوتا ہے۔ جیسے بڑی فکر تھی کہ اتنی تھوڑی تنخواہ میں تمہاری گذر کیسے ہوگی (یعنی اس کی بڑی فکر تھی)

۶۔ حالیہ سے، جیسے اجڑا گاؤں۔ اڑتا ہوا پرندہ، مرا ہوا جانور۔ بعض اوقات اس کا استعمال بھی بطور خبر کے ہوتا ہے۔ جیسے، سڑک پر ایک جانور سسکتا ہوا پڑا ہے۔

خبر کی توسیع

۱۔ اسم، ضمیر، کسی مصدر یا فقرے سے بطور اسم کے استعمال ہو

(ا) مفعول قریب۔ جیسے تم میری بات سنو۔ اس نے کچھ نہ کہا۔ بعض اوقات فقرہ یا جملہ بھی مفعول ہوتا ہے، مثلاً حالیہ معطوفہ کے ساتھ جیسے وہ مال واسباب لٹتا دیکھ کر جان سلامت لے گیا۔ شہزادے کو قریب آتے دیکھ کر استقبال کے لئے چلا۔ جس طرح مسند الیہ کی توسیع ہوتی ہے اسی طرح مفعول کی بھی ہو سکتی ہے۔ مثلاً آپ میرے کپڑوں کو ہاتھ نہ لگائیے، ان کو گھر میں اکیلا نہ چھوڑیئے۔

(ب) مفعول بعید ہے، اس نے بیٹے کو پیغام کہلا بھیجا۔

(ج) اسم یا ضمیر کی حالت سے جس سے خبر کی بلحاظ وقت، مقام طریقہ

وغیرہ توسیع ہوتی ہو۔ جیسے، اس کے دل سے سب کدورت رفع ہو گئی اس نے یہودی کو مسجد میں آنے دیا۔ وہ درخت کی پھننگ تک چڑھ گیا۔

(د) بعض اوقات فاعل کا بدلہ خبر کی توسیع ہوتا ہے۔ جیسے اس کا چھوٹا بھائی تیرا معاون ہوگا۔

۲۔ خبر کی توسیع صفت سے بھی ہو سکتی ہے۔ جیسے، اس صراحی کا پانی ٹھنڈا کیجئے۔ میرے کپڑے صاف کر دو۔

جب خبر اسم ہوتی ہے تو اعداد سے توسیع ہو سکتی ہے۔ جیسے احمد نے چار آم کھائے، یہ مکان ۱۶ فٹ اونچا ہے۔

۳۔ حالیہ معطوفہ سے۔

جیسے اس نے پریشان ہو کر گھر چھوڑ دیا۔

۴۔ حالیہ

جیسے، اسے شہر میں رہتے ہوئے کئی سال گذرے، حامد اسے لئے ہوئے پہنچا۔ وہ کھیلتا کودتا گھر پہنچ گیا۔

۵۔ حرف ربط سے معہ اس کے اسم کے

جیسے، سب کے سب کوتوال کے پاس حاضر ہوئے۔

۶۔ تمیز فعل سے

جیسے، وہ بہت ناراض ہوا۔ ہنسی ہنسی چلتا ہے۔ میں نے جلدی جلدی لکھ دیا۔

مطابقت

مطابقت تین قسم کی ہے۔

۱۔ صفت کی (جو توصیفی ہو) اپنے اسم سے

۱۔ (توصیفی) کی مطابقت موصوف سے پہلے بیان ہو چکی ہے سوائے ان صفات کے جن کے آخر میں (ہوتا ہے اور جن میں تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ مؤنث میں صرف ایک ہی صورت ہوتی ہے) باقی تمام صفات ہر حالت میں ویسی ہی رہتی ہیں اور ان میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوتی۔ صفت موصوف کے مطابق ہوتی ہے۔ اس طرح حرف اضافت کی تذکیر و تانیث و وحدت و جمع عموماً مضاف کے مطابق ہوتی ہے لیکن جب ایک صفت کئی مختلف الجنس اسماء کی تعریف کرے یا ان کے ساتھ آئے تو مطابقت میں اختلاف ہوتا ہے

(۱) صفت (یا مضاف) جنس میں قریب کے اسم سے مطابق ہوتا ہے جیسے، اس کی بہو اور بیٹے۔ تمہارا ننگ و ناموس۔ مجھے اس کی چھچھوری باتوں اور کاموں سے کچھ غرض نہیں۔

(۲) بعض اوقات اگرچہ قریب تر کا اسم مؤنث ہوتا ہے چونکہ مذکر کی شان بڑی سمجھی جاتی ہے، اس لیئے مطابقت مذکر سے ہوتی ہے۔ جیسے، اس کے بی بی بچے آ گئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں بی بی بچے مل کر ایک کلمے کا کام دیتے ہیں۔

(۳) لیکن صفت جب اسم کے ساتھ بطور خبر کے آئے، بشرطیکہ اسم کے ساتھ علامت مفعول موجود ہو، تو اسم بلا لحاظ جنس و تعداد واحد استعمال ہوگا۔ جیسے، میں نے ان لوگوں کو بہت کالا پایا۔ اگر "کو" نہ ہوتا تو صفت جمع آتی۔ جیسے، میں نے یہاں کے آم میٹھے دیکھے۔ یہاں کے لوگ کالے پائے۔ میں نے یہاں کی عورتیں کالی پائیں۔ میں نے یہاں کی عورتوں کو کالا پایا۔

صفت جو تمیز کے طور پر ہوتی ہے اس کا اثر فعل کی تذکیر و تانیث پر نہیں ہوتا۔ جیسے، تم نے اچھا کیا۔ تم نے خوب کیا۔ یہاں خوب اور اچھا کی تذکیر و تانیث سے کچھ بحث نہیں۔

تم نے مجھ نکمی کو کیوں دکھ دے رکھا ہے۔

لیکن یہاں نکمی مجھ کا بدل ہے اور بدل جملہ کی ترکیب سے متاثر نہیں ہو سکتا اور یہی وجہ ہے کہ جملے کی باقی حالت میں فرق نہیں آیا اور فعل حسب معمول واحد مذکر ہے لیکن خبر کی حالت دوسری ہے جو بیان ہو چکی ہے حالیہ کی مطابقت کے متعلق اس سے پہلے حالیہ کے بیان میں ہو چکا ہے۔

۳۔ خبر یہ فعل یا اسم جہاں جہاں ممکن ہو جنس و تعداد میں مبتدا کے مطابق ہونا چاہیئے۔ جیسے سب دولت ڈھونڈھتے ہیں۔ لکھنے پڑھنے کا سامان نہیں ہے۔ علم اور نیک چلنی یہ دونوں انسان کا درجہ بڑھا دیتے ہیں ان متعدی افعال کی جن کے افعال ماضی کے ساتھ، نے آتا ہے دوسری حالت ہے۔ اس کا ذکر پہلے مفصل ہو چکا ہے۔

جب کسی فعل کا مبتدا جملہ یا جزو جملہ ہوتا ہے تو خبر ہمیشہ واحد ہوتی ہے، جیسے مارنے کو آنچ نہیں، بالکل صحیح ہے۔ اسے دیکھ کر میری زبان سے بے اختیار کلمۂ طویل ''احمق'' نکل جاتا ہے۔

جب مبتدا تعظیمی ضمیر، تعظیمی جمع یا تعظیمی لفظ ہو اگرچہ مقصود اس سے فرد واحد ہو خبر نیز تمام توصیفی کلمے جمع ہی ہوں گے۔ جیسے آپ کب تک قیام فرمائیں گے۔ یہی مولوی صاحب ہیں جن کا میں نے ذکر کیا تھا۔ ہمارے پیر و مرشد یہاں نہیں ہیں جب فاعل ضمیر ہو اور مذکر و مؤنث دونوں کی طرف راجع ہو، تو خبر مذکر

ہوگی۔ جیسے، زینب نے اپنے شوہر سے کہا اب یہاں نہیں ٹھہر سکتے۔ اس
نے میاں بیوی سے صاف کہہ دیا کہ اب تم چلے جاؤ۔
جب اتنے مبتدا دو سے زائد اسما یا ضمائر مختلف الجنس پر مشتمل ہو تو خبر عموماً
سب کے قریب کے اسم سے مطابق ہوگی۔ جیسے، آدمی کے دو کان۔ دو
آنکھیں اور ایک منہ ہے۔
اگر سب کے سب واحد اور ایک جنس کے ہیں تو خبر ان لفظوں کی
جنس کی تابع ہوگی۔ جیسے، اس سے کم ہمتی اور بزدلی پیدا ہوتی ہے۔ ایسی باتوں
سے رعب اور وقار جاتا رہتا ہے۔
لیکن اگر ان میں سے کوئی ایک یا ایک سے زائد جمع ہو تو خبر جمع ہوگی
(ایسی حالت میں جمع خبر کے متصل ہونی چاہیئے) جیسے اس کے ہوش و حواس
جاتے رہے۔ میز اور کرسیاں گر پڑیں۔
(۵) لیکن جب دو اسم ہوں اور آخر میں لفظ دونوں یا دونوں کے دونوں
آئیں تو فعل جمع آئے گا۔ جیسے ماں اور بچہ دونوں مر گئے۔ یا دونوں کے
دونوں مر گئے۔
مگر جب دو یا دو سے زائد اسما کے فاعل یا مبتدا ہوں۔ اور آخر میں
سب آئے تو فعل جنس و تعداد میں آخر اسم کے مطابق ہوگا۔ جیسے اس کا
مال و اسباب، جاگیر، مکانات سب بک گئے۔ اس کا مال و اسباب
گھر بار سب بک گیا۔
مگر جب سب کا تکرار حرف اضافت کے ساتھ ہو تو سب کا سب
واحد، سب کے سب جمع مذکر اور سب کی سب مؤنث واحد و جمع کیلئے ہوگا۔
لیکن جب، سب کچھ، آخر میں آئے تو فعل ہر حالت میں واحد ہوگا جیسے

مال و اسباب، جاگیر، مکانات سب کچھ بک گیا۔
آخر میں جب کوئی یا کچھ ہو تو بھی فعل واحد مذکر ہو گا۔ جیسے، باپ بیٹا جورو، بھائی بہن کوئی ساتھ نہ جائے گا، مال و اسباب باغ و جاگیر کچھ نہ رہا۔

(۶) عام طور پر فعل جنس و تعداد میں مبتدا کے مطابق ہوتا ہے۔ جیسے یہ آلات اور کتابیں میری ساری پونجی ہیں۔

(۷) جب مبتدا دو یا زائد ایسی ضمیروں پر مشتمل ہو جن کی نوعیت الگ الگ ہو یعنی کوئی متکلم ہو کوئی مخاطب اور کوئی غائب تو خبر جمع ہو گی، جیسے، ہم تو وہاں گئے تھے۔ وہ اور میں راستہ بھول گئے۔ میں اور تم وہاں مل چلیں گے۔ میں اور وہ ساتھ آئے۔ ایسی صورت میں جہاں تک ممکن ہو ضمیر جمع آخر میں لانی چاہیئے۔

(۸) جب مبتدا اسم جمع ہو تو خبر واحد ہو گی۔ فوج جا رہی ہے وغیرہ۔

(۹) کتابوں اخباروں اور رسالوں کے نام گو جمع ہوں گے مگر وہ مثل واحد کے استعمال ہوتے ہیں جیسے تعزیرات ہند چھپ گئی (کتاب چونکہ مؤنث ہو اسلئے فعل مؤنث آیا) میں نے قصص ہند ختم کر دی۔

(۱۰) افعال ناقص میں جب مبتدا اور خبر دونوں اسم ہوں تو فعل مبتدا کے مطابق ہونا چاہیئے۔ اگرچہ بعض اساتذہ نے اس کے خلاف بھی کیا ہے وہ قابل تقلید نہیں۔ جیسے :-

"ظلمت عصیاں سے میرے بن گیا شب روز حشر"

یہاں روز حشر بن گئی کہنا صحیح نہ ہو گا۔ اگرچہ اسی استاد نے دوسری جگہ فرمایا ہے۔

تیغ خمیدہ یار کی لو ہے کا پل ہوا

مگر اس کی تقلید درست نہیں ہے۔ قاعدہ یہی ہے کہ فعل مبتدا کے مطابق ہوگا۔

(۱۱) بعض اوقات دو واحد اسم ہم جنس یا مختلف الجنس بلا حرف عطف مل کر جمع کی حالت پیدا کر لیتے ہیں تو ایسی حالت میں فعل جمع مذکر آئے گا۔ جیسے، میاں بیوی ہنسی خوشی بسر کرتے ہیں۔ اب تو دن رات چین سے گذر رہے ہیں۔ گھوڑا گھوڑی کلیلیں کر رہے ہیں باپ بیٹا جا رہے ہیں۔

(۱۲) بعض صورتوں میں جب دو لفظ بلا حروف عطف مل کر آتے ہیں اور ایک کلمہ کا حکم رکھتے ہیں تو فعل واحد آتا ہے اور عموماً تذکیر و تانیث آخری لفظ کے لحاظ سے قرار دی جاتی ہے۔ جیسے:۔
گھوڑا گاڑی بک گئی۔ قلم دوات رکھی ہے۔ دوات قلم رکھا ہے لیکن کبھی کبھی اس کے خلاف بھی آتا ہے۔ جیسے تمہارے کھانے میں نمک مرچ زیادہ ہوتا ہے۔
فارسی میں ایسے لفظوں کے درمیان حرف عطف و آتا ہے جیسے کھانے میں آب و نمک ٹھیک ہے۔
لیکن نشو و نما اور آب و گل مذکر اور مؤنث دونوں طرح مستعمل ہیں جیسے:۔

خاکساری نے اسی دن روشنی پائی تھی ذوق
آدم خاکی کا جس دم آب و گل پیدا ہوا

❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖

"شرافت تھی جو آب و گل میں اس کی"

⁂ ⁂

"جسم پر آب سے ہے نشو و نما ساون کی" (وزیر)

⁂ ⁂

"خط کو روئے یار پر نشو و نما ہوتا نہیں (ناسخ)

لیل و نہار (زمانے کے معنوں میں) واحد اور جمع دونوں طرح مستعمل ہے۔

اگر یہی لیل ہے۔ یا اگر یہی لیل و نہار ہیں۔ مگر واحد کو ترجیح ہے

دن۔ رات۔ روز و شب جمع استعمال ہوتے ہیں۔

(۱۴) ایک صورت خاص رشتہ داروں کے ساتھ مخصوص ہے۔ یعنی رشتے کے دو اسم بلا حروف عطف آتے ہیں، ہوتے دونوں واحد ہیں، مگر چونکہ دو کے ملنے سے جمع کی صورت پیدا ہوتی ہے دوسرا لفظ واحد ہونے کے جمع کی صورت میں آتا ہے اور فعل کو بھی اس کی مطابقت لازم ہوتی ہے گویا یہ دونوں مل کر ایک لفظ ہیں جس کی جمع بنالی گئی ہے۔ جیسے ماموں بھانجے لڑ پڑے۔ چچا بھتیجے بیٹھے باتیں کر رہے ہیں۔ یہ باپ بیٹے ذرا سی بات پر اڑ بیٹھے ہیں۔ مدت ہوئی۔ باپ بیٹوں کا انتقال ہو گیا۔

جب آخر میں دونوں کا لفظ آتا ہے تو واحد یا جمع دونوں صورتیں جائز ہیں۔ جیسے۔ مدت ہوئی باپ بیٹا دونوں مر گئے۔ یا باپ بیٹے دونوں مر گئے۔

ایک وقت یہ ہے کہ جمع کی حالت میں بھی یوں ہی بولتے ہیں اور اس لئے

واحد اور جمع میں تمیز کرنا دشوار ہوتا ہے۔ مثلاً جب ہم کہتے ہیں کہ "چچا بھتیجے بیٹھے حقہ پی رہے ہیں"، تو اگر ایک بھتیجا ہے تو بھی یوں ہی کہیں گے اور زیادہ سے زیادہ ہیں تو بھی یوں ہی، مگر عام طور پر واحد ہی مقصود ہوتا ہے۔

ہماری رائے ہے جب مراد جمع ہو تو حرف عطف "اور" لانا چاہیے مثلاً جب کہیں "چچا بھتیجے بیٹھے حقہ پی رہے تھے" تو اس سے مراد واحد ہے لیکن جب تخصیص کے ساتھ بھتیجوں کا جتانا مقصود ہو تو یوں کہنا چاہیے کہ "چچا اور بھتیجے بیٹھے حقہ پی رہے ہیں" اس میں کسی قدر تکلف تو ہے مگر ضرورت پوری ہو سکتی ہے۔

(۱۴) جب خبر مصدر ہو اور مبتدا مونث تو مصدر کا الف یائے معروف سے بدل جاتا ہے اور اگر مبتدا مذکر ہے تو الف قائم رہتا ہے۔ متاخرین لکھنؤ ہر حالت میں مصدر کو اصلی ہی صورت میں رکھتے ہیں اگرچہ اساتذہ لکھنؤ اس کے پابند نہیں۔

جانا یہ زلف کف میں لینی
ہے سانپ کے منہ میں انگلی دینی
(نسیم لکھنوی)

ہر شک دیدہ تر سے دھو ڈالوں گا عصیاں کو
انہیں چشموں سے اے دل آبرو محشر میں پائی ہے
(امانت)

خواب میں وہ آنے کا کیوں نہ اب کرے وعدہ
یعنی کب جدائی میں مجھ کو نیند آتی ہے!
(ناسخ)

اب تو میرے حال پہ لطف و کرم فرمائیے
ہو چکی ہو لی جو تھی جور و جفا دو چار دن! (صبا)

(۱۵) بعض عربی اسماء ہندی مصادر کے ساتھ اس طرح مل کر آتے ہیں کہ وہ بالکل ان کا جز ہو جاتے ہیں لہذا ان اسما کو فعل کی تذکیر و تانیث میں مطلق دخل نہیں ہوتا، فعل مبتدا کے مطابق ہوگا۔ اور اگر خبر (یا مفعول) موجود ہے تو خبر (یا مفعول) کے مطابق ہوگا۔ جیسے یہ قرار پایا یہ بات قرار پائی۔ یہ امر قرار پایا۔ میں نے یہ امر تجویز کیا۔ میں کئے یہ بات طے پائی۔ یہ طے پایا۔
ان مثالوں میں تجویز، قرار، طے، عرض کو فعل کی تذکیر و تانیث میں کوئی دخل نہیں۔

اسی طرح مثلاً یاد کرنا ایسا مصدر ہے جو اردو کا ٹھیٹ مصدر ہو گیا ہے اور اس کا استعمال بھی ہندی مصادر کی طرح ہوتا ہے۔ میں نے اسے یاد کیا، ہم نے ان کو یاد کیا، میں نے سبق یاد کیا، اس نے کہانی یاد کی۔ یہاں یاد کا فعل کی تذکیر و تانیث پر کچھ اثر نہیں۔
لیکن تدبیر کرنا، تاخیر کرنا، فریاد کرنا۔ صبر کرنا، تعمیل کرنا۔ شور مچانا ہدایت کرنا، مزا دینا وغیرہ مصادر میں جز اول الگ لفظ ہے اور اسی لحاظ سے فعل کی تذکیر و تانیث آتی ہے، کیونکہ یہ لفظ یہاں خود مفعول واقع ہوئے ہیں۔
(۱۶) جس طرح افعال ناقصہ میں فعل مبتدا کے مطابق ہوتا ہے، اسی طرح افعال قلوب میں بھی فعل مبتدا کے مطابق ہوتا ہے، اس کے مفعول یا خبر کو فعل کی تذکیر و تانیث میں کچھ دخل نہیں۔ جیسے

میں اس عورت کو بیجڑا سمجھا۔ میں نے اسے بیوقوف خیال کیا۔
کیوں کہ ان افعال کے مفعول کے ساتھ ہمیشہ کو آتا ہے۔ یا مفعولی ضمیر
آتی ہے اس مبتدا کا فعل پر کچھ اثر نہیں ہوتا۔
(۱۷) کبھی مبتدا مذکور نہیں ہوتا، قرینے سے معلوم ہوجاتا ہے، لہذا خبر اس
لحاظ سے تعداد و جنس میں محذوف مبتدا کے مطابق ہوتی ہے، جیسے
اب تو آرام سے گذرتی ہے (یعنی زندگی) کب آئے؟ (یعنی آپ یا وہ)

~~~~~~
~~~~~~

مرکب جملے

جب دو یا دو سے زیادہ جملے مل کر کسی ایک مفہوم یا خیال کو ادا کریں تو وہ مرکب جملہ کہلائے گا۔

اگر یہ جملے نحوی لحاظ سے جداگانہ اور برابر کی حیثیت رکھتے ہوں تو ایسے جملوں کو "ہم رتبہ" جملے کہیں گے۔

اگر کوئی جملہ دوسرے جملے کے مقابلے میں برابر کی حیثیت نہیں رکھتا ہے بلکہ دوسرے کے تحت میں ہے تو ایسے جملے کو "تابع" کہیں گے۔

ا۔ ہم رتبہ جملے

ہم رتبہ جملے حروف عطف کے ذریعے سے باہم ملے ہوتے ہیں۔

اردو میں مثل دوسری زبانوں کے ان کی چار قسمیں ہو سکتی ہیں۔ وصلی۔ تردیدی۔ استدراکی اور سببی۔

ا۔ وصلی جملے۔ دو ہم رتبہ جملوں کو باہم وصل کرنے کے لئے حروف عطف "اور" آتا ہے۔ ان میں سے ہر جملہ برابر کی حیثیت کا اور ایک دوسرے سے آزاد ہوتا ہے۔

جیسے میں آیا اور وہ چلا گیا۔ سورج صبح کو نکلتا اور شام کو غروب ہو جاتا ہے۔

بعض اوقات "پھر" بھی یہ کام دیتا ہے۔ جیسے:۔

پہلے تو وہ اسباب جمع کرتا رہا پھر چل دیا۔

۲- تردیدی جملے وہ وصلی جملوں کی ضد ہیں۔ یعنی یہاں حرفِ تردید دو جملوں کو معناً جدا کرتا ہے۔ اس کے لئے عموماً حرف "یا" استعمال ہوتا ہے۔ اسے گھر بھیج دو یا باہر نکال دو۔

کبھی "کہ" ان معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسے، تم نے کچھ دیا کہ نہیں، وہ گیا کہ نہیں۔

کبھی "نہیں تو" اور "ورنہ" بھی حروفِ تردید کا کام دیتے ہیں۔ جیسے حاکم بیدار ہونا چاہیئے۔ ورنہ رعایا تباہ ہو جائے گی۔ اسے جلدی چھوڑ دو، نہیں تو بہت مشکل پڑے گی۔

بعض اوقات خواہ ...... خواہ اور چاہے ...... چاہے بھی تردید کے لئے آتے ہیں۔ جیسے، چاہے رہے چاہے جائے۔ خواہ خود آ جائیں خواہ مجھے بلا لیں۔

نہ ...... نہ بھی تردید کے لئے آتے ہیں، جیسے، نہ خود گیا نہ مجھے جانے دیا۔

اس قسم کے جملوں میں عموماً پہلا "نہ" محذوف ہوتا ہے جیسے خود گیا نہ مجھے جانے دیا۔ وہاں آقا تھا نہ نوکر۔

۳- استدراکی جملے۔ ہم رتبہ استدراکی جملوں میں دو بیانات کا باہم مقابلہ ہوتا ہے۔ یہ جملے تین قسم کے ہوتے ہیں۔

۱- دوسرا بیان پہلے بیان کے مخالف یا اس سے خارج ہو۔

۲- دوسرا بیان پہلے بیان کو صرف مقید یا محدود کرتا ہو۔

۳- یا پہلے بیان کی توسیع یا ترقی ہو۔

ان کے لئے عموماً حروف، لیکن، مگر، پر، سو، بلکہ، استعمال ہوتے ہیں مثالیں اسی ترتیب سے دی گئی ہیں، جس ترتیب سے تقسیم کی گئی ہے۔

(۱) چکور اور شہباز سب اوج پر ہیں
مگر ایک ہم ہیں کہ بے بال و پر ہیں!

وہ تمہارے لئے سب کچھ کرنے کو تیار ہے، مگر تم چاہو کہ روپیہ ہاتھ آئے تو اس سے ہاتھ دھو رکھو۔

(۲) وہ وعدے تو بہت کرتا ہے، لیکن یاد نہیں رکھتا۔ وہ ساتھی تو ہے پر مصیبت کا ساتھی نہیں۔ دوست ہے مگر وقت پر کام نہیں آتا۔

(۳) خوشامد سے ایک دنیا ہی نہیں ملتی، بلکہ خدا بھی اس سے ملتا ہے
یہ ایک کیا بلکہ ایسے سو ہوں تو مار ہٹاؤں۔
اس نے صرف طوطا چشمی ہی نہیں کی بلکہ طرح طرح کی تکلیفیں بھی پہنچائیں

ان مثالوں سے مگر، لیکن (پر) اور بلکہ استعمال میں جو فرق ہے، وہ ظاہر ہے اور قابل لحاظ ہے کیونکہ ان کے استعمال میں اکثر غلطی ہو جاتی ہے۔

نظم میں پر[1] کی بجائے یہ بھی استعمال ہوتا ہے۔ کبھی سو بھی ان معنوں میں آتا ہے مگر بہت کم جیسے،

ہم نے چاہا تھا کہ مر جائیں، سو وہ بھی نہ ہوا

بعض اوقات، اور بھی محاورے میں مگر کے معنی دے جاتا ہے۔

---

[1] پر سنسکرت کے پران سے بنا ہے اور یہ پر کا مخفف ہے۔ اہل لکھنؤ بالفتح بولتے اور لکھتے ہیں، لیکن صحیح زیر سے ہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ پرچ بھاشا میں بالکسر ہی آتا ہے۔

جیسے، ایسا فاضل اور نکما، اتنا بڑا باکمال اور اس قدر تنگ دل۔
بعض اوقات، مگر اور لیکن، گو اور اگرچہ کے جواب میں آتے ہیں
جیسے اگرچہ وہ بہت بڑا دولت مند ہے لیکن دل کا چھوٹا ہے۔
۴۔ سببی جملے۔ ان جملوں کے ایک جزو میں دوسرے جز کے سبب یا وجہ
نتیجے کا ذکر ہوتا ہے۔ جو جملہ کی علت یا سبب کو ظاہر کرتا ہے وہ عموماً
کیونکہ، اس لیے کہ، اس واسطے کہ، سے شروع ہوتا ہے۔ جیسے، میں ان
کا ساتھ دوں گا۔ کیوں کہ (اس لئے کہ یا اس واسطے کہ) مصیبت کے وقت
انہوں نے میرا ساتھ دیا تھا۔
جو جملہ نتیجے یا اثر کو ظاہر کرتا ہے اس کے شروع میں اس لئے،
پس یا عربی کا لہٰذا آتا ہے۔ جیسے، اس نے میرا کہنا نہ مانا، اس لئے
(لہٰذا) میں اس سے قطع تعلق کرتا ہوں۔
ایسے مرکب جملے میں جزاول کے ساتھ عموماً چوں کہ استعمال ہوتا
ہے، جیسے چوں کہ وہ بہت شریر اور نااہل ہے۔ اس لئے میں اسے
منہ نہیں لگاتا۔
کبھی پس کبھی ان معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسے چونکہ اس
نے بلا اجازت ایسا کام کیا ہے۔ پس (یا لہٰذا) اسے سزا بھگتنی چاہیئے۔

تابع جملے

تابع جملوں کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ اسمی
۲۔ وصفی
۳۔ تمیزی

اصل جملے کو خاص اور اس کے تحت جملے کو تابع جملہ کہیں گے

۱۔ اسمی جملہ۔ اسمی جملے سے ہماری مراد ایسا جملہ ہے جو بجائے خود ایک اسم کا کام دے اور جملہ کی ترکیب میں بجائے ایک اسم کے ہو، جیسے میرا ایمان ہے کہ خدا ایک ہے۔ یہاں "خدا ایک ہے" بجائے ایک اسم کے ہے یعنی ہم کہہ سکتے ہیں کہ توحید میرا ایمان ہے۔

اسمی جملہ دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک وہ جو اصل جملے کے فعل سے متبدا کا تعلق رکھتا ہو یا جو مبتدا کا بدل ہو۔ دوسرا وہ جو اصل جملے کے فعل کے یا خبر کے کسی تابع کو محدود کرے یا اس پر اثر ڈالے۔

تمام اسمی جملوں کی ابتدا عموماً حرف (کہ) سے ہوتی ہے۔ جیسے اس نے کہا کہ میں بیمار ہوں۔ کون نہیں جانتا کہ میرا نام احمد ہے۔ وہاں وہ چہل پہل تھی کہ بیان سے باہر ہے (یہاں جملہ خاص جملے کے مبتدا سے متعلق ہے) یہ صاف ظاہر ہے کہ وہ اس کا کام نہیں ہے (یہاں تابع مبتدا، یہ، کا بدل ہے)۔

جب خاص جملے میں الفاظ، مناسب ہے، لازم ہے، چاہئے وغیرہ آئیں اور فرض وواجبیت وغیرہ ظاہر کریں تو تابع جملے میں مضارع آئے گا۔ جیسے مناسب ہے کہ آپ خود چلے جائیں۔ لازم تو یہ ہے کہ خود آکر معافی مانگے۔ ان کو چاہیئے کہ ابھی بھیج دیں وغیرہ۔

اسمی جملہ جس کا تعلق خبر سے ہوتا ہے وہ جملے کے فعل کا مفعول واقع ہوتا ہے۔ جیسے اس نے کہا تم گھبراؤ نہیں۔ وہ گلی گلی کہتا پھرتا آگ لگی رے آگ لگی۔ تم دیکھ کر آؤ کہ سامنے کون چلا آرہا ہے۔

کبھی کبھی اور خاص کر چھوٹے چھوٹے فقروں اور مقولوں کے قبل (کہ) محذوف ہو جاتا ہے۔ میں نے کہا اب نہ آنا۔ اس نے کہا دوست

یہاں آؤ۔

کبھی تابع جملہ خاص جملے سے قبل بھی آجاتا ہے۔ جیسے 'چلو مدینے، چلو مدینے'، ہر طرف سے یہی صدا آرہی تھی۔

کبھی 'جو' بھی 'کہ' کی جگہ استعمال ہوتا ہے۔ جیسے اپنے باوا سے کیوں نہیں کہتے جو تمہیں بھجوا دیں۔

کبھی 'کہ' خاص جملے کے فعل کی وجہ یا مقصد کے اظہار کے لئے آتا ہے۔ جیسے، میں تمہیں اس لئے پہلے بھیجتا ہوں کہ تم ان سے مل سکو۔ ایسے موقع پر 'کہ'، 'تاکہ' کے معنوں میں آتا ہے۔ اظہار مقصد کے لئے اس لئے کہ وہ اس کا اکلوتا بیٹا ہے۔ وہاں جاتے ہوئے ڈرتا ہوں کیونکہ وہ میرا جانی دشمن ہے۔

بعض اوقات منفی فقرہ 'ایسا نہ ہو' کے ساتھ اظہار غرض کے لئے آتا ہے جیسے، ان سے زیادہ باتیں نہ کرو، ایسا نہ ہو کہ وہ خفا ہو جائیں۔

جب اسمی جملہ کسی نتیجے کو ظاہر کرتا ہے۔

(۱) توقع، تمنا یا دعا کے اظہار کے موقع پر فعل مضارع آتا ہے۔ جیسے ایسی تقریر کرو کہ ہزاروں کا چندہ ہو جائے۔ خدا کرے کہ وہ کامیاب ہو جائے میں نہیں چاہتا کہ وہ یہاں آئے۔

۲۔ ناممکن یا محال کا اظہار ہوتا ہے تو زمانۂ حال کے لئے مضارع اور زمانۂ گذشتہ کے لئے ماضی شرطیہ (یا تمنائی) آتی ہے۔

جیسے اس کی کیا طاقت ہے جو یہاں ایسا کرے۔ اس کی کیا طاقت تھی جو ایسا کرتا۔

۳۔ وصفی جملے۔ وصفی جملہ وہ ہے جو صفت کا کام دے اور خاص جملے

کے کسی لفظ یا فقرے کی تعریف کرے۔ جیسے، اس نے انہیں لڑکوں کے نام پکارے جو کتاب میں درج تھے۔ یہاں جو کے بعد کا جملہ، کتاب میں درج تھے" نام کی تعریف کرتا ہے۔

تمام وصفی جملے موصولہ یا اشاری ضمیروں کے ساتھ آتے ہیں جیسے وہ کام جو آپ سے نہ ہو سکا میں کیسے کر سکتا ہوں۔

جب تاکید یا زور دینا مقصود ہوتا ہے تو اس کے اسم کو جس کی تعریف جملہ وصفیہ کرتا ہے بہ تکرار استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے، جو کام آپ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ آخر وہی کام کرنا پڑا۔

وصفی جملوں کے ساتھ عموماً ضمیر موصولہ یا اشارہ آتی ہے اور اس کے جواب میں دوسرے جملے میں دوسری ضمیر آتی ہے جیسا کہ اوپر مثالوں سے ظاہر ہے۔ لیکن بعض اوقات خاص کر نظم میں دوسری ضمیر محذوف ہو جاتی ہے جیسے، جو مجھ پر گذرتی ہے۔ تم کیا جانو۔

بعض اوقات وصفی خاص جملوں میں اسم مذکور نہیں ہوتا جب کہ کسی خاص شخص سے مراد نہ ہو یا اشارہ ایسی جانب ہو جو معروف ہے۔ جیسے، دل اسی سے ملتا ہے جو اس کے قابل ہوتا ہے۔ اس مصیبت سے وہی نجات دے گا جو سب کا نگہبان ہے۔

بعض اوقات ضمیر موصولہ محذوف ہوتی ہے۔ جیسے، ڈرا سو مرا، ہو سو ہو، تم کرو گے سو اچھا ہی کرو گے۔

کبھی مرجع اور ضمیر موصولہ دونوں محذوف ہوتے ہیں۔ جیسے، خوب سہانپ مارا۔

ایسا عموماً بول چال کے فقروں اور نظم میں ہوتا ہے۔

بعض اوقات اس حالت میں جہاں تعلق صاف ظاہر ہے دونوں ضمیریں محذوف ہو جاتی ہیں۔ جیسے اچھا کیا تفنس مارا۔

جب اظہار واقعہ صاف طور پر ہوتا ہے تو افعال مطلق آتے ہیں جیسا کہ اوپر کی مثالوں سے ظاہر ہے۔ مگر دوسری حالتوں میں مضارع یا افعال احتمالی وغیرہ کا استعمال کیا جاتا ہے۔

(۱) مثلاً جب وصفی جملہ کسی فعل کے مقصد، غرض یا نتیجہ کو ظاہر کرے جیسے یہ درخت اتنا مضبوط نہیں ہے جو وہ آسانی سے اس پر چڑھ جائے۔ وہ شریف نہیں ہے جو میں اسے منہ لگاؤں۔

(۲) جہاں تعداد، کیفیت و کمیت کی تعین نہ ہوا ہو اور خاص افراد مقصود نہ ہوں جیسے وہ کتابیں جن میں اس مضمون کی پوری تشریح ہو۔

ایسا پانی جس میں نام کو غلاظت نہ ہو۔ ایسی تدبیر کرو۔ سب کو باز رکھے۔ ایسا واعظ بلاؤ جو سب کو نرم ڈال دے۔

کبھی تابع جملے میں بھی اسی طور ضمیریں ہوتی ہیں جیسی خاص جملے میں جیسے۔ جو جسے پسند آئے وہ ویسا ہی کرے۔

کبھی (جہاں) بجائے اسم یا ضمیر کے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے، مبارک ہے وہ شہر جہاں سے تم آئے۔

کبھی (کہ) بجائے جو، کہ وصفی جملے کے ساتھ آتا ہے۔ جیسے ایسی چیز تو میرے پاس ایک بھی نہیں جو آپ پسند فرمائیں۔ یہ ایسا آدمی نہیں ہے کہ میں اس پر اعتماد کر سکوں۔

(۳) تمیزی جملے۔ تمیزی جملہ درحقیقت تمیز کی طولانی صورت ہے یہ خاص جملے کی خبر کی بلحاظ وقت و مقام طور طریقہ کے تعریف کرتا ہے۔ یہ کسی دوسری

تمیزی کی۔

وقت کے لئے جو تمیزی جملے آتے ہیں۔ ان کی ابتدا میں "جو" یا، "جب" آتے ہیں اور ان کے جواب میں "تو" (یا کبھی تب)

جیسے، جب میں ہی نہ رہا تو مجھے اس سے کیا، جب تک میں ہوں تم اپنی جگہ سے نہ ہٹنا۔

کبھی وقت کے لئے تمیزی الفاظ کے ساتھ بعض اوقات "سے" اور "تک" مل کر بھی آتے ہیں۔ جیسے، جب تک۔ کب سے وغیرہ۔

بعض دوسرے اسم مثلاً وقت۔ دم، دن وغیرہ جو وقت کو ظاہر کرتے ہیں ان ضمائر موصولہ کے ساتھ جملے میں آتے ہیں۔ اور ان کا جواب خاص جملے میں ہوتا ہے۔ جیسے جس وقت وہ پہنچا اس وقت میں سو رہا تھا۔

کبھی کبھی ایسا تمیزی جملہ "کہ" سے شروع ہوتا ہے۔ جیسے وہ بہت اداس بیٹھا تھا کہ یہ خوش خبری پہنچی۔ کبھی "جو"، ان معنوں میں آتا ہے جیسے، سب سوچ میں بیٹھے تھے جو اس نے یہ کہا۔

(یہاں جو کے معنی (کہ) اتنے میں، کے ہیں،

بعض اوقات تمیز زمانی محذوف ہوتی ہے۔ جیسے، سب نے چیخنا چلانا شروع کیا تو بھاگ گیا۔

تمیزی جملہ مکانی، جہاں اور جدھر کے ساتھ آتا ہے۔ جیسے، جہاں وہ جاتا ہے وہیں تم جاتے ہو۔ جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے کبھی جوابی "وہاں"، محذوف بھی ہوتے ہیں۔ جیسے، جہاں سینگ سمائے چل دو۔

تمیزی جملہ کبھی طور طریقہ کو ظاہر کرتا ہے۔ اس کے ساتھ جو نہیں یا جیسے

آتا ہے۔ مثلاً جونہی وہ دروازے سے نکلا تھا کہ میں پہنچا۔ پہلے "جوں ہیں" کے جواب میں "وہیں" استعمال ہوتا تھا مگر آج کل متروک ہے۔ اگر ایسی صورت ہوتی ہے تو "سے" یا "جو" لے آتے ہیں۔ اور جیسے کے جواب میں ویسے۔ مثلاً، جیسے آپ مجھ پر مہربانی فرماتے ہیں۔ ویسے اس پر بھی نظر کرم رکھیے گا۔

اکثر ویسے محذوف ہوتا ہے مثلاً جیسے آپ کہیں میں کرنے کو تیار ہوں۔ جیسے بنے انھیں ساتھ لیتے آؤ۔

بعض اوقات جوں جوں اور جیسے جیسے بھی استعمال ہوتے ہیں اور ان کے جواب میں دوں دوں تو شاذونادر اور ویسے ویسے بہت کم آتے ہیں جیسے۔

"مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی"

جیسے جیسے وہ خط پڑھتا جاتا تھا اس کا رنگ متغیر ہوتا جاتا تھا۔

جوں جوں اور جیسے جیسے والے تمیزی جملوں میں جب کہ گذشتہ زمانہ ہو ہمیشہ افعال ماضی ناتمام کی کوئی نہ کوئی صورت استعمال ہوتی ہے۔ مثلاً جوں جوں میں اسے سمجھاتا تھا وہ اور بگڑتا تھا۔ جیسے جیسے وہ قریب آتا گیا میں دور ہوتا گیا۔ وغیرہ۔ جب، جیسے اور ایسے محض تشبیہاً استعمال ہوتے ہیں اور تشبیہ خیالی اور فرضی ہو تو فعل مضارع استعمال ہوگا۔ جیسے یہ حرف، تو ایسا لکھا ہے جیسے انگوٹھی میں نگینہ جڑا ہے۔ وہ اس طرح دفعتاً اس پر آگرا جیسے آسمان سے بجلی گرے۔

لیکن تشبیہ حقیقی تو فعل خبریہ آتا ہے۔

جیسے، یکایک اس طرح پتھر برسنے لگے جیسے ساون میں مینھ برستا ہے

(یہ استعمال زیادہ تر بولنے یا لکھنے والے کی مرضی یا طرزِ بیان پر منحصر ہوتا ہے)

تمیزی جملہ سببی، خاص جملے کی علت یا وجہ کو ظاہر کرتا ہے اس کی ابتدا عموماً (جو) سے ہوتی ہے جس کے معنی چونکہ ہوتے ہیں اور اس کا جواب "تو" یا "سو" سے ہوتا ہے۔ جیسے، ہم جو اس تکلیف اور مصیبت میں ہیں تو ہماری بات نہیں پوچھنا۔

بعض اوقات تمیزی جملہ سببی شرط کو بھی ظاہر کرتا ہے۔ خاص جملہ، شرط اور جملہ تابع، جزا کہلاتا ہے۔ شرطی جملے میں جو یا اگر اور جزا میں تو آتا ہے۔ جیسے، جو حال یہ ہے تو خدا ہی حافظ ہے۔

شرطی جملوں کے ساتھ افعال کے استعمال میں احتیاط لازم ہے۔ شرط میں تین حالتیں پائی جاتی ہیں۔

۱۔ امکانی
۲۔ حقیقی
۳۔ غیر امکانی

۱۔ صورت امکانی۔ بعض اوقات ممکن ہے کہ شرط ذہن میں امکانی صورت رکھتی ہو لیکن واقعے کے مطابق نہ ہو۔ ایسی صورت میں فعل مضارع یا افعال احتمالی استعمال کئے جائیں گے۔

لیکن جب علت یا نتیجہ یقینی ہو تو اس وقت خاص جملے کا فعل مطلق ہوگا جیسے، اگر وہ کل آگیا تو میں کیا کروں۔ وہ تمہارے ہی پاس رہے تو اچھا ہے۔

مگر جب نتیجہ امکانی صورت رکھتا ہے تو فعل مضارع یا کوئی فعل احتمالی استعمال ہوگا۔ جیسے، میں سوچ لوں تو جواب دوں (یہاں شرط اور جزا دونوں میں فعل مضارع استعمال کیا گیا ہے)۔ اگر آپ اس سے پیچھا

چھڑانا ہی چاہتے ہیں تو ایک تدبیر عرض کروں۔

۲۔ جب صورت شرط واقعی ہے یعنی مستقبل یا گذشتہ یا زمانۂ حال میں جیسی وقوع کی صورت ہو، تب شرطی جملے میں فعل مستقبل ہوگا یا کوئی اور فعل مطلق لیکن جزا میں حسب حالت مذکورہ فعل مضارع یا احتمالی یا مطلق آئے گا۔ جیسے،

جو تم اسے چھیڑو گے تو خفا ہو جائے گا۔ میں اگر اسے مارتا ہوں تو بھاگ جائے گا۔ جو تم ہی نہ آئے تو پھر کون آئے گا۔ تم نے نہیں کہا تو اور کس نے کہا۔

۳۔ تیسری صورت جبکہ شرط اور جزا دونوں میں خلاف واقعہ اور ناممکن الوقوع شرطی فقرے میں ایسی شرط کا اظہار ہوتا ہے جو وقوع میں نہیں آئی۔ مگر جزا میں اس نتیجہ کا اظہار ہوتا ہے جو شرط کے قاصر رہنے کی وجہ سے واقع نہیں ہونے پایا۔ ایسی صورت میں عموماً فعل ماضی شرطیہ استعمال ہوتا ہے۔ جیسے، اگر میں ان سے پوچھتا تو وہ مجھ سے کہہ دیتے۔ اگر وہ مر جاتا تو سارا پاپ کٹ جاتا۔

بعض اوقات ایسے موقع پر خبر میں ماضی بعید بھی استعمال ہوتی ہے۔ جیسے، وہ چاہتا تو آسکتا تھا۔ کبھی "تھا" یا "ہوتا" بھی استعمال کیا جاتا ہے جیسے وہ آجاتا تو اچھا تھا یا اچھا ہوتا۔

حرف شرط عموماً محذوف بھی ہوتا ہے۔ جیسے، وہ آئے تو میں چلوں، وہ کہتا تو میں ضرور جاتا۔

اس موقع پر "ہو تو ہو" محاورے کا بھی خیال رہے جو محض تاکید کے لئے آتا ہے۔ جیسے،

"غسل میت ہی ہمارا غسل صحت ہو تو ہو"

جو جملے "نہیں تو" یا "ورنہ" کے ساتھ آتے ہیں ان میں پورا فقرہ شرطیہ محذوف ہوتا ہے۔ مجھے اس کے حکم کی تعمیل ضروری ہے۔ ورنہ خدا جانے وہ کیا کر بیٹھے۔ (یعنی اگر میں نے اس کے حکم کی تعمیل نہ کی تو......)
اگر آپ نے قبول کیا تو بہتر، ورنہ مجھے اس کے پاس جانا پڑے گا (یعنی اگر آپ نے قبول نہ کیا تو.....)

بعض اوقات تمیزی جملہ امکانی اور شرطی دونوں ہوتا ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب کہ شرطی جملہ (جب) سے شروع ہوتا ہے اور جزا میں (تو) آتا ہے۔ جیسے، وہی نہیں آتا تو میں کیوں جاؤں۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ حرف شرط (جب) جملے میں محذوف ہوتا ہے اور صرف (تو) سے ظاہر ہوتا ہے کہ جملہ شرطیہ ہے۔ جیسے، میں چلنے لگا تو رو رو کر مجھے لپٹنے لگے۔

کبھی حرف جزاء (تو) بھی محذوف ہو جاتا ہے۔ جیسے کیا ہوا۔ اگر ہم نہ گئے۔

استدراکی جملہ بھی ایک قسم کا شرطی جملہ ہوتا ہے اور افعال کے استعمال میں اس پر بھی وہی قواعد حاوی ہے جو شرطیہ جملوں پر۔ جملۂ تابع کے ساتھ الفاظ تو بھی، پر، تاہم، لیکن اور مگر آتے ہیں جیسے، اگرچہ یوں تو وہ بیوقوف ہے مگر اپنے مطلب میں بہت ہوشیار ہے۔ اگرچہ وہ بہت متحمل ہے تاہم انسان ہے، غصہ آ ہی جاتا ہے۔ اگرچہ میری اس سے اچھی ملاقات ہے تو بھی ایسی فرمائش کرتے ہوئے تامل ہوتا ہے۔ گو اس وقت وہ نہ مانے مگر آخر ایک روز ماننے پڑے گا۔

بعض اوقات "خواہ"، "یا چاہے" شرطی جملے میں شرطی حرف عطف کے بجائے استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے، خواہ اس نے نیک نیتی ہی سے کیا ہو مگر کیا بہت برا۔ چاہے وہ کچھ ہی کہے پر مجھے یقین نہیں آتا۔



جملے میں الفاظ کی ترتیب

۱- عموماً جملے کے تین حصے ہوتے ہیں۔

۱- مبتدا -

۲- خبر

۳- فعل ربط

جیسے، احمد ہوشیار ہے

لیکن متعدی افعال کی صورت میں اول مبتدا (یا فاعل) اس کے بعد مفعول اور اس کے بعد فعل خبر ہوتا ہے۔

۲- اردو میں یہ ترتیب اکثر قائم نہیں رہتی اور کبھی تاکید اور زور دینے کی خاطر، کبھی تعجب و افسوس یا خوشی کے لیے اور کبھی محض قافیے کے خیال سے اس ترتیب میں تغیر و تبدل واقع ہو جاتا ہے۔ جیسے، ایسے ہوتے ہیں قوم کے سردار محسن۔ حیف ہے تجھ پر۔ کون ہے جو تمہیں نہیں جانتا؟ لعنت ہے ایسی حرکات پر وغیرہ وغیرہ۔

۳- فعل متعدی کا مفعول اس کے بالکل متصل قبل آتا ہے جیسے میں نے اسے بلایا۔ لیکن جب زور دینا مقصود ہوتا ہے تو مفعول جملے کے شروع میں آتا ہے۔ جیسے، اس عیار سے میں کیوں کر نبھا سکوں گا۔

خود فعل جب شروع میں آتا ہے تو اسی سے زور ظاہر ہوتا ہے۔

جیسے، ماروں کیا میں تجھے؟ دوں ایک تھپڑ؟

جب مفعول دو ہوں تو مفعول قریب جو (عموماً اشیاء کے متعلق ہوتا ہے) فعل کے متصل آتا ہے۔ جیسے میں تمہیں انعام دوں گا۔ نیز جو الفاظ فعل کی غرض و غایت ظاہر کرتے ہیں وہ ہمیشہ فعل کے متصل آتے ہیں۔ جیسے میں تمہیں سمجھانے آیا ہوں۔ لیکن جب زور مقصود ہوتا ہے تو یہ الفاظ بھی فعل کے بعد آتے ہیں۔ جیسے، یہ شخص اتنی دور سے آیا ہے صرف تمہاری ہدایت کے لئے۔

۴۔ بعض اوقات بلحاظ زور و تاکید کے مفعول اول آجاتا ہے۔ جیسے۔ آدمی کو آدمی کھائے جاتا ہے۔ جب ر ہونا، سے مشتق افعال آتے ہیں تو خبر اول آتی ہے۔ جیسے: ناصح سودا ہوا ہے۔ خصوصاً طوری حالت میں۔ جیسے، گھر میں کوئی شخص نہیں۔ حامد کے پاس طوطا ہے۔

لیکن مفصلہ امثلہ میں مفعول زور دینے کی غرض سے اول آیا ہے۔

ان چیزوں کو تم کہاں لئے جاتے ہو؟

یہ کاغذ میرے کام کے نہیں۔

جو تم کہوگے وہی کروں گا۔

۵۔ جہاں دو چیزوں کا مقابلہ ہوتا ہے۔ وہاں زور اور تاکید کا ایک لفظ جملے کے پہلے حصے کے شروع میں آتا ہے اور دوسرا لفظ دوسرے حصے کے شروع میں۔ جیسے، کمائیں میاں خان خاناں اور لٹائیں میاں فہیم۔ دکھ میرے لئے ہے اور سکھ تمہارے لئے۔ محنت میں کروں اور چین وہ کرے۔

۶۔ فجائیہ جملوں میں یعنی اظہار نفرت، تعجب و افسوس وغیرہ کے لئے

ترتیب بدل جاتی ہے۔ اور الفاظ تعجب وافسوس وغیرہ جملے کے شروع
میں آتے ہیں۔ جیسے لعنت ہے ایسے کام پر۔ افسوس تمہاری حالت پر!
ایسے جملوں میں فعل رابطہ اکثر محذوف ہوتا ہے۔

۷- لفظ ندا عموماً اول آتا ہے۔ لیکن زور دینے کے لئے آخر میں آجاتا
ہے۔ جیسے، تو نے ایسا کیا کیوں ظالم!۔ تیری یہی سزا ہے کم بخت!

۸- جب ضمائر شخصی ہر سہ قسم ایک جگہ ہو جائیں تو ترتیب حسب ذیل
ہوگی۔

اول ضمیر متکلم دوم ضمیر مخاطب اور سوم غائب، جیسے:۔
ہم تم مل کر چلیں گے۔ ہمیں تمہیں وہ ایک ہی سمجھتے ہیں۔ ضمیر موصولہ
ہمیشہ اول آتی ہے۔ جیسے، جو تم کہو وہی کروں گا۔

۹- ہر قسم کی صفات ان اسما سے قبل آئیں گی جن کی وہ صفت بیان کرتی
ہیں لیکن جس وقت وہ بعد میں آتی ہیں تو عموماً خبر کے طور پر استعمال
ہوتی ہیں یا زور دینے یا خصوصیت ظاہر کرنے کی غرض سے۔ جیسے، یہ
بڑا غدار شہر ہے۔ اس اجڑے گاؤں میں کیوں چلے گئے۔ وعدہ
پکا کرو۔ وہ ہمیشہ کا دکھیا ہے۔ وہ کچھ ہو بھی گئے ہیں مغرور۔
بعض اوقات زور دینے کے لئے صفت کو اسم سے علیحدہ کر کے جملے
کے آخر میں لاتے ہیں۔ جیسے، یہ جنگ ہے بڑی خوفناک اور خوں ریز
چلتے چلتے ایک بڑا پہاڑ ملا۔ ہرا بھرا اور بہت اونچا۔

۱۰- اردو، میں بدل مبدل منہ بطور صفت موصوف کے ہوتے ہیں۔
یعنی بدل اول آتا ہے۔ مبدل منہ سے جس کی وہ ایک قسم کی صفت
ہے۔ جیسے، کلو چمار آیا تھا۔ حاجی کا بیٹا شمو گیا۔ کبھی اس کے خلاف بھی ہوتا ہے

جیسے تمہارا بھائی احمد کہاں ہے۔

۱۱- ترکیب اضافی میں بعض اوقات ترتیب بدل جاتی ہے اور فارسی کا اثر ہے، جیسے، یہ قلم آپ کا ہے۔ یہ کتاب میری ہے۔

بعض اوقات مضاف الیہ اور مضاف میں فصل پڑ جاتا ہے۔ جیسے یہاں تیرا کیا کام ہے۔ تمہارا کیوں دم بھروں۔

لیکن یہ فعل وہیں تک جائز ہے کہ مطلب مبہم نہ ہو جائے۔

۱۲- تمیزی الفاظ یا فقرے۔ جیسے جلدی چلو۔ وہ شہر میں رہتا ہے۔ وہ مجھے ہر روز ستاتا ہے۔ عموماً وہ الفاظ کے قبل آتے ہیں جن سے ان کا تعلق ہوتا ہے بعض اوقات وہ فعل اور اس کے مفعول کے درمیاں آجاتے ہیں۔ عام طور پر یوں سمجھنا چاہیئے۔ کہ جوں جوں وہ ایسے الفاظ سے دور دور ہو جاتے ہیں ویسے ہی زور زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ انہیں الفاظ متعلقہ کے بعد یا افعال کے دو اجزا کے درمیان لانے سے زور پیدا کیا جاتا ہے جیسے اس کا مزاج چڑچڑا بہت ہے۔ یہ کہو تم آؤ گے کب۔ اب تمہیں چھوڑ کر جاؤں کہاں؟

لیکن جب تمیز کا تعلق کل جملے سے ہوتا ہے تو جملے کے اول آتی ہے جیسے، دفعتاً وہ چھت پر سے گر پڑا۔

۱۳- ہی، جو تمیز کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ اس کا استعمال اردو میں بہت کثرت سے ہے اور اسم، ضمیر، صفت، فعل کے ساتھ آتا ہے جیسے گھر ہی میں رہو۔ آپ ہی چلیں۔ خوب ہی برسا۔ کسی طرح جانا ہی نہیں وہ سنتے ہی چل دیا۔

ہے، کے بعد ہی آتا ہے تو اس کا تلفظ اس طرح ادا ہوتا ہے گویا

"ہ" نہیں ہے اور ہے بعد ایک ی اضافہ کردی گئی ہے۔ یعنی ہئی (ہی ہی) اب دوسرے کی فکر کرو۔

جہاں فعل کے دو جز ہوتے ہیں۔ وہاں یہ ان کے درمیان آتا ہے۔ جیسے میں تو کروں ہی گا۔ میں تو تیار ہوں پر وہ کسی طرح چلتا ہی نہیں۔

جب فعل کے ساتھ حالیہ معطوفہ ہو تو (ہی) ان دونوں کے درمیان آتا ہے۔ جیسے، آدمی کچھ کھو کر ہی سیکھتا ہے۔ اس نے مجھے سمجھ کر ہی کہا۔

۱۴۔ فعل جب مفرد ہوتا ہے تو حرف نفی ہمیشہ اول آتا ہے مگر مرکب ہونے کی حالت میں فعل کے اول نیز ہر دو جز کے درمیان دونوں طرح جائز ہے جیسے میں نہیں جا سکا۔ میں جا نہیں سکتا۔ اسے نہ جانے دو۔ اسے جانے نہ دو۔ اس کا حال کہا نہیں جاتا۔ اس کا حال نہیں کہا جاتا۔

مفرد فعل کے ساتھ کبھی نہیں کبھی بعد میں آجاتا ہے۔ جیسے، مانتا نہیں۔ اٹھو مت۔ اس میں کسی قدر تاکید پائی جاتی ہے۔

مرکب افعال کے اجزا میں زور اور تاکید کی غرض سے حرف نفی سے فصل نہیں آتا۔ بلکہ دوسرے الفاظ سے بھی اسی غرض کے لئے فصل آتا ہے۔ جیسے ہوں تو میں ایسا ہی۔ وہ ہو تو ایسا ہی گیا ہے۔

۱۵۔ (ہی) کی طرح (بھی) انھیں الفاظ کے متصل آتا ہے جن پر زور دینا مقصود ہوتا ہے۔ جیسے میرا بھی ایک بھائی وہاں نوکر تھا (یہاں صرف بھائی کی ملازمت کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کرنا مقصود ہوتا ہے اسی طرح میرا ایک بھائی نوکر بھی تھا۔ (یہاں صرف ملازمت پر بے کاری کے مقابلہ میں زور دینا مقصود ہے)

۱۶۔ (تو) بھی زور دینے کے لئے آتا ہے اور ہمیشہ اس لفظ کے بعد

استعمال ہوتا ہے۔ جس پر زور دینا مقصود ہے وہ تو ضرور آئے گا۔
مگر جب یہ لفظ شرط کے جواب میں آتا ہے۔ تو وہاں صرف جزا کے لئے آتا ہے اگر وہ آج آجائے تو بہت اچھا ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو جاؤں۔

۱۷۔ حروف عطف اور، کے، یا، پر، لیکن، مگر، جو، اگرچہ جملے کے شروع میں آتے ہیں۔ لیکن زور کے مقام پر زور دینے کے الفاظ ان سے اول ہوجاتے ہیں۔ جیسے وہ شخص اگر آیا بھی تو میں اسے منہ نہ لگاؤں گا۔ وہ اگرچہ بڑا عالم فاضل ہے۔ مگر تمیز چھو کے نہیں گئی۔

۱۸۔ مرکب جملوں میں بھی ایسا ہوتا ہے۔ کہ زور دینے کی غرض سے مابعد کا جملہ ماقبل ہوجاتا ہے۔ جیسے اس کا دل بڑا ہی سخت ہوگا۔ جس نے ایسی سزا اس غریب کو دی ہے۔

شرط کا جملہ ہمیشہ جزا سے قبل آتا ہے۔ اسی طرح وہ تمیزی جملے جو زماں و مکاں اور حالت ظاہر کرتے ہیں۔ خاص جملے سے قبل آتے ہیں لیکن اگر زور خاص جملے پر ہے۔ تو وہ اول آتا ہے جیسے یہ تو ہم اسی وقت سمجھ گئے تھے۔ جب اس نے ایسی حرکت کی تھی۔ ہمیں یہ کام اس حد تک کرنا چاہیئے۔ جہاں تک ہمارے اختیار میں ہے۔

نظم میں جملے کی معمولی ترتیب قائم نہیں رہتی۔ ضرورت شاعری کسی ترتیب کے تابع نہیں

رموز اوقاف (PUNCTUATION)

اوقاف یا وقفے ان علامتوں کو کہتے ہیں جو ایک جملے کو دوسرے

جملے سے یا کسی جملے کے ایک حصے کو دوسرے حصوں سے علٰحدہ کریں۔ ان اوقاف کا بڑا فائدہ یہ ہے۔ کہ اول تو ان کی وجہ سے نظر کو سکون ملتا ہے۔ اور وہ تھکنے نہیں پاتی۔ دوسری بات یہ ہے کہ ذہن ہر جملے یا جزو جملہ کی اصلی اہمیت کو جان لیتا ہے اور مطلب سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔

جو علامتیں وقفوں کے اظہار کے لیے استعمال کی جاتی ہے ان کے نام اور شکلیں حسب ذیل ہیں:

علامت	اُردو نام	انگریزی نام	
،	سکتہ	COMMA	چھوٹا ٹھہراؤ
؛	وقفہ	SEMICOLON	ٹھہراؤ
:	رابطہ	COLON	ملاؤ (یعنی مجمل سے مفصل کو ملانے والا)
:-	تفصیلیہ	COLON&DACH	رابطہ اور خط تفصیل بنانے والا
—	ختمہ	FUL-STOP	
؟	سوالیہ	NOTE OF INTEROGATION	
!	فجائیہ ندائیہ	NOTE OF EXCLAMATION	
{ } یا ( )	قوسین	BRACKETS	
—	خط	DASH	
" "	واوین	INVERTED COMMAS	
٧	زنجیرہ	HYPHEN	

علامتوں کا محلِ استعمال

سکتہ (،)

یہ سب سے چھوٹا وقفہ ہوتا ہے، یہ حسب ذیل موقعوں پر استعمال ہوتا ہے:۔

(۱) ایسے اسماء یا ضمائر کے بیچ میں جو ایک دوسرے کے بدل کا کام دیتے ہوں جیسے :۔ جہانگیر، ابنِ اکبر، شہنشاہ ہندوستان نے جب ......

۲۔ ایک ہی قسم کے کلمہ کے ان تین یا تین سے زائد لفظوں کے بیچ میں جو ساتھ ساتھ استعمال کئے گئے ہوں۔ (اس حالت میں جبکہ یا تو صرف آخری دو لفظوں درمیان حرف عطف یعنی و، یا اور یا حرف تردید یعنی یا آئے ہو ـــــــ)۔

(ا) حیدرآباد، میسور اور ٹراونکور جنوبی ہند کی ریاستیں ہیں۔ (اس میں تینوں الفاظ اسم ہیں)

(ب) چوری کرنا مذہباً، اخلاقاً اور رسماً برا سمجھا جاتا ہے اس کا طرز عمل جاہلانہ جاہلانہ، اور سوقیانہ ہے۔ (ان میں تینوں الفاظ متعلقات فعل ہیں)

(ج) اکبر بہت عقلمند، وسیع النظر، ہمدرد اور مدبر بادشاہ تھا (یہاں الفاظ صفات ہیں)

۳ :۔ ندائیہ لفظوں کے بعد جیسے،

(ا) جناب صدر، خواتین و حضرات۔ }
(ب) اے ماؤں بہنو بیٹیو، .... } یہاں تینوں اسم منادی ہیں)

(ج) جناب من تسلیم!

(د) میرے محب صادق، وا علیکم سلام۔

(ہ) عزیز من، بہت بہت دعا،

۴- جب ایک ہی درجے یا رتبے کے لفظ جوڑوں میں استعمال ہوں، تو ایک جوڑے دوسرے جوڑے کے درمیان سکتہ دیتے ہیں:-

دن ہو کہ رات، سفر ہو کہ حضر، خلوت ہو کہ جلوت، انسان کو چاہیئے کہ خدا کو نہ بھولے۔

۵- ایسے اجزائے جملہ کے درمیان جو تشریحی ہوں، سکتہ آتا ہے:-

یہ چبوترا ۴۰ فٹ لمبا، بیس فٹ چوڑا، پانچ فٹ اونچا ہے۔

۶- دو یا زیادہ ایک ہی درجہ کے ایسے چھوٹے جملوں کے بیچ میں جو ایک بڑے جملے کے جز ہوں:-

(ا) میں گھر سے بازار گیا، بازار سے مدرسے آیا، اب مدرسے سے گھر واپس جاتا ہوں۔

(ب) کھیلنے کے وقت کھیلو، پڑھنے کے وقت پڑھو۔

(ج) وہ کھیل کے آیا، نہایا، کپڑے بدلے، چائے پی اور سیر کو چلا گیا۔

(د) زبان بگڑی تو بگڑی تھی، خبر لیجئے دہن بگڑا۔

(ہ) نہ نو من تیل ہوگا، نہ رادھا ناچے گی۔

(۷) شرط اور جزا یا صلے اور موصول کو بیان کرنے والے سادہ جملوں کے بیچ میں:-

(ا) اگر ہم جانتے داغ جدائی، نہ کرتے اتنی الفت تم سے بھائی۔

(ب) اس کے منہ جو کوئی لگا ذلیل ہی ہوا۔

(ج) جب مطلع صاف ہو گیا اور سورج نکل آیا، تو میں اپنے گھر سے نکلا۔

(د) جس شخص نے مجھ سے، آپ سے کل باتیں کہیں، وہ زید تھا۔

۸ . ایسے سادہ جملوں کے بیچ میں جو مشتثنیٰ اور مستثنیٰ منہ کا بیان کریں۔

(ا) وہ شخص ایماندار ہے، لیکن سست۔

(ب) سارا زمانہ آیا، پر زید نہ آیا۔

(۹) جب ایک سادہ جملہ دوسرے کی توجیہ کرے، تو دونوں کے بیچ میں سکتہ آتا ہے۔

(ا) میں نہیں گیا، اس لیے کہ وہ خود ہی میرے ہاں آ پہنچا۔

(ب) اسے گھر بیٹھے نوکری مل گئی پھر باہر کیوں جاتا؟

(ج) خوب دوڑا کرو، جس سے بھوک اچھی طرح لگا کرے۔

(۱۰) جب کسی فعل کے بعد "یا" "کے" مقدر ہو تو سکتہ لگانا ضروری ہے۔

(ا) وہ چھڑی ہاتھ میں لے، نکل کھڑا ہوا۔

(ب) وہ یہ جا، وہ جا چمپت ہو گئی۔

(۱۱) جب مبتدا اور خبر کے بیچ میں کوئی حجاب نہ ہو۔ تو سکتہ ضرور ڈال دیتے ہیں۔

(ا) یہ مجموعہ وانتخاب مضامین، مطبوعہ رسالے کا نہایت عمدہ اشتہار بھی بن گیا۔

(ب) حالی، مسدس حالی کے مصنف ہیں۔

(ج) مسدس حالی کی سب سے ممتاز تصنیف ہے۔

(د) نذیر احمد کی سب سے عام پسند کتاب "مراۃ العروس ہے۔

(۱۲) عبارت اور خصوصاً شعر کی تعقید کو دور کرنے کے لیے بھی سکتہ لگاتے ہیں۔

(ا) اس زمانے میں دین کی بات میں لوگ کتنی راہیں چلتے ہیں، کتنے پہلو نکی

رسموں کو پکڑتے ہیں، کتنے، قصے بزرگوں کے دیکھتے ہیں۔ اور کتنے مولویوں کی باتوں کو جوانہوں نے اپنے ذہن کی تیزی سے نکالی ہیں، سند پکڑتے ہیں۔ اور کتنے اپنی عقل کو دخل دیتے ہیں۔

(ب) سب رقیبوں سے ہوں ناخوش، پر زنانِ مصر سے
ہے زلیخا خوش، کہ محوِ ماہِ کنعاں ہو گئیں!

(ج) تارِ ریشم کا نہیں، ہے یہ رگِ ابرِ بہار
کروں بیدادِ ذوقِ پر فشانی، عرض، کیا قدرت؟

(د) دیوار، بارِ منتِ مزدور سے، ہے خم

(و) دے مشکل ہے، حکمت، دل میں سوزِ غم چھپانے کی۔

(ز) نہیں بہار کو فرصت، نہ ہو، بہار تو ہے۔
"طراوتِ چمن و خوبی ہوا کہیے"

اور یا وغیرہ سے پہلے ہی سکتہ لگاتے ہیں۔ کہ لفظوں پر خاص طور پر زور دینا منظور ہو۔

مشق

ان جملوں میں حسب ضرورت لگاؤ۔

زید عمر اور بکر تینوں بازار گئے۔ تعریف کرنا تو درکنار وہ اور الٹے مجھ پر خفا ہوئے چونکہ دیر بہت ہو گئی تھی اور دھوپ لحظہ بہ لحظہ تیز ہوتی جاتی تھی اس لیئے ہم نے واپس ہونا ہی مناسب سمجھا، دنیا اور اس کے مناظر پہاڑ دریا نیلا آسمان دمکتے ہوئے تارے چمکتا ہوا سورج یہ سب شاعری کے موزوں ہو سکتے ہیں۔ جو کہے سو جانے۔ اے ماؤ بہنو بیٹیو دنیا کی زینت تم سے ہے۔ جسے زندگی کہتے ہیں وہ صرف کھانے پینے رہنے سہنے اٹھنے بیٹھنے شادی کرنے کا نام نہیں ہے۔ وہ تندرستی

کی تصویر تھا بالا قامت چمکتی ہوئی آنکھیں فراخ سینہ بھرے بھرے بازو۔ اس میں شک نہیں کہ جو شخص دامے درمے قدمے اپنے ابنائے وطن کی مدد کرے ہر طرح سے لائق تحسین ہے۔ لیکن جو بچارا عملی ہمدردی کے ذرائع نہیں رکھتا اور صرف ایک ہمدرد دل رکھتا ہے وہ بھی کچھ کم مستحق ستائش نہیں ہے

وقفہ (؛)

جب سکتے سے زیادہ ٹھہراؤ کی ضرورت پڑے، تو وقفہ استعمال کرتے ہیں۔ اس کا استعمال حسب ذیل موقعوں پر ہوتا ہے۔

۱۔ جملوں کے لمبے لمبے اجزاء کو ایک دوسرے سے علیحدہ کرنے کے لئے (یہاں سکتوں کے علاوہ وقفوں کا استعمال اس وجہ سے ضروری ہے۔ کہ خلط مبحث نہ ہوجائے۔ جیسے

حق یہ ہے کہ اس زمانے میں، جب کہ قومی تبلیغ نما کا پارہ ہر گھڑی گھٹتا بڑھتا رہتا ہے؛ جب کہ باوجود تعلیمی کاموں کی کثرت کے، قومی تعلیم کا کوئی صحیح خاکہ ہمارے سامنے نہیں ہے؛ جبکہ سیاسی تار و پود سارے ملک میں پھیلا ہوا ہے۔ مگر کوئی طریقہ قومی فلاح کا ایسا نہیں ہے جس پر تمام جماعتیں متفق ہو سکیں؛ جبکہ مصلحت اور اصول، چال اور صداقت، تلون اور استقامت میں اکثر مغالطہ ہو جاتا ہے جبکہ باوجود سادگی کے ادعا کے، عیش پرستی کے بہت سے چور دروازے کھلے ہوئے ہیں جب کہ باوجود ایثار و قربانی کے دعووں کے، حقیقی ایثار نفس اور ضبط النفس بہت کم نظر آتا ہے۔ نواب وقار الملک کی سیرت ایک بڑی نعمت ہے۔

۲۔ جہاں جملوں کے مختلف اجزاء پر زیادہ تاکید دینا مد نظر ہوتا ہے۔ وہاں بھی رابطے استعمال ہوتے ہیں۔

(ا) جو کرے گا، سو پائے گا، جو بوئے گا، سو کاٹے گا،

(ب) آنا، خفا آنا، جانا، تو رلا جانا
آنا ہے تو کیا آنا، جانا ہے، تو کیا جانا۔

(ج) تم روئے اور ہمارا دل بے چین ہُوا، تمہاری انگلی دکھی، تو ہمارے دل پر چوٹ لگی، مصیبتیں ہم نے بھریں، تکلیفیں ہم نے اٹھائیں، راتوں کو اٹھ اٹھ کر ہم بیٹھے، کندھے سے لگایا، چمکارا، لوریاں سنائیں، غرض کہ جان، مال سب تمہارے لئے تج دیا۔ کیا اس کا یہی صلہ ہے؟

(۳) جن جملوں کے بڑے بڑے اجزا کے درمیان ورنہ۔ لہذا۔ اگرچہ۔ چہ جائیکہ درانحالیکہ۔ لیکن اور اسی قسم کے ربط دینے والے الفاظ ہیں۔ وہاں ذہن کو سمجھنے کا موقع دینے کے لئے ان لفظوں سے پہلے وقفے کی علامت لگاتے ہیں۔
واضح رہے کہ جب مذکورہ بالا الفاظ چھوٹے چھوٹے جملوں کو ملاتے ہوں۔ تو یہ علامت نہ لگائی جائے گی۔ بلکہ سکتہ ہی کافی ہوگا۔

(ا) اگرچہ آج کل نقادان فن اس بات کو مذموم سمجھتے ہیں۔ کہ کسی خاص غرض کو پیش نظر رکھ کر، یا کسی خیال یا رائے کی اشاعت کے لئے کوئی ڈرامہ لکھا جائے۔ لیکن ہندوستان جیسے ملک میں، جہاں زندگی کا ہر پہلو قابل اصلاح ہے اور معاشرت کے ہر شعبہ میں تذبذب اور انتشار بپا ہے۔ فن کی بعض نازک، اور خیالی خوبیوں کو قربان کر سکتے ہیں، بشرطیکہ وہ سلیقے سے کیا جائے۔

(ب) چونکہ نکاح سے پہلے ہی نسبت توڑ دی گئی اور لڑکی چچا سے علیحدہ کر لی گئی۔ اس لئے ایسی شادی سے جو مذموم اور دردناک نتائج پیدا ہوتے تب ان کا موقع ہی نہیں آیا۔

(۴) جن صورتوں میں سکتہ لاتے ہیں۔ ان میں صرف ایسی حالت میں لائیں گے جب جملوں کے بعض ایسے حصوں کو ایک دوسرے سے الگ کرنا پڑے۔ جن میں اندرونی طور پر سکتہ موجود ہے۔

(ا) حیدر آباد، میسور، اور ٹراونکور، جنوبی ہند کی، بھوپال، گوالیار، اور اندور وسط ہند کی بڑی ریاستیں ہیں۔

(ب) حالی مسدس، یادگار غالب، حیات جاوید، نذیر احمد کی مراۃ العروس توبۃ النصوح، محصنات، ایامی، شبلی کی الفاروق، موازنہ، سیرت النبی، پڑھنے اور بار بار پڑھنے کے قابل ہیں۔

رابطہ (:)

اس کا ٹھیراؤ وقفے کے ٹھیراؤ سے زیادہ ہوتا ہے۔

(۱) عام طور سے اس کا استعمال وہاں کیا جاتا ہے۔ جب جملے کے کسی سابقہ خیال یا بات کی تشریح یا تصدیق کی جاتی ہے۔

(ا) سفر ہو یا حضر، دن ہو یا رات، کام ہو یا تفریح، ہمیشہ اور ہر جگہ اپنی صحت کا خیال رکھو: اگر کوئی نعمت ہے تو یہی ہے۔

(ب) کیا خوب سودا نقد ہے۔ اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے۔

(ج) یہ خاموشی کہاں تک؟ لذت فریاد پیدا کر۔

زمیں پر تو ہو، اور تیری صدا ہو آسمانوں میں
یہی آئین قدرت ہے، یہی اسلوب فطرت ہے

(د) کاوِ کاوِ سخت جانی، ہائے تنہائی نہ پوچھ
صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا:

(۵) کسی کلیے کے رسالے کے لئے یہی کافی نہیں ہے کہ وہ متفرق اور مختلف معلومات کی ایک کھتونی ہو۔ اس کا بڑا لوازمہ تحریکی قوت ہے۔ ذوق جستجو کا اشتعال دینا جودت طبع کو اکسانا یہی اس کا مہا کاج ہے۔ اس کی کامیابی کی جانچ اسی کسوٹی پر ہوتی ہے۔

(۶) انسان کو بعضے کاموں کی قدرت ہے۔ بعضے کی نہیں: وہ چل سکتا ہے؛ دوڑ سکتا ہے، مگر اڑ نہیں سکتا۔

(۲) جب کسی مختصر مقولے یا کہاوت وغیرہ کو بیان کرنا ہو، تو تمہیدی جملے اور اصل جملے کے بیچ میں نیم وقفہ یا رابطہ لاتے ہیں۔

(ا) کسی حکیم کا قول ہے: آپ کاج مہا کاج۔

(ب) بقول شاعر: عیب بھی کرنے کو ہنر چاہیئے۔

(ج) سچ ہے: گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں۔

(۳) ایسے دو جملوں کے بیچ میں رابطہ لاتے ہیں۔ جو آپس میں متقابل ایک دوسرے کی ضد ہوں، اور دونوں مل کر ایک پورے خیال کو ظاہر کریں۔ من چلتا ہے: ٹٹو نہیں چلتا۔

(۴) جب دو جملوں میں سے ایک، دوسرے کی توضیح کرے۔ مگر کوئی حرف توجیہ ان کے بیچ میں نہ ہو۔ اور دقوان کے درمیان میں رابطہ لاتے ہیں جیسے بچوں کو تنہائی میں نصیحت کرنا چاہیئے، سب کے سامنے نصیحت کرنے کا الٹا اثر ہوتا ہے۔

تفصیلیہ (:۔)

یہ علامت عام طور پر "حسب ذیل" کی ہوا کرتی ہے۔ اس کے استعمال کے موقعے یہ ہیں:۔

(۱) کسی طویل اقتباس کو یا کسی فہرست کو پیش کرتے وقت :-

(۲) مرزا غالب فرماتے ہیں :-

(ب) ہندوستان کے بڑے شہر یہ ہیں :- ا بمبئی ۲ کلکتہ ۳ حیدرآباد، ۴ مدراس۔

(۲) کسی جملے کے سابقہ اجزاء کا اعادہ کرتے وقت، یہ علامت "حاصلِ کلام یہ ہے" یا "مختصر یہ ہے" "غرضیکہ" کا کام دیتی ہے۔

سورج بادلوں سے نکل آیا تھا، گھاس پر شبنم کے قطرے ایسے معلوم ہوتے تھے، گویا سبز مخمل فرش میں ستارے جڑے ہوئے ہوں، دھوپ نکھری ہوئی تھی، پہاڑوں کا رنگ ابھی دھل کر نیلے ابر کا سا ہو گیا تھا۔ انہی مناظر کا لطف اٹھاتے ہوئے ہم اپنی گاڑی میں سوار چلے جا رہے تھے۔

(۳) جب ایک ہی جملے میں کئی باتیں مسلسل پیش کرنا ہوں۔ تو اس علامت کا استعمال کرتے ہیں۔

کچھ میری روزانہ زندگی کا حال سنو :- علی الصباح اٹھا، ضروریات سے فارغ ہو کر، نہا دھو کر ناشتہ کیا، ڈاک دیکھی، اگر موسم خوشگوار ہو گیا، تو چھڑی لے کر ٹہلنے چلا گیا، ورنہ گھر ہی میں رہا،

ناریل کے فوائد بے شمار ہیں :- اس کا تیل جلاتے ہیں، کھانے میں ڈالتے ہیں، خول سے ڈونگے بنتے ہیں۔ ریشہ رسیوں کے بٹنے کے کام آتا ہے۔ کچا ہو تو اس کا پانی پیتے ہیں۔

(۴) کسی اصول یا قاعدے کی مثال پیش کرتے وقت، جبکہ ایسے موقع پر "مثلاً" یا "جیسے کا لفظ ترک کر دیا گیا ہو۔

(۲) اسم نام ہے کسی چیز یا شخص کا! - زید، کرسی، عمر، بکر!

(ب) صرف دولت کا ہونا خوشی کی دلیل نہیں ہے:۔ قاروں کو ہی دیکھئے۔

مشق

ان عبارتوں میں حسب ضرورت سکتے، وقفے، رابطے اور تفصیلے لگاؤ:۔

(۱) ٹھنڈے دل سے سوچنے کا موقع ہے کہ اس پچاس سال میں ہم نے کیا کیا ہم کیا تھے اور اب کیا ہو گئے۔ یہ ظاہر ہے کہ اس پچاس سال میں ایک مدرسہ یونیورسٹی ہو گیا۔ جس کی ابتدا چند طالب علموں سے ہوئی تھی۔ اور اب نوبت ہزاروں تک پہنچ گئی ہے۔ جہاں چند مکان تھے۔ وہاں اب عالیشان عمارتوں کا سلسلہ ہے ایک ویران کھنڈر لہلہاتا ہوا باغ ہے۔ ایک غیر معروف مقام علم و فضل کا مرکز بن گیا ہے۔ جس پر تمام مسلمانوں کی آنکھیں لگی ہوئی ہیں۔

(۲) اگر تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو یہ شہر بھی عجیب و غریب نظر آتا ہے۔ زمانہ قدیم سے مضبوط آفاق اور مرجع خلائق رہا۔ کبھی راجاؤں مہاراجاؤں کی راجدھانی کبھی سلاطین اسلام کا دارالخلافہ کبھی طغیانی کی بدولت بہہ کر خراب اور رفتہ رفتہ پھر آباد ہوا۔ کبھی معرکۂ جنگ، وجدل و قتلِ عام ہے، کبھی گھر گھر دن عید اور رات شبرات ہے، کبھی مدنظر شاہان و مرجع کمال ہے۔ کبھی ایک مطلق العنان سودائی کی لٹک سے خاصا کھنڈر ہے۔ کبھی مورد بلیات ہے۔ کبھی منزل برکات و حیات غرض یہ نگری یوں ہی اجڑتی۔ بستی۔ بنتی اور بگڑتی رہی۔

(۳) کسی سفر کے حالات لکھنا اور سفر نامے کو مفید و دلچسپ بنانا دراصل ایسے آدمی کا کام ہے۔ جو کافی علم اور وسیع معلومات رکھتا ہو۔ اور اس میں ایسی قابلیت موجود ہو کہ جو دلچسپ اور حیرت انگیز چیز اس کی نظر سے گذرے یا جو کچھ وہ سُنے کامل غور کے بعد اس سے مفید تجربات و نتائج حاصل کرے

دلنشیں انداز میں ادا کر سکے

۴۔ جانِ غالب تمہارا خط پہنچا۔ غزل اصلاح کے بعد پہنچتی ہے۔ ع

ہر ایک سے پوچھتا ہوں وہ کہاں ہے

مصرعہ بدل دینے سے شعر کس رتبے کا ہو گیا ہے۔ اے میرے مہندی تجھے شرم نہیں آتی ع میاں یہ اہل دہلی کی زبان ہے۔ ارے اب اہل دہلی یا ہندو ہیں یا حرفہ ہیں یا خاکی ہیں یا پنجابی ہیں یا گورے ہیں۔ ان میں سے تو کس کی زبان کی تعریف کرتا ہے۔

(۵) جب کبھی تم کسی کام کے کرنے سے ہچکچاؤ، کاہلی سبز باغ دکھائے۔ آرام طلبی پر جائے تو کسی بزرگ کا مقولہ یاد کر لیا کرو۔ کار امروز بفردا مگزار۔

ختمہ (سلہ)

یہ علامت مکمل جملے کے خاتمہ پر لگائی جاتی ہے۔ جہاں ٹھہراؤ بھرپور ہوتا ہے۔ دنیا دار العمل ہے۔ جب طبیعت خراب ہو تو کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ محففات کے بعد بھی یہ علامت لگا دیتے ہیں۔ جیسے۔ سی۔ آئی۔ اے۔ پی۔ اے۔

سلہ ایرانی تحریروں میں پورا وقفہ (FULSTOP) انگریزی کی طرح نقطے سے ظاہر کرتے ہیں۔ لیکن زبانوں میں حروف منقولہ کی کثرت ہو۔ جہاں یہ علامت التباس پیدا کرتی ہے۔ اس کیلئے چھوٹا خط (-) اردو میں بہت عرصے سے استعمال کیا جا رہا ہے۔ انگریزی (DASH) کو ہم نے خط کہا ہے۔ اور (FULSTOP) کو "ختمہ"

حرف انگریزی کے مخففات کے بعد عربی کے مخففات کے بعد اکثر نہیں لگاتے، ص، صلعم، ؒ، رض، یوں ہی لکھے جاتے ہیں۔ جب ایک سے زیادہ مخففات ایک ہی سلسلے میں لکھے جائیں۔ تو ہر مخفف کے بعد سکتہ کی علامت دینی چاہیئے۔

ڈاکٹر محمد اقبال۔ ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ ڈی، بیرسٹرایٹ لا ہز اگزالٹڈ ہائی نس میر عثمان علی خاں بہادر۔ جی۔ سی۔ ایس آئی۔ جی۔ سی۔ بی۔ ای

واوین " "

جب کوئی اقتباس دیا جاتا ہے۔ یا کسی کا قول اسی کے الفاظ میں نقل کیا جاتا ہے تو اس کے اوّل وآخر یہ علامت لگائی جاتی ہے۔

اس نے جواب دیا" میں کل دس بجے یہاں پہنچوں گا" مولانا حالی میر صاحب کے اس شعر کے متعلق لکھتے ہیں:۔

اب کے جنوں میں فاصلہ شاید ہی کچھ رہے
دامن کے چاک اور گریباں کے چاک میں

"میر نے باوجود غایت درجے کی سادگی کے ایسے مبتذل اور پامال مضمون کو اچھوتے نرالے اور دلکش اسلوب میں بیان کیا ہے"

فجائیہ (!)

یہ ان الفاظ یا جملوں کے بعد لگائی جاتی ہے۔ جن سے کوئی جذبہ ظاہر ہوتا ہے:۔ جیسے غصہ۔ حقارت، استعجاب، خوف وغیرہ۔ جذبے کی شدت کی مناسبت سے ایک سے زیادہ علامتیں بھی لگا دیتے ہیں۔

اوفوہ! سخت تکلیف ہے۔ معاذ اللہ! بس صاحب بس!! وہ رحم!

اس کی امید فضول ہے۔

ہیں، اور بزم مے سے تشنہ کام آؤں!

سوالیہ (؟)

سوالیہ جملے کے آخر میں لگائی جاتی ہے:۔ کیا ہے؟ کس کی باری ہے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ آپ مجھ سے کل صبح باغ عامہ میں ملاقات کریں؟

خط (—)

(۱) یہ علامت جملہ معترضہ کے پہلے اور آخر میں لگائی جاتی ہے:۔

میری رائے۔ اگرچہ میں کیا اور میری رائے کیا۔ تو یہ ہے کہ آپ اس سے دست بردار ہو جائیں۔

(۲) جب کوئی لفظ کسی سابقہ کی تشریح اور تبادلے میں لکھے جائیں، تو بھی یہ علامت لگاتے ہیں۔

سارا مکان۔ اینٹ، چونا، سامان، لکڑیاں۔ سب جل کر خاک سیاہ ہو گیا۔

زید — نہ صرف زید بلکہ اس کا سارا خاندان — ان ہی بزرگ کا معتقد ہے۔

قوسین ( )

یہ علامت خط (—) کی طرح جملہ معترضہ کے پہلے اور آخر میں لگائی جاتی ہیں۔

میرا گھر (یعنی مکان کا وہ حصہ جس میں سکونت ہے) بوسیدہ ہو گیا ہے۔
(یہ لکھنے والے کی مرضی ہے کہ خواہ قوسین استعمال کرے یا خط)

ہدایات:۔ قوسین کے استعمال کرنے اس بات کا بہت خیال رکھنا چاہیے کہ ان کے لانے سے عبارت بے ربط نہ ہو جائے۔ بہت سے لکھنے والے اس کی پرواہ نہیں کرتے؛ اور آجکل ایسے اکھڑے ہوئے جملے بہت دیکھنے میں آتے ہیں۔

(الف) محمود علی صاحب (جن کے بڑے بھائی الہ آباد میں تحصیلدار ہیں) کو میں نے کل موٹر پر جاتے دیکھا۔

(ب) حکیم احمد حسین خاں صاحب (جو محلے میں رہتے ہیں اور بڑے حاذق طبیب ہیں) سے میں نے رجوع کیا۔

(ج) مبارک علی میاں (جو کل آپ سے ملنے آئے تھے) کے پاس ایک اعلیٰ درجے کی بندوق ہے۔

ان جملوں میں قوسین کا استعمال اس طرح ہونا چاہیے تھا:۔

(الف) محمود علی خاں صاحب کو جن کے ... ہیں) میں نے .....

(ب) حکیم احمد حسین خاں صاحب سے (جو اردو محلے ...... طبیب ہیں) میں نے رجوع کیا۔

(ج) مبارک علی میاں کے پاس (جو کل آپ سے ملنے آئے تھے) ایک بڑی اعلیٰ درجہ کی بندوق ہے۔

زنجیرہ (۷)

یہ علامت ان مرکب الفاظ کے اجزا کے درمیان لگائی جاتی ہے۔ جن کے

متعلق یہ خیال ہوتا ہے۔ کہ بغیر اس علامت کے وہ علیحدہ علیحدہ الفاظ سمجھے جائیں گے خاص طور سے علوم کی مرکب اصطلاحوں میں اس کا لگانا ضروری ہے۔

اردو میں اور علامتیں مثلاً: سکتہ، وقفہ، سوالیہ، فجائیہ، وغیرہ تو بہت عرصے سے استعمال کی جارہی ہیں؛ لیکن زنجیرے کا استعمال اب تک نہیں کیا گیا۔ حالانکہ مرکبات لفظی کے اظہار کے لئے اس کی بہت ضرورت ہے۔ خاص طور پر آجکل، جبکہ انگریزی علوم کا ترجمہ ہورہا ہے۔ اور مرکب اصطلاحیں کثرت سے بن رہی ہیں، اس علامت کا اظہار بہت ضروری ہے۔ اب تک ہماری زبان کے مرکبات زیادہ تر سالم الاجزا ہوتے ہیں؛ مثلاً گل بدن، نازک خیال، رنگین بیان وغیرہ: یعنی ان کا ہر جز ایک سالم لفظ ہوا کرتا تھا۔ لیکن آج کل ایسی علمی اصطلاحیں کثرت سے بن رہی ہیں جن کا جزاول سالم نہیں بلکہ اکثر مخفف ہوتا ہے، جیسے: ۔ نفس ۔ مرضیاتی (نفسی ۔ مرضیاتی) جو (PSYCHO-PATHOLOGICAL) کا ترجمہ ہے، یا جیسے ہند ۔ آریائی، جو (INDO-ARYAN) کا ترجمہ ہے انگریزی زبان میں بے شمار الفاظ اور اصطلاحات ایسی نظر آتی ہیں جو اگر HYPHEN کا استعمال نہ ہوتا۔ تو نہ بن سکتیں۔ اگر اردو میں بھی اس کا استعمال عام ہوجائے تو وضع اصطلاحات کی ایک بڑی دقت رفع ہوجائے۔ مثلاً ایک طبی اصطلاحات لیجئے PENUMO-BASTRIC ۔ PENUMO یعنی شش یونانی لفظ (PENUMONOS) سے لیا گیا ہے۔ اور GASTRIC یونانی لفظ GASTERROS کی صفت ہے۔ بہ معنی (متعلق بہ معدہ) ان دونوں کو ملاکر ایک نیا مرکب لفظ (PANUMO-GASTRIC) بنالیا گیا۔ یعنی جو شش اور معدے دونوں سے علاقہ رکھتی ہے۔ اردو میں اس کا ترجمہ متعلق بہ شش و معدہ کرسکتے ہیں۔ لیکن ظاہر ہے۔ کہ یہ اصلاح نہیں ہے۔ اگر ہم

زنجیرے کا استعمال کریں۔ تو اسی اصطلاح کا ترجمہ ششں ۷ معدی" کر سکتے ہیں جس میں "متعلق بہ" کا مفہوم ایک علامت سے ظاہر ہوتا ہے۔ دوسری مرکب اصطلاحات جیسے ANGLO-INDIAN. ELECTRO-MAGNETIC
RUSSO-JAPANESE وغیرہ سب اسی قول کے مصداق ہیں ان کے ترجمے علی الترتیب انگریز ۷ ہندی، روسی ۷ جاپانی برق ۷ مقناطیسی ہوں گے۔ اگر یہ علامت استعمال نہ کی جائے، یا تو کوئی لفظ زنجیرے کی جگہ لے گا، یا مرکب کے اجزا علیحدہ علیحدہ الفاظ سمجھے جائیں گے، اور التباس ہے، ہمارا خیال ہے۔ کہ صرف اسی ایک علامت کا صحیح استعمال وضع اصطلاحات کی ایک بڑی دقت دور کر سکتا ہے۔ ہم نے اسے اس علامت سے (۷) اس لئے ظاہر کیا۔ کہ وصل کا مفہوم واضح ہو جائے۔ دوسری بات یہ ہے۔ کہ انگریزی (-) HYPHEN ہمارے یہاں پورے وقفے کے لئے استعمال ہوتا ہے، اس لئے کسی اور علامت کی ضرورت تھی۔

ہند ۷ آریائی زبانیں (یعنی وہ زبانیں جو ہندی اور آرین دونوں زبانوں سے بنی ہیں۔

روسی ۷ جاپانی صلح نامہ (جو روس اور جاپان کے مابین ہوا ہے)

طبی ۷ نفسیاتی (جو علم طب اور نفسیات دونوں سے متعلق ہے)

ے ۷ بناتی (جو علم حیوانات اور نباتات دونوں سے متعلق ہے)

مق ۷ برقی (مقناطیسی + برقی)

مور ۷ پنکھیا (مور + پنکھ

کل ۷ ہندی (ALL-INDIA

مشق

حسب ضرورت خط، قوسیں، واوین اور زنجیرہ لگاؤ۔

انگریز ہندی قوم وہ قوم ہے جو ہندی اور انگریزی خون کے اختلاط سے پیدا ہوئی۔ یہ لوگ اس میں شک نہیں۔ کہ ہندوستان میں رہتے ہوئے انھیں کئی قرن ہونے کو آئے۔ اب تک زبان، اطوار اور عادات کے لحاظ سے خود کو باطنًا نہیں تو ظاہرًا ہی انگریزی الاصل سمجھتے ہیں۔

آدمی کو چاہیئے۔ کہ خواہ کچھ بھی ہو جائے۔ خواہ جان ہی کا زیان کیوں نہ ہو لیکن صداقت پر قائم رہے۔ کسی فلسفی کا قول ہے" صداقت ہی انسان کا اعلیٰ ترین جوہر ہے۔

تحت لسانی عصب وہ عصب ہوتا ہے۔ جو ہماری زبان کے نیچے سے ہو کر گذرتا ہے۔

مشق

حسب ذیل عبارتوں میں اوقاف کا استعمال کرو۔

۱۔ ناظرین کو معلوم ہے کہ میں نکتہ چیں ہوں مدح سرا نہیں۔ میرا دستور العمل یہ ہے:۔

قصیدہ کار ہوس پیشگاں بود عرفی!!
تو از قبیلۂ عشقی وظیفہ ات غزل است

حق گوئی کی راہ میں عموماً دو قوتیں مانع ہوتی ہیں دولت وطاقت اور ذاتی تعلقات وابستگی اتنے زمانے میں احباب کم از کم اس کا تو اندازہ کر چکے ہیں۔ کہ الحمدللہ یہ دونوں پتھر میری راہ میں حائل نہیں ہو سکتے۔ ہم کعبہ وہم بت کدہ سنگ رہ ما بود رفتیم وصنم بر سر محراب شکستیم!!

وزارت و لیاقت و حکومت و اقتدار کے مقابلے میں جو کچھ اپنا حال ہے
محتاج بیان نہیں۔ زبان اور قلم دونوں اس کا جواب دے سکتے ہیں۔ رہے
ذاتی تعلقات تو آپ دیکھ رہے ہیں کہ یونیورسٹی فونڈیشن کمیٹی کے پچھلے اجلاس کے
واقعات میرے لئے پرانے اشکال تھے۔ میں کچھ دنوں تک خاموش رہا۔ اور پھر دیکھا
تو معلوم ہوا کہ تعلقات کا مسئلہ نہیں۔ بلکہ عقیدے اور رائے کا سوال ہے۔ تعلقات
کے ایسے نازک وقت کی حقیقت ہے۔ اس راہ میں تو زنجیریں بھی ٹوٹ جاتی ہیں۔ پس جو
کچھ میری ذاتی رائے تھی۔ بلاتامل حوالہ قلم کردی، دوستی کیا چیز ہے۔ ہمارے خون اور
رشتہ داریوں کو بھی حق اور عقیدے کے سامنے ہیچ ہو جانا چاہیئے۔ زمانہ پر آشوب ہے
حق اور راستی کی مظلومی کس درجہ دردانگیز حد تک پہنچی ہوئی ہے۔ کوئی نہیں جو خدا کی
خوشنودی کی خاطر اس کے چند بندوں کا غصہ جھیل لے۔ اور پھر کوئی نہیں جو اپنے قول
کی عزت کے لئے اپنے عمل کو بھی قابل عزت بنائے۔ ہر دعوی دلیل سے محروم
ہر قول عمل کا مخالف اور ہر سفیدی نمائش اور نفاق کی سیاہی سے آلودہ تعریف کی
خواہش سے دماغ مخبوط ہو رہے ہیں۔ حالانکہ جو لوگ دنیا سے بقول شاعر تعریف
و مدح مانگتے ہیں۔ اور ایسے لوگ بہت زیادہ ہیں۔ ان کو پہلے بتلانا چاہیئے کہ اس
کے لئے انہوں نے کیا لکھوایا ہے۔

(۲) برخوردار کامگار میر مہدی قطعہ تم نے دیکھا سچ مچ میرا حلیہ ہے۔ واہ اب
کیا شاعری رہ گئی ہے جس وقت یہ قطعہ میں نے وہاں کے بھیجنے کے واسطے لکھا
ارادہ تھا کہ خط بھی لکھوں لڑکوں نے بتایا۔ کہ دادا جان چلو کھانا تیار ہے۔ ہمیں بھوک لگی
ہے۔ نہیں خط اور لکھے ہوئے تھے۔ میں نے کہا۔ کہ اب کیا لکھوں۔ امی کاغذ کو لفافے
میں رکھ کے بند لگا، سرنامہ لکھ کلیان کے حوالے کر گھر میں چلا گیا۔ اور ہاں ایک چھیڑ بھی
تھی۔ کہ دیکھوں میرا میر مہدی خفا ہو کے کیا باتیں بناتا ہے۔ سو وہی ہوا۔ تم نے جلے

پھپھولے پھوڑے۔ لو اب بتاؤ کیا لکھوں۔

۳:۔ میں سادہ دل آزردگی یار سے خوش ہوں۔ یعنی سبق، شوق مکرر نہ ہوا تھا۔ پیر و مرشد خفا نہیں ہوا کرتے۔ یوں سننا مجھے باور نہ آیا۔ یہاں تک تو مورد عتاب نہیں ہو سکتا جھگڑا استعجاب پر ہے۔ محل استعجاب وہ ہے کہ آپ کا دوست کہتا ہے۔ اولیا کا یہ حال ہے۔ کہ وائے بر حال ہم اشقیا کی یہ حکایت ہے شکایت نہیں۔ دنیا داری کے لباس میں فقیری کر رہا ہوں۔ لیکن فقیر آزاد نہ شیاد کیا۔ ستر برس کی عمر ہے بلا مبالغہ کہتا ہوں، ۷ ہزار آدمی نظر سے گزرے ہوں گے زمرۂ خواص میں سے عوام کا شمار نہیں دو مخلص صادق الولاد یکھے ایک مولوی سراج الدین دوسرا منشی غلام غوث۔

۴:۔ دیکھنے کو آنکھ دی اور سننے کو یہ کان دیئے ناک بنی اونچی سب میں کر دی۔ مورتوں کو جی دان دیئے مٹی کے باسن کو اتنی سکت کہاں جو اپنے کمہار کے کرتب کچھ بتا سکے۔ سچ ہے جو بنایا ہوا ہو سو اپنے بنانے والے کو کیا سراہے۔ اور کیا کہے یوں جس کا جی چاہے پڑا بکے سر سے لگا پاؤں تک جتنے رونگٹے ہیں جو سب کے سب بول اٹھیں اور سراہا کریں اور اتنے برسوں اسی دھیان میں رہیں جتنی ساری ندیوں میں ریت اور پھول پھلیاں کھیت میں ہیں تو بھی کچھ نہ ہو سکے۔

عروض

عروض وہ مشہور فن ہے۔ جس سے اشعار کا وزن معلوم ہوتا ہے عروض کا موجد عرب کا ایک عالم ادب خلیل ابن احمد مکی ہے۔ جس کی وفات ۱۷۰ھ میں ہوئی ہے۔ اس نے پندرہ وزن قرار دیئے۔ اور ہر وزن کا نام بحر رکھا، اس کے بعد بحروں میں اضافہ ہوتا رہا۔

وزن

وزن عروضیوں کی اصطلاح میں دو کلموں کی اصطلاح و حرکات و سکنات برابر ہونے کا نام ہے۔ حرکات اور حروف کا اختلاف ہو تو حرج نہیں ہے۔ جیسے احسان اور صندوق ہم وزن ہیں۔ یعنی جتنی حرکتیں اور سکون ایک میں ہیں اتنے ہی دوسرے میں ہیں۔ گو دونوں کی حرکتیں مختلف ہیں۔

بحر

بحر ان چند موزوں کلموں کا نام ہے جن پر شعر کا وزن ٹھیک کرتے ہیں، شعر میں موسیقی اور ترنم جس قدر ہوا اسی قدر بحر عمدہ ہوگی۔ ورنہ بہت سی ایسی بحریں ہیں جو ان دونوں سے معرا ہیں، اس وجہ سے رائج مقبول نہیں ہوئیں۔

ارکانِ بحر

بحر جن اجزا (ٹکڑوں) سے بنتی ہے۔ ان کو ارکان یا افاعیل یا اشتال کہتے ہیں اور ہر جز کو "رکن"

تقطیع

کسی شعر کے اجزا کو بحر کے ارکان پر وزن کرنے کو کہتے ہیں۔ اسی طرح کہ ساکن کے مقابل ساکن اور متحرک کے مقابل متحرک حرف ہو، مثال آگے بیان ہوگی۔

اجزائے ارکان

ارکان (رکنوں) کے ٹکڑوں اجزا یا اصول کہتے ہیں۔ رکن جن اصول یا اجزا سے بنتا ہے وہ تین ہیں:۔ سبب، وتد، فاصلہ۔ مگر سبب و وتد کافی ہیں دو حرفی کا سبب۔ اور کثرفی (سہ حرفی) کا نام وتد ہے۔ پہلا حرف متحرک اور دوسرا ساکن ہوگا۔ جیسے سر، بر تو سبب خفیف ہے۔ اور دوسرا بھی حرکت وار ہے تو سبب ثقیل جیسے سر، دل، اضافت کی حالت میں، ورنہ اردو میں متحرک آلاخر لفظ نہیں ہوتا پہلا اور دوسرا متحرک اور تیسرا ساکن ہے تو "وتد مجموع" ہے جیسے قلم اور درمیانی ساکن ہے تو وتد مفروق ہے جیسے مشق، اضافت کی حالت میں۔

ارکان

ان دونوں اصولوں سے سات ارکان بنتے ہیں۔ جنہیں افاعیل ہفت گانہ کہتے ہیں۔ دو پنج حرفی۔

(۱) فعولن (۲) فاعلن، ایک کا جز اول سبب ہے۔ دوسرے کا وتد وتد پہلے ہے تو فعولن ہوگا اور سبب پہلے ہے تو فاعلن۔

ست حرفی، یہ پانچ ہیں:۔ (۱) مستفعلن (۲) مفاعلین۔ ان دونوں میں ایک ایک وتد اور دو دو سبب خفیف ہیں۔ اوّل میں سبب مقدم اور وتد موخر ہے دوسرے میں اس کے برعکس (۳) فاعلاتن (۴) متفاعلن (۵) مفعولات

فاعلاتن میں اوّل آخر سبب ہے اور بیچ میں وتد۔ پانچویں میں دو سبب مقدم ہیں اور ایک سبب مفروق۔ چوتھے رکن میں اول سبب ثقیل دوسرا جز سبب خفیف تیسرا جز وتد مجموع۔

خلیل کا خیال ہے کہ انہیں بحروں میں تمام عروض منحصر ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں۔ بحروں میں بہت اضافہ ہوا اور ہو سکتا ہے۔ افاعیل ہفت گانہ کے علاوہ ایک اور مشہور رکن مفاعلتن ہے مگر مروج نہیں۔

اسما و شمار بحور

کل مشہور بحریں جو ان ارکان سے بنتی ہیں۔ ان کو یاد رکھنے کے لئے یہ قطعہ بہتر ہے:۔

"رجز، خفیف، رمل، منسوخ، دگر مجتث بسیط دوافر ادکا کامل ہزل طویل و مدید"

"شاکل و متقارب، سریع و مقتضب است
مضارع و متدارک، قریب نیز جدید"

۱۔ رجز۔ مستفعلن	آٹھ بار	سالم
۲۔ ہزج۔ مفاعیلن	" "	"
۳۔ کامل متفاعلن	" "	"
۴۔ رمل۔ فاعلاتن	" "	"
۵۔ متقارب فعولن	" "	"
۶۔ متدارک فاعلن	" "	"

یہ بحریں ایک رکن کی تکرار سے بنتی ہیں۔ وافر جو مفاعلتن کی تکرار سے

بنتی ہے۔ ترک کی گئی کہ رائج نہیں ہے۔

یہ پانچ بحریں دو رکنوں کے تکرار لانے سے بنی ہیں:-

۱- خفیف:- فاعلاتن۔ مستفعلن۔ فاعلن
۲- سریع:- مستفعلن۔ مستفعلن۔ مفعولات } یہ دونوں مسدس ہی مستعمل ہیں۔

۳- مجتث:- مستفعلن۔ فاعلاتن، مستفعلن۔ فاعلاتن۔

۴- مضارع:- مفاعیلن فاعلاتن، مفاعیلن۔ فاعلاتن

۵- منسرح:- مستفعلن۔ مفعولات، مستفعلن مفعولات۔

(یہ بحریں مسدس اور سالم مستعمل نہیں ہیں۔ کسی بحر میں چھ ارکان سے کم اور آٹھ سے زیادہ نہیں ہوتے۔ چھ والی کو مسدس (چھ رکنی) اور آٹھ رکن والی کو مثمن (آٹھ رکنی) کہتے ہیں۔ چھ رکنی بحر کا ایک مصرعہ تین رکن کا اور آٹھ رکنی کا ایک مصرعہ چار رکن کا ہوتا ہے..... یہ قاعدہ اکثریہ ہے نہ کلیہ۔

زحاف

عروض کی اصطلاح میں زحاف اس تغیر کو کہتے ہیں جو شعر کے رکن یا ارکان میں ہو۔ ارکان اگر اشعار میں اپنی اصلی صورتوں پر ہیں۔ تو بحر کو سالم کہیں گے۔ مگر سالم بحریں کم مروج ہیں اور جن کے کسی رکن یا ارکان میں تغیر ہوگا۔ اسے مزاحف کہتے ہیں یعنی "زحاف والی"

زحاف سے ارکان میں چودہ (۱۴) صورتیں پیدا ہوتی ہیں اور زحاف کی تین صورتیں ہیں:-

(۱) اضافہ یعنی کسی حرف کی زیادتی۔

(۲) کمی، ایک یا ایک سے زائد حرفوں کا گرا دینا۔

۳:- ساکن حروف کو متحرک کرنا۔

زحاف یوں تو چالیس اکتالیس ہیں، مگر مروج اردو میں بیس لکھے جاتے ہیں۔ ان میں سے بعض کئی رکنوں میں آتے ہیں۔ اور بعض صرف ایک رکن میں۔ ایک رکن میں آنے والے یہ چار ہیں۔

خاص زحاف

۱۔ ثلم (بفتح ثا و سکون لام) فعولن سے (ف) کو گرانا بس عولن رہ جاتا ہے۔ اس کی جگہ "فعلن" مستعمل ہے۔ ایسے کام کو ثلم کہیں گے۔

۲۔ جب (بفتح جیم وتشدید ہائے موحدہ) رکن کے آخر میں سے دو سبب خفیف گرانا۔ جیسے مفاعلن میں سے (عیلن) دور کیا تو "مفا" رہا۔ اس کی جگہ "فعل" لاتے ہیں۔ زحاف شدہ رکن "مجبوب" کہلاتا ہے۔

۳۔ خرم (بفتح خاد و سکون را) عیان میں سے میم دور کرنا۔ پس فاعیلن رہا۔ اس کی جگہ مفعولن لاتے ہیں۔ اور رکن کا نام اخرم ہے۔ یہی زحاف فعولن میں ثلم ہے۔

۴:- کشف (بفتح کاف و سکون شین) مفعولات کی "ت" دور کرنا پس "مفعولا"۔ اس کی جگہ مفعولن کہیں گے۔ خرم اور کشف دونوں کے بعد مفعولن رہتا ہے، یہ زحاف انہیں ارکان کے ساتھ مخصوص ہیں۔

عام زحاف

جو زحاف کئی رکنوں میں آتے ہیں وہ گیارہ ہیں:-

۱۔ اذراء (بکسر الف و ذال مفتوح) رکن کے آخر میں وتد مجموع ہو تو آخری

حرف سے پہلے الف زیادہ کرنا، جیسے مستفعلن سے مستفعلان ایسے رکن یا بحر کو "مذال" کہتے ہیں۔

(۲) تسبیغ، (اس کا نام اردو میں اضافہ رکھتے ہیں کیونکہ یہ لفظ بہت ثقیل ہے) رکن کے آخر میں سبب خفیف ہو تو اس میں الف زیادہ کرنا (ازالہ اور اضافہ دونوں ایک ہیں، مگر وہ وتد میں ہوتا ہے اور یہ سبب خفیف میں) مثلاً فاعلاتن میں فاعلاتان، اس کی جگہ اس کا ہم وزن فاعلیان لاتے ہیں۔ اس رکن یا بحر کو مسبغ کہتے ہیں اور ہم مضاف کہیں گے

نوٹ:۔ یہ دو زحاف مصرع کے آخری رکن میں آتے ہیں۔

۳:۔ حذذ (حائے حطی و ذال معجمہ) وتد مجموع کو آخر رکن سے گرانا جیسے فاعلن سے علن گرایا تو حرف "فا" رہا۔ اس کی جگہ فع لاتے ہیں۔ اور رکن کو "احذ" (بہ تشدید ذال) کہتے ہیں۔

۴:۔ حذف (بفتح حا ذال معجمہ ساکن) آخر رکن سے ایک سبب خفیف دور کرنا جیسے فعولن سے لن گرایا (فعو) رہا، اس کی جگہ "فعل" لائیں گے۔ اس رکن یا بحر کو محذوف کہیں گے،

۵۔ خبن (خائے مفتوح بائے ساکن) رکن کے اول میں سبب خفیف ہو۔ تو اس کا دوسرا حرف گرانا جیسے فاعلن سے الف گرایا فعلن رہا۔ یہ رکن "مخبون" ہوا۔

۶۔ طی۔ (طائے مفتوح و یائے تحتانی مشدد) رکن کے آخر میں دو سبب خفیف ہوں تو چوتھا حرف گرانا۔ جیسے۔ مستفعلن سے (ف گرایا تو "مستعلن" رہا اس کی جگہ "مفتعلن" لاتے ہیں۔ اور یہ رکن "مطوی" کہلاتا ہے۔

۷۔ قصر (قاف مفتوح و صاد مہملہ ساکن۔ رکن کے آخر سبب خفیف میں سے ساکن حرف کو دور اور ما قبل کو ساکن کرنا جیسے مفاعیلن میں سے "ن" گرایا اور

لام کو ساکن کیا تو فعاعیل رہا۔ یہ رکن "مقصور" ہوا۔

۸۔ قطع، رکن کے آخر میں وتد مجموع ہو تو اس کے آخر حرف کو گرا کر ما قبل کو ساکن کرنا۔ جیسے فاعلن میں سے "ن" گرا کر "ل" کو ساکن کیا۔ تو فاعل رہے گا۔ اس کی جگہ فعلن لاتے ہیں۔ اور رکن کو مقطوع کہتے ہیں

۹۔ قبض۔ (رکن مقبوض) پانچواں ساکن حرف سبب خفیف میں کا گرانا جیسے فعولن میں سے "ن" گرا تو فعول رہا (بضم لام)

۱۰۔ کف، (کاف مفتوح، ف مشدود) اور رکن مکفوف، ساتویں ساکن حرف کو دور کرنا، جیسے، مفاعیلن میں سے "ن" گرایا تو مفاعیل رہا (بضم لام)

۱۱۔ وقف (واؤ مفتوح قاف ساکن) اور رکن موقوف) آخر رکن میں وتد مفروق ہو تو اس کے آخری متحرک کو ساکن کرنا جیسے "مفعولات" کی "ت" کو ساکن کر دینا۔

ایک بحر اور ایک رکن میں کئی زحاف بھی واقع ہوتے ہیں۔ اس صورت میں ان کا نام دو تین ناموں سے مرکب ہوتا ہے۔ مثلاً ایک رکن میں خبن اور قطع ہے۔ تو اسے مخبون کہیں گے۔

مرکب زحاف

عروضیوں نے رکن میں ایک سے زائد زحاف کے جمع ہونے کا بھی دوسرا نام رکھ لیا ہے۔ یہ مرکب زحاف حسب ذیل پانچ ہیں:۔

۱۔ خرب، (خاء مفتوح و راء ساکن) مفاعیلن میں خرم اور کف کے اجتماع کا نام ہے خرم کی وجہ سے میم اور کف کے سبب سے "ن" گرایا۔ فاعیل (بضم لام) رہا۔ اس کی جگہ مفعول لاتے ہیں اور ایسے رکن یا بحر کو اخرب کہتے ہیں۔

۲۔ شتر، (شین معجمہ مفتوح، تائے فوقانی ساکن) رکن اشترا خرم اور قبض کے اجتماع کا نام ہے۔ مثلاً رکن مذکور میں خرم سے م اور قبض سے ی، گر گئی۔ تو فاعلن رہا۔

۳۔ شکل، (شین مفتوح، ک، ساکن، رکن شکول) کف اور خبن کے اجتماع کا نام ہے۔ مثلاً فاعلاتن میں سے دوسرا اور ساتواں حرف یعنی لام اور نون گرا یا فعلات (بہ کسر عین وضم تاء) رہا۔

۴۔ کسف (کاف مفتوح وسین۔ مہملہ ساکن، رکن مسکوف) وقف اور کف کا اجتماع کسف ہے۔ مثلاً مفعولات کی ت، کی حرکت وقف سے اور خود "ت" کف کی وجہ سے دور ہوئی تو مفعولا رہے گا۔ اس کی جگہ مفعولن لاتے ہیں

۵۔ ہتم (ہائے مہملہ مفتوح وتائے فوقانی ساکن رکن وبحر اہتم) یہ حذف اور قصر کے اجتماع کا نام ہے، مثلاً مفاعیلن میں سے پہلے تو حذف کی وجہ سے دور ہوئی۔ مفاعی رہا، پھر قصر سے ی، دور ہوا، ع، ساکن کیا گیا۔ تو مفاع، رہا۔ اس کی جگہ "فعول" بسکون لام بولیں گے۔ اردو شاعری کے لئے اتنے زحاف کا بیان کافی ہے۔

تقطیع

شعر کا موزوں اور غیر موزوں ہونا تقطیع ہی سے معلوم ہوتا ہے۔ شعر کے اجزا کو بحر کے ارکان پہ وزن کرنے کا نام تقطیع ہے۔ اس کے اصل معنی پارہ پارہ کرنا ہیں۔ چونکہ ارکان بحر سے ہم وزن کرنے کے لئے الفاظ شعر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جاتے ہیں اسی سبب سے یہ نام رکھا گیا۔ تقطیع میں ساکن کے مقابل ساکن اور متحرک کے مقابل متحرک کا آنا ضروری ہے خواہ الفاظ کلمات ثابت رہیں یا نہ رہیں

تقطیع کے چند قاعدے ہیں جو لکھے جاتے ہیں۔

۱۔ وزن کرنے میں سکون حرکات کا شمار اور جگہ برابر ہونی چاہیئے خواہ حروف و حرکات مختلف ہوں۔ جیسے بلبل اور طوطی کا وزن فعلن ہے۔ یعنی دو حرکتیں اور دو سکون ایک ہی جگہ واقع ہیں، یہ وزن عروضی ہیں۔

۲۔ تقطیع میں حروف ملفوظ کا اعتبار ہے جو زبان سے ادا ہوتے ہیں۔ اور مکتوبی جو کتابت میں تو ہوں مگر بولے نہ جائیں، وہ تقطیع سے خارج ہیں مثلاً۔

(الف) الف، اب وغیرہ کا یعنی وہ الف جو آغاز لفظ میں آتا ہے۔ اگر اس کے ماقبل کا حرف اس سے ملتا ہوا ہو تو وہ گرا دیا جا سکتا ہے (ع)

"اب اس داستان کو سنا چاہیئے" تقطیع یہ ہوگی:۔

ابس دا، فعولن۔ سناچا، فعولن۔ ہیئے، فعل۔

(ب) نون غنہ جو حرف علت کے بعد ہو جیسے زماں، زمیں وغیرہ میں جب تک کہ اس کا اعلان نہ ہو تقطیع سے خارج ہے۔ اور اگر پیچ میں ہے۔ اور دیگر الفاظ کے مانند ملفوظ تو تقطیع میں شمار ہوگا ع

"بنام جہاں دار جان آفریں" تقطیع: بنامے، فعولن۔ جہاں (ا) فعولن رجا))، فعولن۔ فریں فعل۔

(ج) واؤ معدولہ، مثلاً خواب کی جگہ خاب لیا جائے گا ع

"خواب میں خود ہی کوئی آیا ہے"، تقطیع: خاب مے خد، فاعلاتن۔ یکو مفاعلن۔ یا ہے فعلن۔

(د) ہائے مختفی، جو اظہار حرکت کے لئے لکھی جاتی ہے، جیسے نامہ اور جامہ کی "ہ" اگر وسط میں ہو اور عروض وضرب میں ہو تو ساکن حرف کی جگہ متصور ہوگی (عروض پہلے مصرعے کا آخری رکن کی ضرب، دوسرے مصرعے کا رکن آخر) جیسے،

"نامہ آتا ہے نہ مدت سے پیام آتا ہے" تقطیع: نام آتا، فاعلاتن۔ ہ ن، مدت، فعلاتن۔ س پیاما، فعلاتن تا ہے۔ فعلن۔

(ہ) ایسا واو عاطفہ، جس کے ماقبل کے حرف صرف ضمہ (پیش) ظاہر ہوتا ہے۔ جیسے:۔

"جان ودل سے عزیز ہے مجھ کو" تقطیع: جان دل سے، فاعلاتن۔ عزیز ہے، مفاعلن، مجھ کو" فعلن۔

جان ودل کا" واو" تقطیع سے ساقط اور اگر ضمہ ماقبل وراز ہو" جیسے علم وہنر وفضائل وکسب وکمال" تو یہ واد شمار ہو گی:

تقطیع: علوہ، مفعول۔ نرو فضا، مفاعلن۔ لوکسب، مفاعیل۔ کمال فعول ابتدائے کلمہ کی مثال:

"ہے قدر کسی کی تو وطن ہیں ہے وگرنہ"

یہ داخل تقطیع ہے۔

تقطیع: ہے قدر، فعول۔ کسی کی ت، مفاعیل، وطن ہیں ہ، مفاعیل وگرنہ فعول۔

(ا) حرف مخلوط جو دوسرے سے مل کر ادا ہو۔ جیسے: کیا کی" ی" اور گھر کی" ہ" کیا کی جگہ" کا" اور گھر کی جگہ" گر" تقطیع میں آئے گا ۔

"کیا کہا پھر تو کہئے اے حضرت" تقطیع: کا کہا پر، فاعلاتن۔ ت کہ لے اے۔ مفاعلن۔ حضرت۔ فعلن۔

(ز) عربی کے الفاظ کا الف، جیسے: بالضرور، بالفعل۔ ان صورتوں کے علاوہ اور حرف اس طرح کا ہو تو وہ بھی تقطیع سے خارج ہو گا۔

۳۔ وسط مصرعہ میں دو ساکن ایک جگہ ہوں۔ تو دوسرے کو متحرک کر لیتے ہیں

ع "خیر تو ہے آپ کہاں جاتے ہیں" خیر کی "ر" کو متحرک کرلیا ہے "خیر تو ہے" مفتعلن سے تعبیر کریں گے، تقطیع: خیریت ہے، مفتعلن، آپ کہا مفتعلن، جات ہے، فاعلن۔

۴۔ آخر مصرعہ میں دو ساکن ایک جگہ آئیں تو بحال رہیں گے۔ وسط میں دو سے زیادہ حرف ساکن ہوں تو دوسرا متحرک اور تیسرا حذف ہوجائے گا، جیسے:
"راست کہتا ہوں اس کی پیچ مانو" راست کا سین متحرک کردیا گیا،
تقطیع:۔ راست کہنا، فاعلات۔ اس ک پیچ مفاعلن۔ جانو، فعلن
اور آخر مصرعہ میں تین ساکن ہوں تو وہ دو بحالت خود رہیں گے۔ تیسرا گرادیا جائے گا۔ غرض تین ساکن جمع نہیں ہوتے۔

(۵) ایسے الفاظ جن کے تلفظ میں بعض حرف زبان سے نکلتے ہوں مگر مکتوب نہیں وہ تقطیع میں آئیں گے۔ جیسے لفظ آمد میں دو الف۔ مثال:۔ آتا ہو تو ہاتھ سے نہ دیجے" تقطیع: اآتاہ، مفعول۔ ت ہات سے، مفاعلن نہ دیجے فعولن۔
اسی طرح وہ اضافت کا کسرہ جو دراز پڑھا جائے۔ اس کی جگہ "ی" منصور ہوگی۔ اس کو یائے باطنی کہتے ہیں، اور حروف مشدّد دو شمار ہوتے ہیں مثلاً: فرح، فررخ۔ کسرۂ دراز اور شدو حرف کی مثال: "نہ اتنا برشِ تیغ جفا پر ناز فرماؤ" (غالب)
تقطیع: ن اتنا بر، مفاعیلن۔ ر شے تیغ مفاعیلن۔ جفا پر نا۔ مفاعیلن زفرماؤ، مفاعیلن۔

(۶) حرف علت واؤ، الف، ی، جو الفاظ کے آخر میں آتے ہیں، جیسے: کو، تھا، وغیرہ، بعض اشعار میں ان کا تلفظ بہت مختصر ہوتا ہے، پس ان کے ماقبل کا حرف شمار ہوتا ہے۔ اور یہ حرف معدوم جیسے ع: مجھ کو تھا اس

اُس شخص سے لبس اتحاد" کو واؤ، تھا کا الف، کی گی ی کا تلفظ مختصر ہے۔ اس لئے یہ داخل تقطیع نہیں۔ تقطیع یہ ہے:

ہم گ تا اس، فاعلاتن۔ شخص سے لبس، فاعلاتن۔ ات ت حاد فاعلات

(۷) بعض جگہ رکن میں سکوت ہوتا ہے اور شعر میں اس جگہ حرف متحرک اسے بضرورت تقطیع ساکن کر لیتے ہیں۔ جیسے ع "تم نے بات نہ مانی میری" اس میں بات کی ت کو متحرک اور نہ کے نون کو ساکن کر لیا گیا ہے۔ یعنی بات نہ کو باتن، تقطیع کے وقت ایسے حروف کا جو خارج از تقطیع ہیں لکھنا نہ لکھنا برابر ہے۔ مگر اصل صورت قائم رکھنے کے لئے بہتر ہے۔ تقطیع یہ ہے: تم نے، فعلن، باتن، فعلن، مانی فعلن، میری فعلن۔

بحریں

۱۔ بحر ہزج

۱۔ بحر ہزج سالم۔ مفاعیلن ایک مصرعے میں چار بار ع: "ستم ہو جائے تمہید کرم ایسا کبھی ہوتا ہے" تقطیع: ستم ہو جا مفاعیلن، اتمہیدے مفاعیلن کرا ایسا مفاعیلن، ب ہوتا ہے، مفاعیلن۔ کبھی کی ہ اور ی تلفظاً مختصر ہونے کی وجہ سے خارج از تقطیع ہیں۔

۲۔ ہزج مضاف[1] آٹھ رکنی (مفاعیلن مفاعیلن۔ مفاعیلن۔ مفاعیلان)

ع: "کٹی نکلی ہیں لخت دل سے تار اشک کی لڑیاں"

تقطیع: کٹی نکلی مفاعیلن: ہ لختے دل مفاعلن، اس تارے اش، مفاعیلن ک کی لڑیاں مفاعیلان۔ کسی شعر میں عروض مضاف اور ضرب سالم ہے۔ تو جائز ہے۔

۳۔ ہزج اخرب (مفعول مفاعیلن) ع: "یارب میری قسمت میں غم نہ دیا ہوتا"

تقطیع: یارب م مفعول، رقسمت ی، مفاعیلن۔ یہ غم ن مفعول دیا ہوتا مفاعیلن

---

[1] ۔ ہم نے تسبیغ کا نام اضافہ اور مبغ کا مضاف رکھا ہے اور ہر جگہ یہی لکھیں گے

۴- اخرب مکفوف مقصور (مفعول، مفاعیل، مفاعیل مفاعیل) ع: "وہ مجھ کو جنوں جامہ دری کے لیے دے ہاتھ"، تقطیع وہ یہ ہے: مفعول، جنوجام مفاعیل، دری کے ل مفاعیل، یی دے ہاتھ مفاعیل۔

۵- اخرب مکفوف محذوف۔ (مفعول۔ مفاعیل مفاعیل فعولن)

ع:۔ دل لے ہی لیا ناز سے شوخی سے ہنسی سے"

تقطیع: دل، لے، ہ مفعول، لیا ناز مفاعیل، اس شوخی اس مفاعیل، ہنسی سے فعولن۔

کسی شعر میں عروض بروزن مفاعیل اور ضرب بروزن فعولن ہے۔ تو جائز ہے مگر سب جگہ یہ تفاوت نہ ہو۔

۶- ہزج اشتر مثمن (فاعلن مفاعلن مفاعیلن۔ فاعیلن مفاعیلن): ع

"بزم غیر سے اٹھنا یار کا تعجب ہے"

تقطیع: بزم غی فاعلن، رسے اٹھنا مفاعیلن، یار کا فاعلن تعج جب ہے مفاعیلن۔

۷- ہزج مقصور محذوف۔ (مفاعیل مفاعیل۔ مفاعیل مفعولن) ع: "دل نہ کھینچ آہ نہ کھینچ آہ دل یار یہ نازک ہے"، تقطیع میں کھینچ آہ مفاعیل، ن کھینچ آہ مفاعیل، دل یار مفاعیل، نازک، ہے مفعولن۔

۸- ہزج مسدس محذوف۔ (مفاعیلن مفاعیلن مفعولن) (دو بار)

ع:۔ "گلے لپٹے ہیں وہ بجلی کے در سے"

تقطیع:۔ گلے لپٹے۔ مفاعیلن، ہ وہ بجلی، مفاعیلن، کے ڈر سے فعولن

۹- ہزج مقصور۔ (مفاعیلن مفاعیلن مفاعیل) ع: "ہے سرمہ کا جو دنبالہ نمودار"

تقطیع: ہ سرمے کا: مفاعیلن جو دنبالہ مفاعیلن، نمودار مفاعیل۔

۱۰۔ ہزج مسدس اخرب مقبوض یا مخذوف (مفعول مفاعلن فعولن) یا (مفاعیل) مع:۔ "آتا ہو تو ہاتھ سے نہ دیجے"
تقطیع: "آتا ہ مفعول، ت ہاتھ سے مفاعلن، نہ دیجے فعولن۔

بحر رجز

۱۔ بحر رجز سالم۔ مستفعلن چار بار۔ ایک مصرعے میں۔
"ساغر مے گل رنگ بھر کے مجھ دے ساقیا"

۲۔ بحر مذال (مستفعلن مستفعلن مستفعلن مستفعلان) مع:
ہر چند تھیں ظاہر تری سب خلق میں بے باکیاں"
(ظفر شاہ)

۳۔ بحر رجز مطوی مخبون۔ (مفتعلن مفاعلن مفتعلن مفاعلن) مع:
عشق میں تیرے کوہ غم سر پہ لیا جو ہو سو ہو"
(شاہ نیاز)

۳۔ بحر رمل

۱۔ بحر رمل کا اصل وزن۔ فاعلاتن ہے۔ مگر سالم اردو میں بہت کم کہتے ہیں بلکہ نہیں کہتے۔

۲۔ رمل مقصور۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات۔ مع:
اے مسیحا بہر کچھ نہیں سکتا ترا بیمار آج

۳۔ رمل محذوف۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن۔
دل نہ توڑا اے بدگمانی کیوں کسی بیمار کا"

۴۔ مجنون مقصور۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات۔ مع:۔

"دل ہی پہلو میں نہیں پھر ہے عبث رنج و ملال

۵۔ مجنون محذوف۔ تمام ارکان مثل بالا، صرف بجائے فعلات، فعلن یا فعلن (بکسر عین۔ سکون عین) مع:

"کبھی چمکا نہ ستارا مری پیشانی کا

ایک مصرعے میں فعلات، دوسرے میں فعلن یا فعلن؟ درست ہے

۶۔ مجنون مقطوع۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن (فعلن بسکون عین)

ع:۔ مرغ دل پر ہدف تیر نظر کیا ہوگا

۷۔ مشکول مثمن۔ فعلات فاعلاتن فعلات فاعلاتن۔ مع:

ترے تیر نیم کش کو کوئی میرے دل سے پوچھے"

۸۔ مسدس مقصور۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلات۔ مع:

"بھر ہوا اس کو مرے دل کا خیال"

۹ مسدس محذوف۔ فاعلاتن فعلاتن فاعلن۔ مع:

"ہیں رقیب رو سیہ کو کھل گیا

ایک مصرعے میں فاعلات دوسرے میں فاعلن لانا درست ہے

۱۰۔ مسدس مجنون، مقطع یا محذوف۔ فاعلاتن۔ فعلاتن فعلات (بسکون عین یا بحرکت عین) مع:

۴ بحر کامل

۱۔ بحر کامل سالم۔ متفاعلن۔ متفاعلن متفاعلن (چار باغ)

آٹھ رکنی

"دل زار نے یہ ستم کیا مجھے شام ہی سے جگا دیا"

اس بحر کے رکن پر ایک حرف زائد کر کے یوں بھی کہا گیا ہے،

"یہی کہتی تھی لیلیٰ پردہ نشیں نہیں کھاتی ادب سے خدا قسم"

بروزن: متفاعلتن متفاعلتن متفاعلتن بحر کامل میں شعر کم کہتے ہیں مگر مروج ہے اور وہ بھی صرف سالم۔

۵۔ بحر متدارک

۱۔ متدارک سالم مثمن۔ آٹھ رکنی فاعلن فاعلن فاعلن فاعلن (چار بار) ایک مصرعے میں) ع: "سن لیا، سن لیا مت کہو چپ رہو" یہ سالم کم مروج ہے۔

۲۔ مجنون۔ فعلن فعلن فعلن فعلن۔ ع:۔ "نہ ہوا نہ ہوا نہ ہوا"

۳۔ سالم مضاعف یعنی ایک شعر میں سولہ بار ع:

"ترے ہاتھوں سے کچھ مرے حق میں ذرا نہ بھلا ہی ہوا نہ برا ہی ہوا"

۴۔ مقطوع احذ۔ فعلن فعلن فعلن فعلن (سکون عین کے ساتھ

ع:۔ دن بھر رونے دھوتے گزرا۔

۱۔ متقارب سالم، مضاعف۔ یعنی فعولن آٹھ بار ایک مصرعے میں (ذوق) ع:۔

"تمنا نہیں ہے کہ امداد دل کو تپش کا صلہ ہو کر مزد قلق ہو"

۲۔ سالم، مثمن۔ فعولن چار بار ایک مصرعے میں ع:
"بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے" (آتش)

۳۔ مقصور۔ فعولن فعولن فعولن فعول ع:۔
"الٰہی میں بندہ گنہگار ہوں"

۴۔ محذوف۔ فعولن فعولن فعولن فعل ع:
"طلسم جہاں ہے تماشہ عجب"

فعل اور فعول اول اور دوسرے مصرعے میں لانا جائز ہے مگر ہر جگہ یہ تفاوت نہ ہو۔

۵۔ مقبوض (اثلم) فعول فعلن فعول فعلن، یا فعلان ع:۔
"یہ عشق اب کیا لبا ہے دل میں"

۶۔ مقبوض اثلم (مضاعف) فعول فعلن (آٹھ بار) ع:
"چھبن، اکڑ، جھب، نگاہ، سج دھج، جمال وطور وخرام آٹھوں"

مقبوض۔ (ایک رکن مقبوض ایک سالم) فعل فعولن فعل فعولن۔ ع:۔
"سرو خراماں ہے تیرے قد پر"

اور صورتیں اس بحر میں کم مستعمل ہیں۔

مرکب بحریں

۱۔ خفیف

اس کا وزن یہ ہے۔ فاعلاتن مستفعلن فاعلاتن۔ اور یہ مسدس مزاحف مستعمل ہے۔

۱۔ بحر خفیف مخبون۔ فاعلاتن۔ مفاعلن۔ فعلاتن (دوبار) ع:

" ایک میں ہوں کہ آج تک متحیر "

مستفعلن خبن سے مفاعلن اور فاعلاتن خبن سے فعلاتن ہوتا ہے۔ کم مروج ہے۔

۲۔ مخبون، مقصور فاعلاتن۔ مفاعلن فعلات ع:۔

" زہر کھانے کی جی میں ٹھانی آج "

فاعلاتن خبن اور قصر سے فعلات رہتا ہے باقی بیان اوپر گذرا۔

۳۔ مخبون محذوف یا مقطوع۔ فاعلاتن۔ مفاعلن فعلن و فعلن بہ کسر عین یا بسکون عین)

ع:۔ " دل کے ڈسنے کو ہے یہی کافی "

فاعلاتن خبن اور حذف سے فعلاتن ہو جاتا ہے۔

۴:۔ ان بحروں میں صدر و ابتدا (مصرعہ اول و دوم کے پہلے رکن) سالم ہیں اگر یہ مخبون ہوں مثلاً فعلاتن۔ مفاعلن فعلات یا عروض و ضرب مخبون (مضاف)

ہو یعنی :- فعلیان تو جائز ہے
فعلاتن مفاعلن فعلن اور فعلاتن مفاعلن فعلات بھی مستعمل ہے
اور ان کا اجتماع جائز ہے۔

بحر سریع

اس بحر کا اصل وزن یہ ہے :- مستفعلن مفعولات (بضم تا)
مگر یہ سالم اور شمس مروج نہیں ہے

۱- سریع ، مطوی موقوف ۔ مفتعلن فاعلان (دو بار) ع :
"کیا کروں تشخیص کا اس کے بیاں"
مستفعلن میں طے واقع ہونے سے مفتعلن ہوگا۔ اور مفعولات میں
طے و وقف سے فاعلان ۔ اس کا بیان منسرح میں دیکھو۔

۲- سریع ، مطوی ، مکسوف (مفتعلن مفتعلن فاعلن) (دو بار)
ع :- " شام سے ہی وصل کی شب ہو گیا " (مومن)
یہ اردو میں بہت مروج ہے ۔ مفعولات میں " طے " سے واؤ گر کر
مفعلات ہوگا ۔ اور " ت " کسف سے گر کر مفعلا ، اس کی جگہ فاعلن رکھا گیا۔ عروج
میں فاعلان ضرب میں فاعلن لا سکتے ہیں۔

۳- بحر مجتث

۱- اس بحر کا اصل وزن یہ ہے : مستفع لن ۔ فاعلاتن ۔ مستفع لن ۔ فاعلاتن
اس کے مسدس میں شعر نہیں کہا جاتا ۔

۲- مجتث مخبون ، مفاعلن فعلاتن مفاعلن ۔ فعلاتن (دو بار)

ع: "کھلا ہوا کہ ... نہیں تو جان گئی تھی"

یہ کم مروج ہے۔

۳۔ مجنون، مقصور (مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان) ع:

"وہ مست ہوں کہ مری خاک کا ہے مے سے خمیر"

۴۔ مجنون محذوف و مقطوع۔ مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن (مکرر عین بالسکون عین) ع:

"ادا سے دیکھ لو جاتا رہے گلہ دل کا" (قلق)

۴۔ مضارع

۱۔ اس کا اصل وزن مفاعیلن فاع لاتن ہے۔ مسدس اور سالم میں شعر نہیں کہتے۔ یہ بحر منسرح سے مشابہ ہے۔

۲۔ اخرب (مفعول فاعلاتن مفعول فاعلاتن) (چار بار) ع:

"دنیا میں قصر و ایواں بے فائدہ بنایا"

مفاعیلن کو اخرب کرنے سے مفعول آتا ہے۔ یہاں چار رکن اخرب چار سالم ہیں۔

۳۔ اخرب (مضاف) مفعول فاعلاتن مفعول فاعلیان۔ ع۔

"مرنے پہ بھی چھوٹی نظارہ بازیاں ہیں"

فاعلاتن کو مضاف کرنے سے فاعلیان ہوگا۔

۴۔ اخرب مکفوف۔ مفعول فاعلات۔ مفاعیل فاعلاتن۔ ع:

"اے دوست تیرے لطف کے انداز پھر ہوں گے"

۵۔ اخرب مکفوف مقصور، محذوف (مفعول فاعلات۔ مفاعیل فاعلات یا فاعلن

ع: ظاہر ہے اپنی سوزشِ دل سے کہ آفتاب
پینے کو اشک کھانے کو لختِ جگر ملا

۵۔ منسرح

۱۔ اصل وزن یہ ہے:۔ مستفعلن مفعولات، مستفعلن مفعولات
مگر سالم و مسدس مروج نہیں۔

۲۔ مطوی موقوف۔ مفتعلن فاعلات۔ مفتعلن فاعلان یا فاعلات۔ ع:
"حضرتِ دل ہم تمہیں کہتے نہ تھے بار بار

۳۔ منسرح مطوی مکفوف۔ مفتعلن فاعلات۔ ع:
"سننے سمجھنے کی بات حق نے دیئے گوش گوش"

واو مفعولات کو طے کیا تو مفعلات رہا۔ اس کی جگہ فاعلات استعمال کیا
فاعلات کی جگہ فاعلن لانا بھی جائز ہے۔

۴۔ مطوی مفتعلن فاعلات مفتعلن۔ مروج نہیں ہے۔

۶۔ بحر مقتضب

۱۔ اصل وزن اس کا یہ ہے: مفعولات مستفعلن مفعولات مستفعلن
یعنی بحر منسرح کے بالکل برعکس۔ سالم اور مسدس رائج نہیں ہے۔
زیادہ تر یہ ایک وزن مروج ہے۔

۲۔ مطوی، مقطوع، مثمن۔ فاعلات۔ مفعولن۔

ع:۔
واہ رے نصیب اپنے جس کی یہ تمنا ہے

اوزانِ رباعی

رباعی کا وزن بحر ہزج کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس میں نو زحاف آتے ہیں۔ اس طرح چوبیس وزن ہو جاتے ہیں۔ پس جو چار مصرعے ان چوبیس وزنوں میں سے کسی وزن پر ہوں گے وہ رباعی ہے۔ ورنہ ہر ایسے دو بیت جن کا پہلا دوسرا، چوتھا مصرعہ ہم قافیہ ہو رباعی نہیں۔ چند اوزان لکھے جاتے ہیں۔

۱	مفعول	مفاعلن	مفاعیلن	فاع
۲-	مفعول	مفاعیل	مفاعیلن	فاع
۳-	مفعول	مفاعیل	مفاعل	فعل
۴-	مفعول	مفاعیلن	مفعولن	فاع
۵-	مفعول	مفاعلن	مفاعیلن	فع
۶-	مفعول	مفاعیل	مفاعیلن	فع
۷-	مفعول	مفاعیلن	مفعول	فعول
۸-	مفعول	مفاعیلن	مفعولن	فع
۹-	مفعول	مفاعیلن	مفعول	فعل
۱۰-	مفعول	مفاعیل	مفاعیل	فعول
۱۱-	مفعول	مفاعلن	مفاعیل	فعول

ان کو اوزان شجرۂ اخرب کہتے ہیں۔ دوسرے اوزان شجرہ اخرم کے یہ ہیں:-

۱-	مفعولن	فاعیلن	مفاعیلن	فاع
۲-	مفعولن	مفعول	مفاعیلن	فاع
۳-	مفعولن	مفعولن	مفعولن	فاع
۴-	مفعولن	مفعولن	مفعولن	فاع
۵-	مفعولن	فاعلن	مفاعیلن	فاع
۶-	مفعولن	مفعول	مفاعیلن	فع
۷-	مفعولن	مفعول	مفاعیلن	فع
۸-	مفعولن	مفعولن	مفعول	فعل
۹-	مفعولن	مفعول	مفاعیل	فعل
۱۰-	مفعولن	مفعول	مفاعیل	فعل
۱۱-	مفعولن	مفعولن	مفعول	فعل
۱۲-	مفعولن	فاعلن	مفاعیل	فعل۔

ختم شد